خلافتِ معاویہ و یزید

مؤلفہ
محمود احمد عباسی

— مقدمہ کی کامیابی پر بابائے اردو کا اظہار تہنیت —

انجمن ترقی اردو پاکستان

اُردو روڈ۔ کراچی ۱

۱۹ دسمبر ۱۹۶۰ع

محبی مولوی محمود احمد عباسی سلمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ کی کامیابی مبارک ہو۔ ایک جاہل حاکم اور ایک پابند رسوم و اوہام ملّا آپ کی بلند پایہ تاریخی تحقیق و (ری سرچ) کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ ہائی کورٹ کے فاضل ججوں کے بصیرت افروز فیصلے نے ان افواہوں اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک کردیا جو اس کتاب اور اس کے مصنف کے خلاف پھیلائی گئی تھیں۔ یہ فیصلہ آئندہ ایسے معاملات میں بطور نظیر کے پیش کیا جائیگا۔ اہل علم اور خصوصاً اہل تحقیق کو آپ کا ممنون ہونا چاہئے۔

مجھے امید ہے کہ آپ کی دوسری کتاب جس کی تالیف میں آپ ایک مدت سے مصروف ہیں اس سے زیادہ مقبول ہوگی۔

عبدالحق
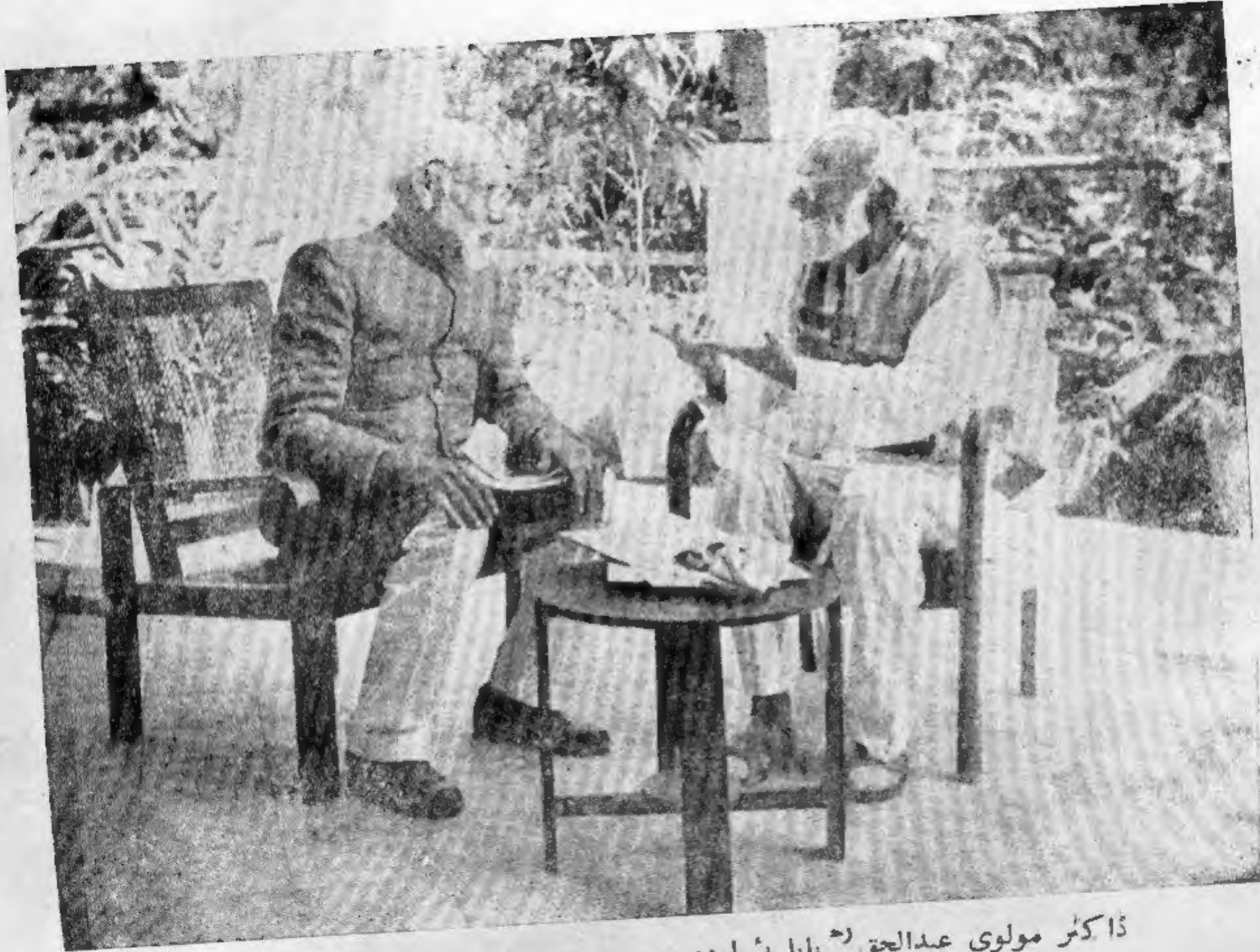
ڈاکٹر مولوی عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بابائے اردو   محمود احمد عباسی مصنف کتاب

سلسلۂ تاریخ اختلاف اُمت

(۱)

خِلافتِ مُعاویہؓ و یزیدؒ

یعنی

اُموی خلافت کا پس منظر، سیرۃ معاویہؓ و یزید بن معاویہؒ

حادثۂ کربلا و فتنۂ حرہ پر بے لاگ تحقیق و ریسرچ

مولفہ
محمود احمد عباسی

ناشر:- محمود احمد عباسی۔ مکتبہ محمود ۱/۲۹ بی ایریا۔ لالوکھیت کراچی ۱۹

طابع :- انجمن ترقی اردو پریس کراچی

یہ کتاب ان مقامات سے دستیاب ہو سکتی ہے

(۱) مکتبہ محمود - کاشانۂ محمود ۱/۲۹ بی ایریا لالوکھیت کراچی ۱۹

(۲) نور محمد کارخانہ تجارت کتب - آرام باغ - کراچی

(۳) سلطان حسین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب، مقابل مولوی مسافر خانہ - بندر روڈ - کراچی

(۴) اردو اکیڈمی سندھ - ۱۶ بہادر شاہ مارکیٹ بندر روڈ - کراچی

(۵) مکتبہ، نادیۃ الادب اسلامی، ۲۳۲ کوٹ تغلق شاہ۔ ملتان

نیز دیگر تاجران کتب پاکستان

فہرست مندرجات

طبع اول مئی ۵۹ء ۱۰۰۰

طبع دوبم جولائی ۵۹ء ۱۰۰۰

طبع سوبم جنوری ۶۱ء ۲۰۰۰

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

عرض مؤلف

(طبع سویم)

سب سے پہلا یعنی ابتدائی اڈیشن اس کتاب کا مئی ۵۹ء میں طبع ہوا تھا۔ پھر چند ہی ہفتے بعد دوسرا ماہ جولائی میں۔ کتاب کی ہر طرف سے بڑی مانگ تھی اور شہر میں جگہ جگہ اسی کا چرچا — پاکستان اور بھارت کے علاوہ بعض بیرونی ملکوں (بحرین و برما) سے بھی آرڈر آنے لگے تھے۔ کتاب کی اس کثرت سے مانگ اور غیر معمولی مقبولیت کا واحد سبب اموی خلافت کے ابتدائی عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و ریسرچ اور تاریخ کے مخفی گوشوں کا انکشاف ہے۔ تیرہ سو سال کی طویل مدت میں کسی مورخ اور مصنف نے ان تاریخی واقعات کے بارے میں جن پر صدیوں سے وضعی روایتوں، من گھڑت حکایتوں اور افسانوں کے گہرے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس نوعیت سے تحقیق اور ریسرچ کی جانب توجہ نہیں کی تھی۔

کتاب کا موضوع محض تاریخ اور تاریخی ریسرچ ہے۔ مختلف فرقوں

کے مذہبی یا اختلافی مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہرگز نہیں۔ بقول مولانا
عبدالماجد دریا بادی :۔

" کتاب مجادلہ کیا معنی مناظرہ کی بھی نہیں اور اس کا موضوع
عقائد کی بحث نہیں بلکہ بعض تاریخی حقیقتوں کا انکشاف ہے
جو مسلمات عام اور قدیم کے مخالف ہونیکے باعث تلخ و ناگوار جچنے بھی
معلوم ہوں بہرحال خلاف قانون بلکہ خلاف تہذیب بھی نہیں
کہے جاسکتے اور نہ ان کا مقصود بعض محترم شخصیتوں پر کوئی
حملہ ہے۔ تاریخی مسلمات پر جرح و نقد کی حیثیت سے کتاب کی
زد جیسی شیعہ تاریخوں پر پڑتی ہے۔ ویسی ہی سُنی عالموں کے
لکھے ہوئے شہادت ناموں پر" (صدق جدید ج ۹ ص۱۲)

تاریخی تحقیق و ریسرچ کے سلسلہ میں کتاب کی یہ زد جس کا اشارہ مندرجہ
بالا اقتباس میں ہے بلاشبہ ان افسانوں اور وضعی حکایتوں پر پڑی اور پڑنی
لازم بھی تھی جو واقعات کی اصل صورت مسخ کرنے کی غرض سے محض سیاسی مقاصد
سے وضع ہوئیں اور بمرور زمانہ قوم و ملت کی اکثریت کے ذہنی جمود اور توہم
پرستی کا سبب بنتی گئیں مفکر اسلام ڈاکٹر اقبالؒ نے شاید عجمی ذہنیت کی اسی
قسم کی مخترعات کو "خرافات" سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

تمدن تصوف شریعت کلام — بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ اُمت روایات میں کھو گئی

" مجاہد اعظم" کے شیعہ مؤلف تو حادثہ کربلا کے من گھڑت قصوں

کے بارے میں واضح طور سے خود ہی لکھتے ہیں۔

" ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بعض واقعات جو نہایت مشہور اور سینکڑوں
برس سے سُنیوں اور شیعوں میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے
چلے آرہے ہیں سرے سے بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ ہم
اس کو بھی مانتے ہیں کہ طبقہ علماء کے بڑے بڑے اراکین،
مفسرین ہوں یا محدثین، مورخین ہوں یا دوسرے مصنفین
متقدمین ہوں یا متاخرین ان کو یکے بعد دیگرے بلا سوچے نقل
کرتے آئے ہیں اور ان کی صحت و غیر صحت کو معیار اصول
پر نہیں جانچا۔ اس تساہل و تسامح کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط اور
بے بنیاد قصے عوام تو عوام خواص کے اذہان و قلوب
میں ایسے راسخ اور استوار ہوگئے کہ اب ان کا انکار
گویا بدیہیات کا انکار ہے۔ (مجاہد اعظم ص۱۶۳)

ان شیعہ مؤلف نے تو کربلا کے دو چار دس پانچ نہیں بلکہ (۲۵) مشہور
قصوں پر شد و مد سے جرح و نقد کرتے ہوئے متعدد کو یکسر سے غلط و بے
بنیاد بتایا ہے اور بعض کو من گھڑت اور مبالغہ آمیز اور صاف صاف کہا ہے
کہ ذاکرین نے بُکا و ابکیٰ کی خاطر بے سروپا قصے مشہور کر رکھے ہیں۔ مگر برخلاف
ان شیعہ مؤلف کے راقم الحروف نے تو صرف اجمالی جائزہ پر اکتفا کیا ہے
اور وہ بھی ضمناً کیونکہ مقصود اصلی سیدنا امیر معاویہؓ اور امیر یزید رحمہ
کے حالات و واقعات اور سیرت و کردار کو مفتریات واحیہ کے پردے

چاک کر دینے کے ساتھ ساتھ انہیں کذب بیانیوں کے خس و خاشاک سے پاک کر کے اصلی خد و خال میں پیش کرتا اور اس قدیم زمانہ کے تاریخی حالات کو جو خیر القرون ہی کا زمانہ تھا بغیر کسی رنگ آمیزی کے صحت کے ساتھ ترتیب دیتا اور بیان کرتا تھا۔

"خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف کی شاید یہ جسارت ہی بعض ارباب جبہ و دستار کی برہمی مزاج کا سبب ہوئی کیونکہ عجمی ٹکسال کی ان موضوعات ہی سے تو ان کے کاروبار کی ازدیاد رونق ہے مگر اس تاریخی ریسرچ نے ان میں سے اکثر کا پردہ چاک کر دیا اور اصل حقیقت منکشف ہو گئی۔ تنگ نظر اور مفاد پرست متعصبین کے علاوہ سب ہی اہل علم معترف ہیں کہ دُور رس نتائج کے اعتبار سے اسلامی تاریخ کی یہ ایک بہت مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔

کتاب کی روز افزوں مقبولیت کچھ لوگوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی تھی۔ چنانچہ اس کی مخالفت میں ایک محاذ بنایا گیا۔ سستی شہرت حاصل کرنے یا اپنی سنہری مصلحتوں سے بعض عبد الدراہم بھی ان میں آ شامل ہوئے اور انتظامیہ کے ذی اختیار حلقوں میں کتاب کے بارے میں غلط باتیں باور کرانے کی جد و جہد کی گئی۔ بالآخر ۱۲ اگست ۵۹ء کو کراچی کے ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) نے زیر دفعہ ۹۹ الف ضابطہ فوجداری اپنے حدود اختیارات کے اندر کتاب کو بحق سرکار پاکستان ضبط کر لیا۔

انتظامیہ کے غلط حکم کا تدارک تو عدلیہ ہی کی معدلت گستری سے ہو سکتا ہے چنانچہ ہوا۔ ہائی کورٹ کی اسپیشل بنچ نے جو تین فاضل ججوں پر مشتمل تھی حکم ضبطی کو اپنے فیصلہ مصدرہ ۱۹ دسمبر ۶۰ء کی رو سے منسوخ کرتے ہوئے اس درجہ نامناسب قرار دیا کہ ہمارے مقدمہ کا خرچہ بھی ان سے دلوایا گیا۔

روئیداد مقدمہ کا بیان تو یہاں مقصود نہیں البتہ اس بات کا اظہار کر دینا مضامین کتاب کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ مقامی حکومت (یعنی ایڈمنسٹریٹر) نے کتاب کا کوئی مضمون یا کوئی فقرہ جو ان کی رائے میں خلاف قانون یا قابل اعتراض تھا اور جس کی بنا پر کتاب کے ضبط کرنے کا اقدام کیا گیا تھا نہ تو حکم ضبطی میں شامل کیا۔ نہ اس بیان حلفی میں جو ان کی جانب سے عدالت عالیہ میں داخل کیا گیا تھا اور نہ ان کے وکیل ایسا کوئی مضمون و فقرہ کتاب کا بتا سکے۔ بلکہ عدالت کے استفسار پر صاف گوئی سے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ایڈمنسٹریٹر کے دفتر کی مرتبہ مثل مقدمہ میں کتاب کے کسی خاص فقرے کا کوئی حوالہ اور ذکر موجود نہیں ہے۔ ان کے اس بیان پر فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں یہ ریمارک کیا ہے کہ ناظم امور (ایڈمنسٹریٹر) کے وکیل کی شکست اور ہزیمت تو صریحاً واضح ہے۔ کیونکہ کتاب میں سے اگر کوئی قابل اعتراض اور خلاف قانون فقرہ وہ نکال کر بتاتے بھی تو یہ ان کی اپنی رائے ہوتی نہ مقامی حکومت (بالفاظ دیگر ایڈمنسٹریٹر) کی، جنھوں نے صرف اسی بنا پر کتاب ضبط کی تھی۔

بہرحال کتاب کے خالص علمی و تحقیقی ہونے اور بلا شائبہ کسی کی تنقیص یا کسی فرقے کی دلآزاری کے مسائل تاریخی پر اس کے بے لاگ ریسرچ کا یہی واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ کتاب کا کوئی فقرہ و مضمون جو خلاف قانون اور قابل اعتراض متصور ہو نہ صدور حکم ضبطی کے وقت بتایا جا سکا اور نہ اس ساڑھے تین سال کے عرصہ میں جب سے مقدمہ عدالت عالیہ میں دائر تھا۔ وہ یا ان کا سیکریٹریٹ ایسا کوئی فقرہ کتاب سے نکال کر بیان حلفی میں پیش کر سکے اور نہ اپنے وکیل کے ذریعہ عدالت کے سامنے! ان کے فاضل وکیل کی اس بارے میں بے چارگی و تہی دستی تو اظہر من الشمس تھی۔ کتاب میں جب کوئی مضمون خلاف قانون موجود ہی نہ تھا حکم ضبطی کے جواز کی پھر وہ کیا دلیل لاتے اور بغیر ثبوت کے کیا پیروی کرتے گویا وہی بات ہوئی کہ۔

ع:۔ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک علمی کتاب کے اس طرح ضبط کر لئے جانے کا ملال اپنے بیگانے اور دور و نزدیک کے سب ہی علم دوست حلقوں کو تھا۔ پاکستان کی مثال کو سامنے رکھ کر جب بھارت میں بھی کتاب کی ضبطی کی تحریک زور شور سے بمبئی اور لکھنؤ وغیرہ میں شروع ہوئی جمعیۃ العلماء کے موقر روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے فاضل مدیر نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں "ایک علمی کتاب" کے ذیلی عنوان سے یہ شذرہ لکھا تھا:۔

"اگر کوئی شخص ایسی کتاب لکھے جس میں اونچے خیالات کے ساتھ علمی رنگ میں کسی اختلافی مسئلہ پر ریسرچ کی گئی ہو اور اس کے ذریعہ تاریخ کے بعض مخفی گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہو، ساتھ ہی اس میں کسی طبقہ کی دلآزاری بھی نہ کی گئی ہو، نہ اس کے بزرگوں

کو برا کہا گیا ہو تو ایسی علمی کتاب کی قدر کرنی چاہئے۔ اگر کوئی حکومت تحقیقی لٹریچر پر بھی قدغن لگا دے تو یہ علم اور ریسرچ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ ابھی حال میں پاکستان سے خلافت معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے جو ہماری نظر سے بھی گذری ہے اور جو اپنے موضوع پر اس قدر محققانہ اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی ساتھ ہی اس کی متانت بھی قابل داد ہے مگر ہمیں یہ سنکر تعجب ہوا کہ پاکستان نے اسے ضبط کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ کتاب مذکور کے دلائل کمزور ہوں اور ان سے کسی کو اتفاق نہ ہو اس کا علاج یہ ہے کہ تحقیق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہی اسے زیر تنقید لایا جائے۔ اور علمی رنگ میں اس کا جواب دیا جائے لیکن علمی باتوں میں حکومت پاکستان کا دخل دینا حدود کار سے تجاوز کرنا ہے۔ اس طرح تو تحقیقات کا سلسلہ یکسر منقطع ہو جائیگا اور تاریخی لٹریچر کو دریا برد کرنا پڑے گا۔

حکومت پاکستان[1] نے اس کتاب کو ضبط کر کے ایک بری مثال قائم کی ہے۔ جسے بہرحال جمہوری ممالک میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔"

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی جلد نمبر ۴۲ شمارہ نمبر ۲۸۱۔ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

---

[1] حکومت پاکستان نے نہیں ایڈمنسٹریٹر کراچی نے بحق سرکار پاکستان کتاب ضبط کی تھی۔ جیسا کہ ان تفصیلات سے جو پیش کی گئی ہیں ظاہر ہے۔

مگر واقعہ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ مدیر الجمعیۃ نے جس کتاب کی علمی حیثیت کی مندرجہ بالا شذرہ میں ثنا و صفت کی ہے اسی کتاب کی مخالفت میں اور اسی اخبار کے کالموں میں اور اسی ادارہ کے ناظم نے جس کا یہ اخبار (الجمعیۃ) آرگن ہے شد و مد کے ساتھ یکایک مخالفت شروع کر دی اور وہ بھی علمی و تاریخی و تحقیقاتی مسائل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے ادارے جمعیۃ العلماء اور اپنی علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے اقتصادی مفادات کے تحفظ کے لئے۔ تفصیل اس اجمال کی مختصراً یہ ہے کہ الجمعیۃ کے مندرجہ بالا شذرہ کی اشاعت یعنی (۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۹ء) کے چھ سات دن بعد سے بمبئی کے ہفتہ وار اخبار "طوفان جدید" نے اِن دونوں اداروں یعنی جمعیۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند کے مہتمم اور ناظم کو کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کی تصنیف و تالیف میں شریک بنا کر وہاں کی مسلم پبلک اور مسلمان تاجروں کو جن سے ان اداروں کو چندہ کی گرانقدر رقوم و عطیات ملتے ہیں بھڑکانا شروع کیا۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں (شمارہ نمبر ۲۱ جلد ۱۱) بحرف جلی یہ لغو بیانی کی گئی۔

"کتاب خلافت معاویہ ویزید کی تصنیف و تالیف میں شیخ جامعہ دیوبند مولانا محمد طیب قاسمی، مولانا عتیق الرحمٰن و مولانا حفظ الرحمٰن کا ہاتھ ہے۔"

پھر اسی مضمون میں "مصنف کون ہے" کی ذیلی سرخی سے یہاں تک لکھ مارا کہ۔

"کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کسی ایک دماغ کی کاوش کا نتیجہ

نہیں کہی جا سکتی بلکہ اس کے مرتب کرنے میں کئی اصحاب کا ہاتھ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بعض ابواب و حصص کے طرز بیان میں شیخ الحدیث سرخیل جامعہ دارالعلوم دیوبند عظیم المرتبت الحاج محمد طیب صاحب قاسمی کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور جہاں جمہوریت کی تواریخ اور منشار کا اظہار کیا گیا ہے اور اموی سیاست پر بحث کی گئی ہے وہاں بطل حریت ضیغم دیوبند عزت مآب مولانا حفظ الرحمٰن کی عظمت جھلکتی دکھلائی دیتی ہے۔ ۔ ۔ ۔

(وغیرہ وغیرہ من الہفوات)

اس مبتذل اخبار کے چیف ایڈیٹر نے اپنے نام کے ساتھ "سگ بارگاہ چشتیہ" کے الفاظ لکھے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم (قاری محمد طیب قاسمی) اور دار العلوم دیوبند کے نامور فرزند (مولانا حفظ الرحمٰن) پر اس کی یہ غراہٹ اپنے اسی مسلک کے تقاضے سے تھی۔ کتاب کی مخالفت میں جو زبردست پروپگنڈہ بمبئی میں کیا جا رہا تھا۔ ان حضرات کو اور ان کے ذریعہ دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ العلماء کو ہدف ملامت بنانے کے لئے کتاب کی تالیف و تصنیف کی شرکت کا اتہام ان کے سر تھوپا گیا تھا۔ مزید ثبوت یہ ہے کہ ۲۷ر اکتوبر کو جو ضمیمہ نکالا گیا اس میں بحروف جلی یہ مضحکہ خیز لغو بیانی بھی اسی مقصد سے کی گئی۔

"خلافت معاویہ یزید کا مصنف محمود عباسی یو پی جمعیۃ العلماء کا سیکریٹری ہے"[1]

[1] یو پی جمعیۃ العلماء کے سکریٹری ہونے کا شرف تو تقسیم ملک سے پہلے بھی کبھی حاصل نہ ہوا تھا چہ جائیکہ کراچی میں مستقلاً مقیم ہو کر یہ خدمت انجام دیتا! اپنے سابقہ سیاسی مسلک کے اعتبار سے جمعیۃ اور جمعیۃ کے مقاصد سے دلچسپی ضرور تھی اور اس کے متعدد زعماء سے مراسم محبت و یگانگت کے بھی رہے تھے بالخصوص مولانا حفظ الرحمٰن سے جن کا قیام میرے مولد و منشاء و سابقہ وطن امروہہ میں چند سال اس زمانہ میں رہا تھا کہ امروہہ کانگریس کمیٹی کا میں صدر تھا اور وہ ممبر اور یوں ہم دونوں کو شب و روز کی یکجائی کے مواقع مہینوں کیا برسوں تک حاصل رہے تھے۔ پرائیویٹ صحبتوں کے علاوہ مجامع عام میں جلسہ جلوس کے ہنگاموں میں اکثر و بیشتر ساتھ رہتے۔ پنڈت جواہر لال نے جب ہمارے علاقہ میں الیکشن کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ ہمیں دونوں ان کے ساتھ ساتھ قصبات و دیہات میں پھرنے اور جلسوں کے انتظامات کرتے تھے مگر سیاسی مشغلوں ہی تک ہمارے یہ تعلقات محدود نہ تھے اس وقت بھی رہے جب آنریری مجسٹریٹی کے تقرر سے عملاً سیاست سے علیحدگی رہی تھی اور اس وقت بھی رہے جب ناظم جمعیۃ کی حیثیت مولانا کو دہلی میں قیام کرنا ناگزیر ہوا اور مجھے کانگریسی نیتاؤں کی نیتوں میں فرق آتا دیکھ کر نیز مغربی اضلاع یو پی میں جو مظالم مسلمانوں پر ڈھائے گئے میرے بھانجے کو جو گڑھ مکتیشر کے زمیندار اور وہاں کی کانگریس کمیٹی کے صدر تھے بعض کانگریسیوں نے ہی وحشیانہ بربریت سے قتل کرا دیا تھا۔ میرے اہل خاندان

پھر اسی اخبار کی ایک اور اشاعت (نمبر ۱۰ ۲۰ مئی) میں معطیان دار العلوم دیوبند اور قوم چندہ دینے والے طبقہ کی رائے پر اثر ڈالنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے ایک طویل مضمون شایع کیا گیا جو سراسر بہتان طرازی سے مملو تھا۔ اس کے جلی عنوانات کے بعض فقرے یہ تھے۔

"سرزمین دیوبند کی ایک نئی آواز۔

"امیر المومنین جناب یزید علیہ الرحمۃ جائز اور حقدار خلیفہ تھے۔

"غمگساران اہلبیت و جان نثاران حسین کے لئے لمحہ فکریہ۔

"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں، سنی جمعیۃ العلماء کے مجاہد کس خیال میں ہیں" وغیرہ وغیرہ

اب ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو جو چندہ بند کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔

(بقیہ صفحہ ۱۶) داماد اور بھانجوں بھتیجوں کو جا [illegible] پڑی تھی نہ صرف مجسٹریٹی سے مستعفی ہو گیا بلکہ کانگریس کی مہری کی ممبری تک سے [illegible] تعلقات محبت قائم رہے۔ اور اب کہ ہم دونوں توطن کے اعتبار سے بھی جدا ہیں۔ اور مسلک کے لحاظ سے بھی ان کے خلوص کا اثر اب بھی قلب حزیں میں محسوس کرتا ہوں ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اس یاوہ گو اخبار نویس کو ہمارے تعلقات کا کیا علم اس نے تو اس ذلیل مقصد سے یہ کذب بیانی کی ہے کہ مصنف کتاب کو جمعیۃ کا سیکریٹری بتا کر اراکین جمعیۃ کو بھی اس سب و شتم میں شامل کرے جو کلکتہ سے پشاور تک مصنف کے خلاف مہینوں برپا رہا تھا۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند کی کاروباری ہستی اور ذہنی زندگی کا حقیقی
دارومدار ان حضرات کے عطیہ کا مرہونِ منت ہے جو یزید کو رُوسیاہ
قرار دیتے ہیں، جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔ جو یزید ناحسین
کی شہادت عظمیٰ کو اساسِ لا الٰہ قرار دیتے ہیں، جو بغض للنبی
کا شکار نہیں بلکہ حُبِّ نبی، حُبِّ علی اور حُبِّ اہلِ بیت کے
فدائی، جانثار اور شیدائی ہیں۔

ان کے عطیہ کا محل استعمال اس قدر دل آزار اور حقایق سے بعید
منظرِ عام پر محض اسی لئے پیش کیا جارہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ (الی آخرہ)

یہ بکواس یادہ گو اخبار نویس کی لایق اعتنا نہ تھی مگر معاملہ تھا دارالعلوم
کے عطیات اور چندہ کی رقوم کا گویا مہتمم دارالعلوم کی دکھتی رگ "سگ
بارگاہ چشتیہ" کی گرفت میں اس طرح جب آگئی بچارے طلبلا اٹھے اور
کتاب سے اپنی بے تعلقی ہی کا نہیں کہ امر واقعہ تھا مگر اپنی بیزاری کا اعلان
فی الفور تمام اخبارات میں بذریعہ تار کراتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا
کہ کتاب مذکور کی تصریحات "مسلک اہل سنت والجماعت اور ہمارے
جذبات اور احساسات کے سراسر خلاف اور منافی ہیں" اس اعلان بیزاری
کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے طلبہ کے جلسے منعقد کرائے گئے کتاب کے
مسلک اہل سنت کے خلاف ہونے کی قرار دادیں بھی مشتہر کی گئیں ساتھ
ہی اس کے ضبط کرانے کی کوششیں متزدع ہوئیں۔ دارالعلوم ندوہ کے
ایک فاضل استاد نے "دیوبند سے ایک عجیب بیان" کے عنوان سے

صدق جدید مورخہ ۱۳ / نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جد وجہد کے سلسلہ
میں جو کتاب کی مخالفت میں کر رہے تھے لکھا تھا۔

"کتاب "خلافت معاویہ و یزید" تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔ اگر
شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے
تعجب نہیں ہے مگر بعض اہلسنت کا ان کی ہمنوائی کرنا
حیرت انگیز ہے خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کا یہ
اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک
اہلسنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے
والے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں نے کتاب اوّل سے آخر تک دیکھی، اس کا موضوع تاریخی
واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد، ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ
قایم کرکے واقعات و حوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے
تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید
از قیاس نہیں اس لئے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے
مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت
تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا اس سے اس کتاب کے مضامین
کا تصادم بالکل خلاف عقل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (یزید قتل حسینؓ کے) جرم کا مرتکب
بھی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت و نفرت

کے لئے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے ؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابلِ
فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہرحال مجرم ہی سمجھیں گے
گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے جس پر قائم رہنا اور
اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے
مذہب اہلسنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز نہیں قرار
دیتا۔ اسی تاریخی مسئلہ کو اگر کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو
غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے ؟ اور مسلک اہلسنت والجماعت
کی کون سی مخالفت کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کتاب کے ضبط کرانے
کی کوشش تو اعتراف شکست کے مرادف ہے وہ اگر غیر
مہذب ہوتی تو مطالبہ بجا ہوتا ۔ مگر طرز بیان تو شروع سے
آخر تک مہذب و سنجیدہ ہے کسی دینی پیشوا کی شان میں کوئی
گستاخی و بے ادبی نہیں کی گئی ۔ تنقید میں بھی تہذیب و
شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا پھر اسے ضبط
کرانے کیا معنی ۔ اگر ایسی مہذب کتاب صرف اس لئے ضبط
ہو سکتی ہے کہ وہ شیعی عقائد کے خلاف ہے تو ان سب
کتابوں کو بدرجۂ اولیٰ ضبط ہونا چاہئے جو عقائد و جذبات
اہلسنت کے بالکل خلاف ہیں اور جن میں صراحت کے
ساتھ صحابہ کرام خصوصاً حضرات خلفاء ثلثہ رض کی شان میں
ناگفتہ بہ بے ادبیاں اور گستاخیاں کی گئی ہیں ۔

اگر یہ کتاب ضبط ہوئی تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی اور
بہت بری نظیر قائم ہو جائے گی جس کے بعد مذہبی لٹریچر کی
اشاعت بہت مشکل ہو جائے گی ۔"

مگر وہاں تو مطلب سعدی دیگر است کا مضمون تھا ۔ کتاب کا جو بھی
حشر ہو دارالعلوم کا کسی طرح چندہ بند نہ ہو ۔ مردہ دوزخ میں جائے یا
بہشت میں انھیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ۔ چنانچہ بھارت کے
ایک دینی ادارے کے ممتاز رکن نے اسی زمانہ میں راقم الحروف کو لکھا تھا ۔

"دارالعلوم دیوبند اور جمعیتہ علماء کی طرف سے کی گئی مخالفت
کی ایک وجہ یہ ہے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ نے آزادی کے بعد پیدا شدہ
مشکلات میں مسلمانوں کی حمایت اور پشت پناہی زوروں
سے کی ۔ دہلی ، بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان تاجر جو مختلف فرقوں
سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ممنون احسان ہوئے اور ان
سے قریب ہوتے گئے انہوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو جمعیتہ علماء
کے لئے گراں قدر رقوم دیں اور جن اداروں کے لئے ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ نے سفارشیں کیں ان کے لئے بھی آپ کو معلوم ہے
کہ ان تاجروں میں آغاخاں اور مُلّا طاہر سیف الدین
وغیرہ کے متبعین بہت ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کو یہ پسند نہیں کہ جو
قربت پیدا ہو چکی ہے اس میں کوئی نقصان پہنچے چنانچہ انہی
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تاجروں سے تعلقات کو باقی رکھنے کے لئے آپکی

کتاب کی مخالفت کی گئی ہے :

غرضیکہ تاریخ کی اس کتاب کو جو فرقہ وارانہ مسائل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی جب ذاتی اور دنیوی مفادات کی خاطر بعض علمائے سوء "حرب عقائد" کا اکھاڑہ بنانے کی کوششیں کر رہے تھے ۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ :-

مگر عرض ہے کہ کتاب عقائد و مناظرہ کی ہرگز نہیں ۔ اس کو کتاب الحرب سمجھنا یا اس کو حرب عقائد کا اکھاڑہ بنا لینا نہ صرف کتاب کی روح پر بلکہ خود اپنی قوت نقد و نظر پر بھی ظلم کرنا ہے اس کا دائرہ بحث و نظر تمامتر تاریخی ہے اور مورخین ہی کو اس پر رائے زنی کا حق حاصل ہے ۔ (صدق جدید)

مگر غرض کے بندوں کو کیوں چین آتا ۔ ایک اور شخصیت پرست جماعت نے تو ہندوؤں اور سکھوں کو اپنے احتجاجی جلسوں میں نہ صرف مدعو کیا بلکہ انہی کے زیر صدارت جلسے منعقد کئے اور ان غیر مسلموں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے مضامین لکھے گئے ۔ جن میں کہا گیا کہ مصنف "خلافت معاویہ و یزید" اس گروہ سے ہے ۔

جس کے بعض[1] افراد نے ہندوستان پر حملے کر کے یہاں کے مندروں کو لوٹا اور تباہ کیا اور عورتوں اور بچوں کو اتنی

[1] مراد ہے سلطان محمود غزنوی سے ۔

کثیر تعداد میں غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے کہ غزنی کے بازار میں ٹکے ٹکے غلام بکنے لگا ۔ یہی گروہ تھا جس نے تنظیم کر کے سکھوں سے جنگ کی اور اس کا نام جہاد رکھا ۔ اور آج بھی سکھوں کے مقابلہ میں کام آنے والے ان ہی وہابی مقتولین کو شہید[1] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ یہی وہ گروہ ہے جو آج بھی مسجد کے سامنے باجا بجا دینے پر اپنے پڑوسیوں پر حملہ کر دیتا ہے ۔ یہی وہ گروہ ہے جس کی تحریکیں نئے نئے لباس پہن کر دنیا کے سامنے آتی رہیں ۔ کبھی تحریک خلافت کی شکل میں، کبھی تحریک گاؤ کشی کی شکل میں، کبھی جماعت اسلامی کی شکل میں، کبھی عزاداری کی مخالفت کی شکل میں اور کبھی محفل میلاد اور اولیائے باخدا کے مزاروں پر حاضری دینے کی مخالفت کی شکل میں ۔ (ضمیمہ اخبار سرفراز لکھنؤ ۔ مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۹ء) اس ہذیاں سرائی کے بارے میں تو کچھ کہنا نہیں ۔ اسی ذہنیت کے لوگوں کی کوشش سے مسجد آصفی (لکھنؤ) کے احتجاجی جلسے کی صدارت ایک ہندو نے کی اور دوسرے ہندو ایم، ایل، اے مہابیر پرشاد سریواستوا نے ضبطی کتاب کا رزولیوشن پیش کیا ۔ لکھنؤ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی

[1] حضرت سید احمد شہید بریلوی اور ان کی جماعت مراد ہے ۔

جلسے ہوئے اور اسی قسم کی قرار دادیں منظور کر کے وزیر اعلیٰ و گورنر
یوپی کو بھیجی گئیں۔ مگر اس اسٹیٹ میں تو کتاب ضبط نہ ہوئی حالانکہ
وزیر عدل و قانون ایک شیعہ ہی ہیں۔ بھارت میں یہ کتاب
ضبط ہوئی بھی تو اس کی راجدھانی اور جمعیۃ العلماء کے مرکزی
مقام دہلی میں جہاں کے چیف کمشنر نے ۲ر نومبر ۱۹۵۹ء
کو اس بے بنیاد الزام پر حکم ضبطی صادر فرمایا کہ کتاب میں ایسے
مضامین ہیں جو بہت ممکن ہے کہ انڈیا کے مختلف فرقوں میں عناد
و منافرت کا موجب ہوں مگر کتاب کے کسی ایسے مضمون یا فقرہ
کا حوالہ نہ آرڈر میں ہے۔ نہ ایسا کوئی مضمون حکومت کے مشیر
قانونی بتا سکے اور نہ جمعیۃ کے ناظم جن کے بارے میں اطلاع
ملی ہے کہ وہ ضبطی کتاب کے متحرک کام میں بہت کوشاں رہے
دہلی کے جس مطبع[1] نے یہ کتاب بلا اجازت مصنف طبع کی تھی۔
اسی نے ضبطی کے حکم کے خلاف اپیل دائر کیا ہے جو زیر سماعت
ہے۔ بہرحال بھارت دیش میں کتاب کے ضبط ہو جانے کے

---

[1] کو وہ نور پریس کی اپیل سے ظاہر ہے کہ مصنف کتاب سے اجازت حاصل کئے یا ان کو اطلاع کئے بغیر روحانی کتب خانہ پل بنگش کے کسی شخص نے یہ کتاب چھپوا کر فروخت کی حالانکہ بھارت میں اس کے پہلے اڈیشن کی طباعت کا حق مصنف نے مکتبہ جلال الہ آباد کو تحریراً دے دیا تھا۔

بعد بھی مفاد پرستوں کو چین نہ آیا۔ قاری طیب صاحب دیوبندی نے
کتاب کے موضوع اور اس کے اصل مباحث سے یکسر ہٹ کر اور یہ فرمائے ہوئے کہ:

"میرا مقصد اس مختصر مقالہ میں نہ پوری کتاب پر تنقید ہے
نہ اس کے تمام مباحث پر رد و قدح صرف کتاب کے بنیادی حصہ
حسین و یزید کے سلسلہ میں شرعی حیثیت اور مذہب اہل
سنت والجماعت کو سامنے رکھ کر کلام کرنا ہے۔ (ص۱۹)

• "شہید کربلا اور یزید" نام سے ایک مختصر سی کتاب شایع کر ڈالی
جس کے سرورق پر بحروف جلی تحریر ہے کہ۔

"ناموس سبط رسول کو بازیچہ اطفال بنانے والوں کے لیے عظیم
دعوت فکر"

یہ تو آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ اخبار "طوفان" کے مدیر نے جو اپنے
نام کے ساتھ ہر جگہ "سگ بارگاہ چشتیہ" تحریر فرماتے ہیں لکھا تھا کہ بمبئی
کے معطیان و سرپرستان دار العلوم دیوبند وہ لوگ ہیں :-

"جو یزید کو رو سیاہ قرار دیتے ہیں۔
"جو حسینیت کے گرویدہ ہیں۔
"جو سیدنا حسین کی شہادت عظمیٰ کو اساس لا الٰہ قرار دیتے ہیں"۔
اس کے ساتھ ہی یہ آواز لگائی تھی:
"تحفظ ناموس رسالت کے فدائی کہاں ہیں!"

خدا سوئے ظن سے بچائے واقعاتی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ

اس آواز پر طیب صاحب ہی نے لبیک کہنے میں سبقت کی اور شہادت عظمیٰ کے ثبوت میں کتاب لکھی۔ جس کے لفظ لفظ سے اور گندم روایتوں کی بھرمار سے ظاہر ہے کہ "حسینیت کی گرویدگی" کے ساتھ ساتھ "یزید کی روسیاہی" سے اپنے یہ اوراق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ مگر آیت تطہیر و اہلبیت کی غلط تعبیریں کرنے کے بعد بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے نظر نہیں آتے تا وقتیکہ تطہیر جس کے ساتھ جو حسب فرمان خداوندی صرف اور محض ازواج مطہرات کے لئے ہے نہ آپ کے کسی اور قرابت دار کے لئے وہ عصمت حسینؓ کو بھی اپنے مسلک میں شامل نہ کرلیں۔ بقول صاحب مصباح الظلم وایضاح البہم۔

یعنی (نواب امداد امام پدر سر علی امام)

امام علیہ السلام کی شہادت کے وہی حضرات قائل ہو سکتے ہیں جو آپ کو معصوم اور رسول اللہ کا جانشین برحق جانتے ہیں مگر جو حضرات آپ کو معصوم اور برحق جانشین پیغمبر خدا کا نہیں سمجھتے وہ آپ کی شہادت کے قائل ہی نہیں ہو سکتے اور ایسی صورت میں آپ کو مظلوم بھی نہیں مان سکتے پس جناب امام حسینؑ کے ساتھ ہمدردی کے لئے اور آپ کی شہادت سے اعتراف رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کی عصمت اور آپ کی خلافت حقہ کا عقیدہ رکھے ظاہر ہے کہ جب عصمت شرط خلافت نہیں مانی گئی تو یزید کے خلیفہ برحق ہونے میں کیا انکار ہو سکتا ہے۔

ایسی صورت میں جناب امام حسینؑ باغی خلافت کے سوا اور کیا قرار پا سکتے ہیں پھر باغی کے ساتھ ہمدردی کیسی اور باغی کی ہلاکت شہادت کیسی؟

ہمیں نہایت تعجب ہے ایسے لوگوں سے جو جناب امام حسینؑ کی شہادت کے بھی قائل ہیں اور آپ کی عصمت سے انکار بھی رکھتے ہیں (ص۱۳۴)

یہ تو طیب صاحب ہی جانیں کہ غیر نبی کی عصمت بھی ان کے مسلک اور عقیدہ کا جزو ہے۔ انھوں نے تو مصنف "خلافت معاویہؓ و یزید" کی نیت پر حملہ کرتے ہوئے تین منصوبے منسوب کئے ہیں یعنی حضرت حسینؓ کی صحابیت کی نفی کرنے کے لئے ان کی عمر وفات نبوی کے وقت صرف پانچ برس کی دکھلانا دوسرے ان کے ذاتی کردار اور تیسرے ان کی افتاد طبیعت کا اظہار جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ "رضی اللہ عنہ" کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارت طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے ص۳۰۱ پر تحریر ہیں۔

"بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا . . . حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیں۔"

عمر کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا، اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے صحیح روایت کے بموجب غزوہ اُحد کے

بعد ہوا تھا۔

"انکح رسول اللہ صلعم فاطمۃ علی بن ابی طالب بعد وقعۃ احد"

(حاشیہ صحیح البخاری باب مناقب فاطمہ ج ۱ ص ۵۳۲)

کرمانی کا بھی قول یہی ہے نیز استیعاب و ازالۃ الخفاء ص ۲۵۴ کی ایک روایت میں بھی بعد غزوہ احد نکاح کا ہونا بتایا گیا ہے۔ غزوہ احد سنہ ۳ھ کے آخر میں یعنی ماہ شوال میں ہوا تھا۔ اس حساب سے حضرت فاطمہؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کی ولادت سنہ ۳ھ کے آخر یا سنہ ۴ھ کے شروع میں ہوئی تو لامحالہ حضرت حسینؓ کی ولادت سنہ ۵ھ میں۔ ابن قتیبہ نے المعارف میں ابن اسحٰق کی روایت کے حوالہ سے حضرت حسنؓ ہی کی ولادت سنہ ۶ھ بتائی ہے (المعارف ص ۷۹) تو اس طرح حسینؓ کی ولادت سنہ ۷ھ میں ہوئی۔ پس ان تصریحات سے جب حضرت حسینؓ کا وفات نبوی کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ روایتیں وضع کرنے والوں نے حضرت علیؓ اور آپ کے ان صاحبزادوں کی عمروں کو بڑھایا ہے اور جن سے ان کا سیاسی اختلاف رہا ان کی عمریں گھٹا کر بیان کی ہیں۔ مثلاً ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماءؓ سے دس برس چھوٹی تھیں اور حضرت اسماء کی وفات سنہ ۷۳ھ میں سو برس کی عمر میں ہوئی اس حساب سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ برس کی تھی تو حضرت عائشہؓ کی عمر لامحالہ سترہ برس کی تھی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۴۶ و اکمال فی اسماء الرجال و تجرید بخاری وغیرہ)

مگر روایتوں میں جو کتب احادیث وغیرہ میں بھی درج ہیں اور البدایہ والنہایہ

میں بھی ان کی عمر بوقت نکاح چھ برس کی اور بوقت خلوت صحیحہ نو برس کی بتائی گئی ہے ان وضاعین کو یہ خیال کیسے آتا کہ آنحضور کی ذات اقدس پر اس سے کیا اثر پڑتا ہے۔ خود حضرت علیؓ کی عمر کے بارے میں کتنی مختلف روایتیں ہیں، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ غزوہ بدر کے وقت وہ پورے بیس برس کے بھی نہ تھے۔ اپنی عمر کے بارے میں خود حضرت علیؓ کا یہ قول کامل المبرد و عقد الفرید و شرح نہج البلاغۃ میں درج ہے کہ لقد نہضت فیھا وما بلغت العشرین (یعنی میں ہنوز پورا بیس برس کا بھی نہ تھا کہ بدر لڑائی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔) غزوہ بدر سنہ ۲ھ کے آخری حصہ میں ہوا۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت وہ اٹھارہ برس کی عمر کے تھے۔ تو بعثت رسول اللہ کے وقت صرف پانچ برس کی عمر تھی مگر روایتوں میں اُس وقت ان کی عمر آٹھ نو برس سے لے کر پندرہ برس تک کی بیان کی گئی ہے۔

سن وسال کا یہ ذکر تو نفی صحابیت کی الزام تراشی کے سلسلہ میں آگیا ورنہ طیب صاحب کی کتاب [illegible] اہل علم مولانا [illegible] رومی و مولانا عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند کے چند شماروں میں تفصیلاً جرح کی ہے اور ان کی چابکدستیوں اور ساختگیوں کے بخئے اچھی طرح ادھیڑ دیئے ہیں یہاں ان کی اور دوسرے حضرات کی کتابوں پر جرح ونقد مقصود نہیں اس کے لئے مدار رسالہ زیر تالیف ہے۔ یزید دشمنی نے طیب صاحب کو بڑھتے بڑھتے بغض معاویہؓ تک پہونچا دیا ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رشد خلافت ختم ہوتے ہی حضرت حسنؓ نے اسی لئے خلافت چھوڑ دی تھی کہ اہل اللہ کے خواہش کرنے کا بہ الفاظ دیگر حضرت معاویہؓ ان کے نزدیک اہل اللہ نہ تھے اور نہ رشد خلافت

ان کو مطلوب تھا۔ مگر شاہ ولی اللہؒ نے تو جزم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمانؓ سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہ گئیں اس زمانہ کو "زمانِ شر" کہا ہے۔ اور اس سے ماقبل کو "زمانِ خیر" پھر جس سال سیدنا معاویہؓ کا استقرار خلافت ہو گیا۔ اور امت نے اس کو "عام الجماعت" کا نام دیا زمانہ خیر کی برکات پھر عود کر آئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

"بنقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتمد تر ازاں یافتہ نمی شود بثبوت پیوستہ کہ آنحضرت صلعم فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مطمح اشارہ ساختہ اند و آنرا بتفصیلے کہ زیادہ ازاں در شرایع یافتہ نشود بیان فرمودہ اند و آنرا حد فاصل نہادہ اند درمیان زمان خیر و زمان شر و گواہی دادہ اند کہ دریں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود و ملک عضوض پدید آید و معنی عضوض دلالت می کند بر حرب و مقاتلات و جہیدن یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک و لہذا در احادیث بسیار خلفائے ثلثہ را در یک حکم جمع کردند تا آنکہ ظن قوی بہم رسید کہ ہر سہ بزرگ فی مرتبۃ من المراتب متفق اند و غیر ایشاں دراں مرتبہ شریک نیست۔" (ازالۃ الخفا ج ۱ صفحہ ۱۳۲)

شاہ صاحب حضرت علیؓ کے فضائل ذاتی کے معترف ہونے کے باوجود

ان کے زمانہ کو خلافت علی منہاج النبوت نہیں کہتے خلافت کے لئے اس زمانے میں جو جدال وقتال ہوئے ان کی بنا پر اس زمانہ کو زمانہ شر سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کو اصحاب ثلثہ کے ہم مرتبہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ حضرت زبیر وطلحہ وعبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ ان کا شمار کرتے ہیں۔ یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا تھا۔ فتنہ اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مبدا ایں فتنہ خلافت حضرت مرتضیٰ است آنحضرت نخست از خلافت حضرت مرتضیٰ خبر داد کہ منتظم نشود۔ (ج ۲ صفحہ ۱۵۲) وہ حضرت علیؓ کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً وفعلاً قایم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ :-

"انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ ثبت اوتمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت وتمامہ مسلمین تحت حکم او سر فرو نیاوردند و جہاد در زمان وے رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و ایتلاف ایشاں رخت بعدم کشید۔ (ج ۲ صفحہ ۱۲۲)

پھر ایک اور مقام پر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ حضرت علیؓ کی ذات میں اوصاف خلافت خاصہ کے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خلافت پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور ان کا حکم نافذ ہوا۔ "متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت" (ج ۲ صفحہ ۲۴۹)

ایک فرقہ کے اصرار استخلاف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے بارے میں صاف کہتے ہیں کہ :-

"در عنایت ازلی مقرر بود کہ ہیچگاہ حضرت مرتضیٰ و اولاد او تا دامان

قیامت منصور نشوند وہیچگاہ خلافت ایشان علی وجہا صورت
نگیرد بلکہ ازمیان ایشان ہر کہ دعوت بخود کند و سر بقتال برآرد
مخذول بلکہ مقتول گردد (ج ۲ ص ۲۰۳)

شاہ صاحب نے تو اپنے طرز پر یہ گفتگو کی ہے واقعات تاریخ خود شاہد ہیں کہ سیاسی معاملات میں نہ حضرت علیؓ کامیاب ہو سکے نہ ان کی اولاد برخلاف ان کے سیدنا معاویہؓ نے اپنے لاثانی تدبر و فراست وحلم وکرم سے ملت کی بگڑی حالت سنواردی حضرت عمر الفاروقؓ ان کی انتظامی قابلیت کی ہمیشہ تعریف فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

ذُمَّ معاویۃ عند عمر یوماً فقال دعونا من ذم فتی قریش مَن یضحک فی الغضب ولا ینالُ ما عندہ الا علی الرضی ولا یوخذ ما فوق راسہ الا من تحت قدمیہ (ج ۲ ص ۲۰۳)

ایک دن حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت معاویہؓ کی برائی کی گئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قریش کے اس جوان مرد کی عیب جوئی سے مجھے معاف رکھو وہ ایسا جواں مرد ہے کہ غصہ میں ہنستا ہے اور اس سے کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا بغیر اس کی رضا کے اور جو کچھ اس کے سر پر ہو وہ صرف اس کے قدموں ہی کے نیچے سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی اس کی تکریم ورضا ہی کے ساتھ۔

طیب صاحب نے رشد خلافت کی وضعی روایتوں سے تنقیص کا جو پہلو نکالا ہے تاریخی واقعات ان کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور ان کی

اولاد سیاسیات میں ناکام رہی اس ناکامی کا اظہار تاریخی واقعات کے سلسلہ میں ان کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے اس سے ان بزرگوں کی تنقیص کا الزام تراشنا نادانی ہے حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں ہیں، سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں ان سے محبت ہے۔ جو شخص بدگوئی کرتا ہے اس سے وہی کہوں گا جو میرے ایک دادا امیر عبداللہ المعتز عباسیؒ نے ایسے ہی کسی بدگو کے جواب میں کہا تھا۔

زعمتَ بأنی یا مُبغضُ مُبغضٌ — علیاً فما عذری اذاً فی المحافل
اے دشمن تو مجھے علیؓ کا دشمن بتاتا ہے — اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کے سامنے میں کیا منہ دکھا سکتا

أآکلُ من لحمی واشربُ من دمی — کذبتَ لحاک اللہ یا شر داغلِ
علیؓ کی برائی کر کے کیا میں اپنا ہی گوشت نوچ کھاؤں اور اپنا ہی خون پیوں — اے بدذات جھوٹے تجھ پر خدا کی مار!

علیٌ وعباسٌ یدان کلاھما — یمینٌ سواءٌ فی العلی والفضائلِ
علیؓ وعباسؓ دونوں یکساں ہیں — فضائل اور شرافت میں اونچی چوٹی پر ہیں

فھذا ابو ھذا وھذا ابن ذا — فھل بین ھذین اتساعٌ لداخل
یہ (عباسؓ) ان کے باپ ہیں اور وہ (علیؓ) ان کے بیٹے ہیں[1] — سو ان دونوں کے درمیان تیسرے کا کیا دخل

ستسمعُ ما تخزیک فی کل محفل — وتسمع مراس العادن المتغافلِ
سنے مخاطب تو جو ہر محفل میں ہمیں بدنام کرتا ہے — اور تجاہل عارفانہ کرنے والے کو دھوکہ دیتا ہے عنقریب تجھے نتیجہ معلوم ہوگا۔

[1] چچا باپ کی مثل ہوتا ہے۔

تاریخی واقعات کے بیان میں فضائل اور مناقب کی حدیثوں سے آخر کس بات کا ثبوت بہم پہنچ سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ ایک بزرگ اپنے ذاتی خصلتوں کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں مگر سیاسی معاملہ میں کوئی لغزش کوئی غلطی بمقتضائے بشریت ان سے ہو گئی اس کے اظہار سے ان کے مناقب کی نفی کا ثبوت تو نہیں ہوتا۔ پھر ان فضائل و مناقب کی حدیثوں میں مبالغہ اور کذب بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ خود ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ کہتے ہیں کہ :۔

ان اصل الاکاذیب فی احادیث الفضائل کان من جهة الشیعة فانهم وضعوا فی مبدء الامر احادیث مختلفة فی صاحبهم حملهم علی وضعها عداوة خصومهم (شرح ابن ابی الحدید [illegible])	فضائل کی حدیثوں میں جھوٹ اور کذب بیانی کی ابتداء شیعوں کی جانب سے ہوئی کیونکہ انہوں نے اپنے صاحب (علیؓ) کے بارے میں مختلف حدیثیں گھڑ لیں جن کے گھڑنے پر انکو اس عداوت نے ابھارا جو ان کے دشمنوں سے ہے۔

احادیث فضائل کے علاوہ بعض لوگوں نے تو ہماری تردید میں قرآن حکیم کی آیات کی غلط تاویل سے بھی کام لینا پسند کیا ہے خصوصاً طیب صاحب نے۔ سورۂ احزاب کا چوتھا رکوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے۔ یہ رکوع اس حصہ سے شروع ہوتا ہے "اے نبی! اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے" اور آخر رکوع تک یا نساء النبی کہکر براہ راست ان ہی سے خطاب ہے اور ان ہی کے فرائض اور ذمہ داریوں پر وعظ و تذکیر اور وعدہ وعید ہے اور ان ہی سے فرمایا گیا ہے کہ اے نبی کی اہل خانہ! اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کو دور رکھے اور اچھی طرح تمہیں پاک کردے۔ "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا" پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی اہل خانہ (اہل بیت یعنی آپ کی ازواج مطہرات) سے رکوع کی آخری آیت میں پھر یہ خطاب ہے کہ۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ؀	اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں (نزول وحی کے بعد) پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو اور اللہ بھیدوں کو جاننے والا خبیر ہے۔

اس آیت میں ازواج نبی کے جن "بیوت" یعنی گھروں کا ذکر ہے وہ ہی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکونہ گھر تھے وہ ہی تو مہبط وحی تھے۔ وہیں تو آیات قرآنی کا نزول ہوتا تھا، وہ ہی تو فرشتوں کے اترنے کی جگہ تھے۔ ان ہی بیوت میں آپ کے ساتھ سکونت رکھنے والی آپ کی ازواج مطہرات ہی تو تھیں جنکو "اہل البیت" کہکر آیت تطہیر میں مخاطب کیا گیا ہے آپکے مسکونہ گھروں میں نہ آپکے چچا عباسؓ رہتے تھے نہ آپکے داماد علیؓ، نہ آپ کی بیٹی فاطمہ اور نہ ان کی اولاد۔ صاحب روح المعانی نے صحیح کہا ہے کہ :۔

"البیت میں الف لام عوض مضاف الیہ کے آیا ہے یعنی "بیت النبی" اور [illegible] سے مراد صرف طوب مٹی اور لکڑی کے بنے ہوئے گھر سے ہے نہ کہ قرابت اور نسب کے گھرانے سے اور یہ بیت نبی صلعم کا بیت سکونت ہے نہ کہ مسجد نبوی جیسا کہ [illegible] اہل بیت سے مراد آپ کی ازواج مطہرات سے ہے باعتبار ان قرائن کے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اور بلحاظ ان آیات کے جو اس آیت سے قبل [illegible] گئی ہیں نیز یہ بات بھی ہے کہ آنحضرتؐ کی سکونت کیلئے کوئی اور علیحدہ گھر نہیں تھا سوائے آپ کی ان ازواج کے گھروں کے۔"

سیاسی اغراض کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے [illegible] کو "اہل بیت" میں شامل کرنے کیلئے حدیثیں وضع ہوئیں ایک تو وہی ہے جس کا ذکر طیب صاحب نے کیا ہے۔

حضرت حسینؓ کو رجس سے پاک ہونے کو ھولاء اہل بیتی کہکر ثابت کرنا چاہا ہے اور دوسری حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ الصواعق المحرقہ میں جس طرح حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسینؓ کے چادر میں لیکر ھولاء اہل بیتی کے الفاظ آپ سے منسوب کئے گئے ہیں اسی طرح حضرت عباسؓ اور ان کے بیٹوں کے لئے بھی ہیں یعنی۔

انه صلی اللہ علیہ وسلم اشتمل علی العباس و بنیه بملاءة ثم قال یا رب هذا عمی و صنو ابی و هؤلاء اہل بیتی فاسترهم من النار کستری ایاهم بملاءتی هذه فامنت اسکفة الباب و حوائط البیت فقال آمین (ص ۸۳)

آنحضرت صلعم نے (حضرت) عباس اور ان کے بیٹوں کو چادر سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اے پروردگار یہ میرے چچا ہیں میرے باپ کے مثل ہیں اور یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں انکو دوزخ سے اسی طرح بچا جیسے میں نے انہیں اس چادر سے بس دروازے کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں سے آمین کی آوازیں آئیں پھر آپ نے بھی آمین کہی۔

خاندان نبوت میں سے صرف ان ہی دو شاخوں کے افراد نے سیاسی میدان میں قدم رکھا تھا یعنی عباسیوں اور علویوں (اولاد علیؓ) نے جن کے بارے میں یہ گمذدبہ روایتیں ہیں اور ان ہی کو سیاست و گبنہ سے میں انکی حاجت بھی تھی کسی دوسری شاخ یعنی عقیلوں، جعفریوں حارثیوں وغیرہ کے لئے اس قسم کی کوئی روایت کوئی حدیث نہیں ہے کیونکہ نہ انہوں نے طلب خلافت اور سیاسیات ملی میں کوئی خاص حصہ لیا تھا اور نہ ان کو اس کی انہیں ضرورت تھی، مفسرین و محدثین نے آیت تطہیر کا نزول ازواج مطہرات ہی کے بارے میں بیان کیا ہے عربی زبان سے ناواقفوں کو یہ کہکر دھوکہ دیا جاتا ہے کہ آیت تطہیر میں عنکم و یطھرکم میں ضمیر جمع مذکر آئی ہے اگر صرف ازواج کے لئے ہوتی تو ضمیر جمع مونث آتی مگر یہ قطعاً مغالطہ دہی اور دھوکہ ہے

اہل کا لفظ جمع مذکر ہے خواہ واحد کے لئے آئے یا تثنیہ کیلئے یا جمع کیلئے۔ مذکر کیلئے یا مونث کے لئے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی آئیگی۔ کلام اللہ میں متعدد جگہ یہ لفظ اس طرح آیا ہے اور ہر جگہ بیوی کی زوجہ ہی کے لئے آیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتہ نے آکر فرزند ہونے کی بشارت دی ان کی زوجہ سارہ یہ سنکر تعجب سے کہنے لگیں کیا میں بچہ جنونگی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں اس پر فرشتوں نے کہا۔

قالوا اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت۔

(فرشتوں نے) کہا کیا تم اللہ کے کام (امر) پر تعجب کرتی ہو اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت (ابراہیم)

اس آیت میں بھی وہی علیکم کی جمع مذکر آئی ہے۔ قرآن شریف کے علاوہ پورے کلام عرب میں کہیں بھی لفظ اہل کیلئے جمع مذکر کے سوائے کسی اور ضمیر کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ نہر زبیدہ کے بننے کے بعد ایک عرب شاعر نے زبیدہ کو یوں مخاطب کیا تھا

یا اھل بیت خلیفۃ الغنی   باللہ انتم زبدۃ النسوان

غرضکہ آیت تطہیر محض اور صرف ازواج مطہرات کے بارے میں ہے اور رجس سے پاکی کا وعدہ ان ہی امہات المومنین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے نسبی قرابتدار کو خواہ وہ چچا ہوں یا داماد یا نواسے رجس سے پاک کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ ورنہ اس آیت کا اطلاق ان میں سے کسی پر ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے عجیب صاحب کی یہ غیر طیب کوشش جس مقصد سے ہے اسی مقصد سے ایک اور گمذدبہ روایت کا بھی اظہار فرمایا ہے یعنی آیت مباہلہ میں حضور کا حسین وغیرہ کا ساتھ لیجانا مفتی محمد عبدہ و علامہ سید رشید رضا نے تفسیر القرآن میں آیت مباہلہ کے سلسلہ میں وضعی روایتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

ومصدر هذه الروایات الشیعة ومقصدهم منها معروف وقد اجتهدوا فی ترویجها ما استطاعوا حتی راجت علی کثیر

ان روایتوں کا منبع و مصدر شیعہ ہیں اور ان کی غرض اور مقصد ان سے ظاہر و معلوم ہے ان روایتوں کی اشاعت کرنے میں بہت کچھ جد و جہد

من اهل السنة ولكن راضعيها لم يحسنوا تطبيقها
على الآية فان كلمة نساءنا لا يقولها العربي
ويريد بها بنته لاسيما كان له ازواج ولا
يفهم هذا من لغتهم وابعد من ذلك ان
يراد بانفسنا علي ثم ان وفد نجران الذين
قالوا ان الآية نزلت فيهم لم يكن معهم
نساؤهم واولادهم۔

حتی الامکان کی گئی یہاں تک کہ اہل سنت میں سے
کثیر تعداد بھی متاثر ہوئی مگر ان روایتوں وضع کرنے
والوں نے اس آیت پر انکی تطبیق عمدگی کے ساتھ
نہیں کی کیونکہ کوئی عرب نساء کا لفظ اور کلمہ اپنی زبان
پر اس طور سے نہیں لا سکتا کہ مراد اسکی اس لفظ سے
بیٹی سے ہو خاص کر جب اس بیٹی کے شوہر بھی موجود ہوں
اور نہ انکی لغت میں اس لفظ کا یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے
اور اس سے بھی بعید بات یہ ہے کہ انفسنا سے مراد علی
کی ذات لی جائے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی ہے کہ نجران کے
عیسائی وفد کے ساتھ جنکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ آیت
نازل ہوئی نہ انکی بیویاں تھیں اور نہ انکے بیٹے اور اولاد۔

نہ کوئی مباہلہ ہوا اور نہ مباہلہ کے شرائط کہ عیسائی جبتک اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو نجران سے نہ بلا لیتے پوری ہو سکتی تھیں اگر
شرائط بھی پوری ہوتیں تو آپ اپنی ازواج مطہرات اور اپنے فرزند ابراہیم کو ساتھ لیتے نہ بیٹی اور نواسوں کو جن پر اس آیت لفظ
"نساء" اور "ابن" کا اطلاق ہی نہیں ہو سکتا جیسا مفتی محمد عبدہ و علامہ رشید رضا نے فرمایا ہے "نساء" کا لفظ کوئی عرب اپنی زبان
سے بیٹی کے مفہوم میں ادا نہیں کر سکتا اور ابن کا لفظ نواسہ کیلئے نہیں بولا جا سکتا "ادعوهم لآبائهم هو اقسط عند الله" زمانہ قدیم سے
ہی ابن کا لفظ اپنے صلبی بیٹے کیلئے ہے اور بیٹی کے بیٹوں کیلئے سبط۔ عرب ہی کا قول ہے ؎

بنونا بنو ابنائنا وبناتنا　　بنوهن ابناء الرجال الاباعد

طبیب صاحب کو شیعوں کی وضع کردہ روایتوں کو اپنے مقصد سے پیش کرنا ضروری تھا۔ اسی طرح متعدد حضرات نے تردیدی مضامین میں
بیشتر انہی قسم کی وضعی روایتوں سے استدلال کیا ہے ان پر تنقید جداگانہ کی گئی ہے۔ کتاب میں جو اغلاط رہ گئے تھے بعض عبارتیں
ترک ہو گئی تھیں نظر ثانی میں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

عدالتی کارروائی کے سلسلہ میں جن مخلصین نے طرح طرح سے امداد کی اللہ پاک اجر جزیل عنایت فرمائیں
عزیزی چودھری محمد حسین صاحب انصاری بی اے ایل ایل بی (علیگ) تو اس عاجز کے شکریے سے مستغنی ہیں انہی کی نیک دلی اور
حساس طبیعت نے عدالتی کارروائی کی داغ بیل ڈلوائی۔ سید محمود رضا صاحب ایڈوکیٹ و مسٹر اسحق احمد صاحب
ایڈوکیٹ کی نیز مخلص جے پوری و بدایونی احباب کی توجہ فرمائی بھی لائق شکر ہے۔ یہ سطریں لکھتے وقت ایک
ہستی محترم کی یاد آ رہی ہے جو اس کتاب کے بڑے قدردان تھے اور بڑے معاون بھی یعنی سردار احمد خان بتیانی
مرحوم و مغفور صدر تنظیم اہلسنت جام پور ضلع ڈیرہ غازیخان مشیت ایزدی کہ مقدمہ کی کامیابی کی اطلاع پانے
کے چند ہی دن بعد قدرت نے انہیں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مخدوم منظور احمد شاہ (قادر پور راں ضلع ملتان) کی امداد کا جو دوسری جلد کی طباعت کے بڑے خواہشمند
ہیں شکریہ واجب ہے۔ کتاب کے آخر میں عزیزی اقبال احمد العمری ایم اے ال ال بی کے عربی اشعار جن میں
کتاب کے مضامین کا خلاصہ ہے نیز انکے اور مولانا سہیل عباسی کے وہ اشعار بھی ایک محترم بزرگ کے اصرار
سے شامل کرنا پڑے ہیں جن سے کتاب کی ستائش کے ساتھ اس عاجز کم مایہ کی شاعرانہ توصیف کا پہلو
بھی نکلتا ہے جو شاید خود ستائی کے مرادف متصور ہو۔ من آنم کہ من دانم۔ صحابہ اور تابعین کرام کی
بدگوئی اور سب و شتم کی موضوعات کا پردہ چاک کرنے کی جو سعادت اس کتاب کی تالیف سے
نصیب ہوئی ہے وہی اصل ثمرہ ہے۔ ؎

گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ

۱۱ر دسمبر سنہ ۱۹۷۰ء
کاشانۂ محمود۔ لالوکھیت
کراچی

محمود احمد عباسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

طبع دوم

پہلا ایڈیشن صرف ایک ہزار طبع ہوا تھا، اس وقت ناشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ دو ڈھائی مہینے کے قلیل عرصہ میں یہ ایڈیشن ختم ہو جائے گا اور مانگ برابر بڑھتی رہے گی۔ حتیٰ کہ بعض شائقین ٹیلیگرام بھیجکر کتاب کے نسخے طلب کریں گے اور کتنے ہی آرڈر دوسرے ایڈیشن کی طباعت تک ملتوی کرنے ہوں گے۔

کتاب کی اس عام مقبولیت کا راز فی الحقیقت اس امر واقعہ میں مضمر ہے اور جو موجب صد طمانیت و مسرت ہے کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے موجودہ دور میں روایت پرستی۔ توہمات اور شخصیت پرستی کے ہزار سالہ بندھنوں سے افراد ملت کے فکر و نظر کو بالآخر چھٹکارا ملنے لگا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو فکر صحیح کی توفیق راقم الحروف کو پاکستان و بھارت سے جو خطوط روزانہ ڈاک سے موصول ہوتے ہیں ان سے بخوبی واضح ہے کہ اسلامی تاریخ کے بعض مستور گوشوں کے بے نقاب ہو کر حقیقت حال کا انکشاف ہو جانے کا ملت کے ہوشمند طبقے نے کس خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔

کتاب کے جو چند نسخے تبصرے کے لیے بھیجے گئے تھے ان پر اب تک دو چار ہی تبصرے ہوئے ہیں۔ ماہنامہ "تجلی" کے فاضل مدیر مولانا عامر عثمانی نے ماہ جولائی کے شمارہ میں کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"کتابیں روز لکھی جاتی ہیں لیکن زیر نظر کتاب ان کتابوں میں ہے جو صدیوں میں ایک آدھ لکھی جا سکتی ہے۔ فاضل مصنف جناب محمود احمد عباسی نے انتہائی دیدہ ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد "خلافت معاویہ و یزید" کے بارے میں وہ فریدو حید مواد پیش کیا ہے جس سے ہر انصاف پسند آدمی پر منکشف ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا تھی، اور آج کن خرافات و کذبات کو حقیقت کہا جا رہا ہے۔

دو امتناہی پروپیگنڈے نے (امیر) یزیدؒ کی شخصیت کو جتنا بھیانک حضرت حسینؓ کی شہادت کو جس درجہ مظلومانہ اور دیگر تفصیلات کو جس قدر ڈراؤنی بنا دیا ہے ان کے تعصب سے بلند ہو کر ٹھنڈے اور تحقیق پسند دل و دماغ سے اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو چند جزئیات سے اختلاف کے باوجود یقین ہے کہ من حیث المجموع اس سے اتفاق ہی کرنا ہوگا۔ روایت اور درایت دونوں ہی کے فنی تقاضوں کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے فاضل مصنف نے مضبوط دلائل پیش کئے ہیں اور بے حد کاوش کے ساتھ ایسا مواد سامنے لائے ہیں جو صدیوں کے پروپیگنڈے اور افسانوی جذباتیت کی گرد میں اٹی ہوئی "تاریخ کربلا" کا حقیقی چہرہ نکھارتا ہے۔

جزاهم الله خير الجزاء

"حاصلِ تبصرہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت داری کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تاریخ کربلا پر تحقیقی زاویئے سے نگاہ ڈالنے کا موقع میسر آسکے اور بعض تاریخی شخصیتوں کے متعلق جو غلط تصورات ذہنی وراثت میں ملے ہیں ان کی تنقیح ہو سکے۔ ہم مصنف کو ان کی عرق ریزی محنت اور بالغ نظری کی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ انشاء اللہ آخرت میں انہیں بہترین اجر ملے گا کیونکہ ان کی پیش کردہ تفصیلات سے صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں کثیر صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دامنِ کردار کو ہرزہ سرایان کے دروغ و افتراء کی گرد سے پاک و صاف دکھاتی ہیں اور (امیر) یزیدؒ کے بارے میں جو صحیح معلومات انہوں نے پیش کی ہیں وہ یقیناً امیر معاویہؓ کو اس الزام سے صاف بچا لے جاتی ہیں کہ انہوں نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے۔ ولِلّٰہِ درُّ المصنف۔"

فاضل تبصرہ نگار نے جس بے بنیاد الزام کا اشارہ مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو غلط قسم کی شہنشاہیت میں تبدیل کیا اور نااہل بیٹے کو ولی عہد بنا بیٹھے وہ آج بھی مدعیانِ علم و فضل کی زبان قلم سے کبھی نہ کبھی دہرایا جاتا ہے اور اُموی خلافت کے ان بہترین اور مسعود ترین ایام کو بدترین اور سیاہ ترین ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمارے زمانے کے ایک سُنی عالم صاحب نے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت معاذ اللہ ناکام رہی اور آپ کی اُمت تیس چالیس برس بھی آپ کا برپا کردہ نظام آپ کے بعد برقرار نہ رکھ سکی۔ ابھی حال ہی میں انہوں

نے اپنے ماہنامہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے جس پر سبائیوں نے ان کو ہدیۂ تبریک بھی پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ:-

"اموی فرمانرواؤں کی حکومت حقیقت میں خلافت نہ تھی، انکی حکومت اپنی روح میں اسلام کی روح سے ہٹی ہوئی تھی۔ ان (؟) فرق کو انکی حکومت کے آغاز ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس حکومت کے بانی امیر معاویہ کا اپنا قول یہ تھا کہ انا اول الملوک (میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں)"

ان صاحب کی جرأت کا یہ عالم ہے کہ جمہور صحابہ کرامؓ کے اجماع کو ہیچ قرار دیکر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین سیدنا معاویہؓ بدعت کے اولین علمبردار ہیں، انہوں نے "جمہوریت" کے بجائے "شخصی" حکومت کی بنیاد ڈال کر اسلام کے سیاسی نظام کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جس ذات گرامی کو کراماً بررۃ (عبس) میں شامل فرمایا (یعنی بہت ہی بزرگ و پاکباز گروہ ہیں) اور جن کے لئے فرمایا "وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى" (ان سب سے اللہ نے حسن سلوک کا وعدہ کیا ہے (حدید: ۱۰)) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذریعہ ہدایت بنائے، صحابہ کرامؓ نے جنہیں اپنا متفق علیہ امام مانا اور ان پر اجماع کر کے اپنا مبارک دور جانا، حضرت حسنؓ و حسینؓ اور دوسرے اکابر اہل بیتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ وغیرہ ہم نے جن سے بیعت کی وہ ان صاحب کے نزدیک جمہوریت کش، ظالم، اور مبتدع تھے یعنی خلیفہ راشد ہونے کے بجائے ملک عضوض کے بانی۔ کاش انہوں نے سوچا ہوتا کہ جن بزرگواروں نے امیر المومنین سیدنا معاویہؓ

پر اجماع کیا اور انھیں امام مفترض الطاعت جانا (یعنی ایسا امام جس کی اطاعت واجب ہو) وہ کس پایہ کے ہیں اور اللہ و رسول اور جمہوریت کے نزدیک ان کا کیا درجہ ہے؟ اسی طرح جن صحابہ کرامؓ نے امیرالمومنین یزیدؒ کی ولایت عہد اور پھر دس برس بعد ان کی خلافت پر اجماع کیا وہ کون تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اور سینکڑوں دیگر صحابہؓ جن کے تذکرے اور ترجمے راقم الحروف کی مبسوط کتاب میں درج ہیں۔ ان سب نے امیرالمومنین یزیدؒ کی ولایت عہد کی منظوری دی اور جو ان کی خلافت کے وقت زندہ تھے انہوں نے ان کی خلافت و امامت کی تائید و توثیق کی۔ صرف دو حضرات ان کے خلاف کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے ان حضرات کا ساتھ نہیں دیا اور ان کے اقدامات کو درست نہ سمجھا۔

کاش ان صاحب نے مغربی جمہوریت ہی کی لچک پر غور کر لیا ہوتا کہ فرانس امریکہ اور انگلستان کا نظام سیاسی اپنے بنیادی اختلافات اور عملی تفاوت کے باوجود ساری دنیا کے نزدیک جمہوری سمجھا جاتا ہے۔ جب لفظ جمہوریت کی خود اصل لفظ کی پاسداری کرنیوں کے نزدیک اتنی صورتیں ہو سکتی ہیں تو مسلمانوں کے عملی نظام کی مختلف صورتیں کیوں نہیں ہو سکتیں؟

کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ سے کر حضرت علی مرتضیٰ تک خلفاء کے برسر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انھیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقے پر سربراہ خلافت ہوتے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی

ایک کے لیے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیرالمومنین عثمان ذوالنورینؓ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی۔ لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوا تو وہ امیرالمومنین یزیدؒ ہیں۔ اس کے بعد غور طلب ہے کہ حضرت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین فاروق اعظمؓ کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنایا، اور قطعاً کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ اس تقرر کی تمام ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لی۔ اب اگر دنیا کے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کی طرح آپ بھی موت کے منہ اور چنگل سے نکل آتے اور زندہ رہتے تو کیا حضرت فاروق اعظمؓ سے ولایت عہد کا منصب چھین لیا جاتا؟

اب دیکھنا چاہیے کہ امیرالمومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب امیر یزیدؒ کو ولی عہد مقرر فرمایا تو اپنی مرضی سے نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ کے مشورے سے۔ پھر اس مشورہ کو جب آپ نے من وعن قبول فرما لیا تو دوبارہ اسے عالم اسلام کے نمائندہ وفود کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ان کی اکثریت کے فیصلے کے باوجود مطمئن نہیں ہوئے تب تک کہ اہل مدینہ کی بھاری اکثریت نے تائید نہ کر دی حالانکہ حضرت علیؓ کے وقت سے اہل مدینہ ارباب حل و عقد نہیں رہے تھے۔

پھر کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا تقرر تو جمہوری سمجھا جائے اور علیٰ منہاج النبوۃ، لیکن امیرالمومنین یزیدؒ کا تقرر، صحابہ کرامؓ کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر جمہوری اور بدعت سیئہ قرار دیا جائے، محض اس لیے کہ

وہ خلیفۂ سابق کے دوست اور رفیق نہیں ہیں، فرزند ہیں۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ "الحمد" سے لے کر "والناس" تک اور موطا سے لیکر ابن ماجہ تک وہ کونسی آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی خلافت کی حرمت یا کراہت کا کوئی شائبہ بھی ثابت کیا جا سکے۔

پھر آیت مبارکہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (ان کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں)

اس آیت کو بڑے اہتمام سے موقع بے موقع پیش کیا جاتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مریض کے بارے میں انجینئر سے، تعمیر کے نقشے کے بارے میں خانقاہ نشین سے، صحت عامہ کے بارے میں کمانڈر فوج سے، اور عدلیہ کے متعلق تاجر سے مشورہ کرنے والا شخص عقلمند سمجھا جائے گا یا احمق؟

اگر امرھم شوریٰ بینھم کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر کس و ناکس سے بات کی جائے، وہ اہل ہو یا نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ امور سیاسی میں اصحاب سیاست اور ارباب حل و عقد ہی سے مشورہ کیا جائے گا اور انہیں کی بات مانی اور مانی جائے گی۔

سیدھی اور صاف راہ جس پر بے خوف و خطر چلا جا سکتا ہے اور جو ہمیشہ موجب فلاح ہوگی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہاجرین و انصار صحابہؓ کی راہ ہے جنہوں نے جان و مال کی بازی لگا کر دین قائم کرنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور سخت سے سخت آزمائش میں بھی ثابت رہے۔ یہی مہاجر اور انصار رضی اللہ عنہم خدا اور بندوں کے نزدیک علمبرداران دعوت محمدیہ

حقائق دینیہ کے جزئیات و کلیات سب انہی پر کھلے اور دین کی تمام
کے پیشوا ہیں۔
برکتوں کا نزول انہی کے قلوب پر ہوا۔ انہی کے طریقے پر چلنے سے سکینہ نازل ہوتا
ہے اور رشد و ہدایت کی راہ ملتی ہے۔

گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والے، دروغ گو، باطل پرست اور زر و ہوس کے بندے اور ناقابل اعتبار لوگوں کے بیان کردہ باتوں پر توجہ کرنا سخت خطرناک ہے بے وجہ صلحا کی عزت و حرمت خطرے میں پڑتی ہے اور آدمی دنیا و آخرت کا عذاب مفت میں سمیٹتا ہے۔

دین کے برپا کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اچھی طرح اپنی دعوت کی کنہ و حقیقت سمجھتے ہیں۔ آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں نجات ہے۔

اگر آپ بعض امتیوں کی خواہشات کی پذیرائی فرماتے تو یہ امت قسم قسم کی مشکلات میں مبتلا ہو جاتی۔ اگر آپ نے لگا بندھا کوئی سیاسی نظام اس امت کو عطا فرمایا ہوتا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے، اور سرمو اس سے تجاوز کی گنجائش نہ رہتی۔ لیکن چونکہ آپ کی دعوت متحرک و فعال اور ترقی کناں دعوت ہے اور آپ کی امت قید زمانی و مکانی سے آزاد ہے۔ نسل اور وطن کی بیڑیاں کاٹ کر، زبان اور رنگ کے طوق اتار کر آپ نے اسے انتہائی آزادی عطا فرمائی ہے۔ اس لئے نہ وہ کسی خاندان سے وفاداری و وابستگی کی مکلف ہے اور نہ کسی ذات سے۔ صرف چند لچک دار، موزوں اور اصل اصول عطا ہوتے ہیں، جنہیں ہر زمانے میں اور روئے زمین کے ہر خطہ پر وہ اپنی صوابدید کے مطابق، اپنے حالات کے تحت، اپنے مفاد کے پیش نظر اور اپنی مصلحتوں کو سمجھ کر عملی جامہ پہنانے کی مجاز ہے جس عہد کے مسلمان جس سیاسی

نظام کی تشکیل کریں گے وہ سیاسی نظام عنداللہ والناس مقبول ہوگا۔ بشرطیکہ تقاضہائے دعوت محفوظ رہیں جو حسب ذیل ہیں۔ (۱) اقامتِ صلوٰۃ یعنی مساجد کی تنظیم اور باقاعدہ سرکاری طور پر جماعت کا قیام (۲) زکوٰۃ کی وصولی اور احکام کے مطابق اسے کام میں لینا (۳) اچھی باتوں کے حکم اور بری باتوں سے روکنے کا سرکاری انتظام کرنا۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (الحج: ۴۱)

(ان لوگوں کو جب ہم زمین پر حکمرانی عطا فرماتے ہیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان اچھائیوں کا حکم دیتے ہیں جن کی خوبی عیاں ہے۔ ان برائیوں سے روکتے ہیں جن کی شناعت ظاہر ہے۔ اور اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام امور کی انجام دہی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب کو آزمالیا۔ مہاجرین اور انصار کے سینے اپنے نور اور اپنی معرفت سے بھر دیے اور ان کا طرزِ عمل ہمیشہ کے لئے اُمت کے واسطے مشعلِ راہ بنا دیا۔

یہ ہے اُمت پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت کہ اپنے کسی مسئلے میں وہ عملی نمونہ سامنے رکھنے سے محروم نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امت کی تشکیل کی اس کے اولین علمبرداروں نے ایک ایک مسئلہ حل کرنے کی عملی صورتیں پیش کر دی ہیں۔ اور سب کے سامنے تجربہ کر کے کامیابی کی راہیں دکھا دیں۔ خلافت اور جنگ کے مسائل بھی بتا دیے آئینی اور عمرانی امور میں اختلاف

کا طریقہ بھی بتا دیا اور صلح و صفائی کے آداب بھی۔ یہ مہاجرین و انصار [illegible] جس امر پر مجتمع ہو جائیں وہی حق و صواب ہے۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔

اور سب کا بیان ظنی و اعتباری ہے۔ صرف قرآنی آیات سے مومن باور کیا جاتا ہے لیکن ازواجِ مطہرات، مہاجرین [illegible] سے سلام، غزوۂ [illegible] فتح [illegible] تبعین [illegible] اس کے ایمان کی شہادت اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس پر شک کرنے [illegible] ایمان کی خیر منائے۔

امیر المومنین سیدنا معاویہؓ سے یہ قول منسوب کرنا کہ میں سب سے پہلا بادشاہ ہوں، کذب محض ہے جس روایت سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اس کے اسناد [illegible] مجہول الاسم ہے یعنی "عن شیخ من المدینۃ" [illegible]

اموی خلافت کے تقریباً آخر تک صحابہ کرام کا وجود تھا، امیر المومنین عبدالملک [illegible] ابتداء اموی خلفاء [illegible] کے، سب سب تابعی ہیں اور امیر المومنین یزید بھی لیکن کاروبار خلافت صحابہ کرامؓ چلا رہے تھے۔ والیوں میں امراء عساکر میں، قضاۃ میں، ارباب [illegible] میں اور اصحاب تبلیغ و اشاعت میں ہر جگہ صحابہ کرام نظر آتے ہیں۔ یہ خلافت انہی کی خلافت تھی اور تمام اجتماعی نظام انہی کے ہاتھ میں تھا۔

چونکہ ان بزرگوں کی ترقیات اور ان کے برپا کردہ نظام سیاسی کی برکتیں

اہلِ کفر و نفاق پر شاق تھیں اور ان کے دل اس بے انتہا عروج کا خیال کر کے غیظ و غضب سے بھر جاتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی روایتوں کے ذریعے اس دور کی عظمت ماند کرنے کی کوشش کی ہے یوں اللہ کا فرمان صحیح ثابت ہو گیا لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (تاکہ ان کے سبب کافروں میں غیظ و غضب پیدا کر دے) (سورۃ فتح)

یہی مضمون آیت استخلاف میں بھی بیان ہوا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔

اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے انہیں یقیناً زمین پر حکومت عطا فرمائے گا۔ ایسے ہی جیسے ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً ان کے لئے ان کا وہی دین ہموار کرے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور یقیناً وہ ہر خوف کے بعد انہیں امن عطا فرمائیگا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اب بھی کوئی منکر ہو تو یہ لوگ بدراہ ہیں۔

(نور: ۵۵)

اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ خدائے تعالےٰ نے تکوینی طور پر صحابہؓ ہی کو حکومت عطا فرمائی اور ان کے تحت جو نظام بپا ہوا وہی تھا جو اللہ کے ہاں مقبول ہے، ان کی ہر مصیبت کے بعد اس نے انہیں سکون بخشا ہر فتنہ کے بعد امن نصیب

کیا اور ہر مشکل پر انہیں قابو کر دیا۔ ان کی یہ صفت تھی کہ وہ سوائے اللہ کے اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتے تھے۔ اب جو لوگ اس وعدے کے باوجود دین حق قبول کرنے سے منکر ہوئے وہ بدراہ ہیں اور جنہوں نے اس الٰہی وعدہ کے باوجود خلافت کے نظام پر نکتہ چینی کی اور اسے غیر صالح بتایا وہ بھی بدراہ ہیں

اسوئے

راقم الحروف تمام مسلمانوں سے عموماً اور علم تاریخ کے طلبہ سے خصوصاً عرض پرداز ہے کہ صحابہ کرامؓ کے حالات و سیرت پر گفتگو کرتے یا اسلامی تاریخ مرتب کرتے وقت کتاب و سنت کے مقرر کردہ آداب کی پابندی کریں۔ دشمنانِ دعوت کی مفتریات و تلبیسات سے بے اعتنائی برتیں۔

عدل و تقوےٰ و تحقیق کا طریقہ یہ ہے کہ روایات سے قطع نظر کر کے صرف واقعہ کا احصا کیا جائے اور روایات کو یا تو محدثین کرام کے اصول پر جانچا جائے یعنی روایتاً یا پھر عہد حاضر میں درایت کی جو لچک ہے اس پر پرکھا جائے اور اگر فقہائے اسلام کی راہ اختیار کی جائے تو سب سے اچھی کہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے بات کی تحقیق کی جائے۔

تاریخ کا منشاء روایات کا انبار لگانا نہیں اور نہ یہ جو طبری، واقدی، مسعودی اور سیوطی وغیرہ نے اختیار کیا کہ جو روایت جہاں سے ملی ٹانک دی۔ قرآن مجید کے مطابق تاریخ نام ہے ترتیب زمانی کے ساتھ واقعات کی تدوین کا۔ اور وہ واقعات بھی جو اخلاف کے لئے موجب عبرت ہوں تاکہ حق کے ساتھ بزرگان پیشین کی پیروی کریں اور حق کے ساتھ ان کی غلطیوں سے بچیں۔ یعنی جس طرح اللہ نے فرمایا ہے اسی کی پیروی

میں مؤرخ کہہ سکے بلکہ اسے کہنا ہی چاہیئے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

(یوسفؑ: ۱۱۱)

ترتیب زمانی کے ساتھ ان کے واقعات کی روداد عقلمندوں کے لئے موجب عبرت ہے یہ کوئی وضع کردہ جھوٹی بات نہیں بلکہ وہ ہے جس کی توثیق معرض محسوس واقعات سے ہوتی ہے اور اس میں ہر تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت کے اس میں اسباب ہیں۔

یہی صحابہؓ و تابعین تھے جنہوں نے اپنی مرضی سے، اپنی آزاد رائے سے بلا کسی جبر و اکراہ کے امیرالمؤمنین یزیدؒ سے بیعتِ خلافت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ ان عالم صاحب نے جن کا ذکر اوپر ہوا لکھا ہے کہ اگر حسینؓ و یزیدؒ کا الیکشن آزادانہ رائے سے ہوتا تو اول الذکر ہی کو ووٹ ملتے اور ثانی الذکر آخر شخص ہوتا جس کو رائے دی جاتی۔ ان صاحب نے صریحاً واقعات سے چشم پوشی کی ہے۔ الیکشن سے مراد اگر جمہور اُمت کی رائے معلوم کرنے سے ہے تو جیسا عرض کیا گیا مملکتِ اسلامی کے ہر ہر علاقے میں ان ہی کے نمائندگان کے ذریعے رائے معلوم کی گئی اور بلا کسی جبر و اکراہ کے معلوم کی گئی وہ سب کی سب رائیں امیر یزیدؒ ہی کے حق میں تھیں۔ حضرت حسینؓ کو نہ ولایت عہد کے وقت، اور نہ بیعتِ خلافت کی توثیق کے وقت رائے عامہ کا کوئی قابلِ ذکر حصہ ملا اور نہ خود بنو ہاشمؓ اور بنی عبدالمطلب کے خاندان کے کسی فرد کا کوئی ووٹ حاصل ہوا جیسا کہ اس قدر بیعت بالوضاحت بیان ہوا ہے کہ ان کے اپنے عزیزوں

میں سے معدودے چند نوجوانوں کے علاوہ ان کے خود اٹھارہؓ بھائیوں میں سے صرف چار نے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے گیارہ بھائیوں نے اقدامِ خروج سے اختلاف کیا اور باوجود دعوت کے کسی طرح ان کا ساتھ نہ دیا۔ صحابہؓ و تابعین کے بارے میں ان صاحب کی یہ سوءِ ظنی صد درجہ قابلِ ملامت ہے کہ ان صحابہ و تابعین نے محض لالچ سے، دھمکی سے یا جبر و اکراہ سے ایک نااہل شخص سے بیعتِ خلافت کی سبائی راویوں کی مکذوبہ روایتوں پر اعتماد کر لینے اور طبری و مسعودی جیسے مؤرخین کے بیانات کو بغیر تنقید کے باور کر لینے ہی کا یہ سبب ہے کہ ایسے ایسے ذی علم حضرات بھی بدگمانی کا شکار ہو کر صحابہ و تابعین کے طرزِ عمل پر زبان طعن دراز کرنے سے اجتناب نہیں کرتے۔

یہ کتاب اجتماعی عہدِ اُموی کے واقعات اور سیرتِ معاویہؓ و یزیدؒ کا مختصر خاکہ ہے جس کے بارے میں راویوں نے صریحاً کذب بیانی کی ہے اور اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اس لئے یہ چند جملے لکھے گئے ہیں۔ موجودہ عہد میں مناقب و مثالب کی وضعی روایتوں سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔

کذب بیانی، افترا پردازی، سب و شتم اور تفرقہ اندازی کا نام تاریخ نہیں ہے۔ مولانا حالیؒ نے ہمارے شاعروں کے متعلق فرمایا ہے ؎

عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے ۔۔۔ بُری بات کہنے کی گر کچھ سزا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے ۔۔۔ مقرر جہاں نیک و بد کی جزا ہے

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے

جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

لیکن کتب تاریخ میں افترا۔ وتلبیسات کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم الحروف کا جی چاہتا ہے کہ آخری مصرعے میں "شاعر" کی بجائے "راوی" کردے۔ یہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ، یہ محمد بن سائب کلبی اور اس کا بیٹا ہشام اور اسی قماش کے دوسرے مفتری اور کذاب لوگوں نے ہماری تاریخ کو مسخ کر دیا اور طبری جیسے لوگوں نے اپنے دل کی بیماری کو پوشیدہ رکھ کر ان مفتریوں اور کذابوں کا تمام سرمایہ نعوذ امت کو گمراہ کرنے کے لئے جمع کر دیا اور جو لوگ شیخ جلال الدین سیوطی کی طرح "حاطب اللیل" ہیں یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے، کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں کام کی لکڑی) آتی یا بیکار وغیرہ انہوں نے تاریخ الخلفاء جیسی کتابیں لکھ کر خلافت کو اسلاف سے بدظن کرنے کا سامان فراہم کر دیا اور یوں اکثر لوگوں کے فکر و نظر پر گندی روایتوں کے پردے پڑتے گئے۔ ———

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وصحبہ وخلفائہ اجمعین

کاشانہ محمود
لالوکھیت بی ایریا
کراچی

محمود احمد عباسی
۲۰ جولائی سنہ ۱۹۵۹ء

۷۸۶
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عرضِ مؤلف

اُموی خلافت اپنے وقت (۴۰ھ — ۱۳۲ھ) میں جیسی کامیاب اور اُمت کے لئے موجب فوز و فلاح رہی حقائق تاریخ شاہد عادل ہیں۔ اسی کی برکت تھی کہ دین خالص رہا اور ایک صدی کے اندر اندر تین چوتھائی متمدن دنیا حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ بنی اُمیہ سے بڑھ کر کوئی خاندان مسلمانوں میں فاتح و مدبر نہیں گزرا۔ ظاہری و باطنی کوئی نعمت نہ تھی جو امت مسلمہ کو اس دور میں میسر نہ آئی ہو اور جسے اموی حکمت عملی کا ثمر نہ کہا جاسکے ہر طرف مادی ترقیاں، روحانی برکتیں اور علوم دینیہ کی روز افزوں اشاعت تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اموی دور اپنی درخشانی و تابانی میں ہمیشہ مایۂ ناز اور موجب صد افتخار رہے گا۔ خیر القرون کا یہ دور ابتداءً صحابہ کرام کا اور بعدازاں تابعین عظام کا دور تھا۔ خلفاءؓ سے لے کر ادنیٰ امراء تک کو کہ ان ہی متعدد صحابہ و تابعین بھی شامل تھے جو کاروبار خلافت چلا رہے تھے۔ فیض یافتگان نبوی سے اکتساب فیض کا شرف حاصل رہا۔ جگہ جگہ اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے جن سے

استقامت پر سیاست حاوی نہ تھی اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر ہی
سب کا مدار کار تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور میں چند سیاسی اختلافات
و مناقشات کے باوجود کوئی مذہبی فرقہ مسلمانوں میں پیدا نہ ہو سکا۔
اموی دور کے تقریباً ایک صدی بعد سے جو مخصوص کتب تواریخ و اخبار
کے بارے میں تالیف ہوئیں ان کے مؤلفین نے جو کلیتہً خاص ذہنیت
کے حامل تھے نیز مورخین سابقین نے اس عہد کے [illegible] قلمبند کرنے میں
نہ صرف عدم انصافی سے کام لیا بلکہ خاص خاص واقعات کو وضعی روایات کی بنا
پر تمام تر مسخ کر کے پیش کیا کرتے رہے۔

غرض ہمارے علماء جیسے آزاد و بے لاگ محقق کو بھی یہ کہنا پڑا کہ "تہمت تراشی
و افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی
کرنے کی غرض سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی
مثال شاید ہی کہیں اور ملے۔ ہر قسم کی برائی اور معصیت کو جو تصور [illegible]
بنی امیہ سے منسوب کیا گیا۔ ان پر یہ تہمت لگایا کہ مذہب اسلام ان کے
ہاتھوں میں محفوظ نہیں اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہے کہ ان کو صفحۂ ہستی سے
نیست و نابود کر دیا جائے ...... اس عہد کی جو مستند تاریخ ہم تک
منقول ہو کر پہنچی ہے اس میں ان ہی خیالات اور پروپیگنڈے کی اس حد
تک رنگ آمیزی بھی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا
جا سکتا ہے۔ کذب بیانیوں کی یہی حالت الا ماشاء اللہ برابر قائم رہی صدیوں

[illegible] خلافت [illegible] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن

پر صدیاں گزرتی گئیں، نامور سے نامور مورخ عہد بہ عہد پیدا ہوتے،
بہت سی کتب تاریخ مرتب و مدون کر کے پردۂ عدم میں روپوش ہوتے
رہے مگر بقول ان کے سچ کو جھوٹ سے "تمیز" کرنے کی یا وضعی
روایتوں اور مبالغات کو جو کتب تاریخ میں مذکور ہیں نقد و روایت سے
جانچنے کی کوئی کوشش سوائے علامہ ابن خلدون کے کسی اور مورخ نے
نہیں کی خصوصاً ابتدائے دور اموی کے بعض مشہور واقعات کے اغلاق
و مبالغات کے بارے میں۔ روایت پرستی کی اس زمانہ میں ایسی وبا پھیلی کہ
متاخرین بیشتر اپنے پیش رو مورخین سے نقل در نقل کرنے پر اکتفا کرتے
رہے۔ علامہ ابن کثیر نے تو بعض ایسی روایتوں کو جنھیں وہ صحیح نہ سمجھتے تھے
طبری سے نقل کرتے ہوئے بے جھجک اپنی روایت پرستانہ ذہنیت کا صراحتاً اعتراف
کیا ہے کہ

[illegible] غیرهم من	اور اگر ابن جریر (طبری) وغیرہ جو حفاظ
الحفاظ والائمة ذكروه [illegible]	(روایات) اور ائمہ میں سے ہیں ان کو
(تاریخ البدایہ والنہایہ)	بیان نہ کرتے تو ہم بھی ترک کر دیتے۔

البتہ ایک مستثنیٰ مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنھوں نے اپنے
شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و روایت
کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مورخین کے بارے صاف کہا کہ
"ان کو خرافات اور غلط روایات سے انھوں نے خلط ملط کر ڈالا۔"
[illegible]

وَخَلَطَهَا الْمُتَطَفِّلُوْنَ بِدَسَائِسَ مِنَ الْبَاطِلِ وَهِمُوْا فِيْهَا وَابْتَدَعُوْهَا وَزَخَارِفَ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْمُضْعَفَةِ لَفَّقُوْهَا وَوَضَعُوْهَا

(الی آخرہ)

(مقدمہ علامہ ابن خلدون طبع مصر)

(اور نااہل و خود ساختہ مورخین) نے اس کو (تاریخ کو) باطل اور من گھڑت خرافات سے خلط ملط کر دیا۔ لغو اور بے ہودہ باتیں اس میں بھر دیں اور گھٹیا قسم کی وضعی روایتیں ادھر ادھر سے لا کر اس میں شامل کر دیں)۔

اسی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ متاخرین آنکھیں بند کر کے اگلوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے متعلق جو بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے اس کے پیش نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا یہی ایک مورخ ایسے تھے جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو تاریخی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق (یعنی چھ صفحے) جو اس حادثے کے بارے میں تھے۔ ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فرد بشر کو چار دانگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے۔ تاریخ ابن خلدون (عربی) کے جتنے اڈیشن اب تک طبع ہوتے ہیں ان کے حاشیہ پر تشریح کر دی گئی ہے کہ یہ تین ورق نیز وہ چند سطریں جو امیر یزیدؒ کی ولایت کے بارے میں تھیں اصل میں سے غائب ہیں۔ اس کو بھی پانسو برس کا طویل زمانہ گزر گیا کسی دوسرے مورخ کو پھر بھی توفیق نہ ہوئی البتہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

متوفی ۷۲۸ھ نے منہاج السنۃ میں کہ وہ کتب تاریخ میں شامل نہیں حضرت معاویہؓ و یزیدؒ کی سیرۃ کے بعض امور کی بابت انکشاف حقیقت کیا ہے، اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور بعض دیگر مورخین ابن کثیر و بلاذری وغیرہ کی تحریرات میں بھی ضمنی طور سے بیان ہوا ہے۔ پچھلی صدی سے مستشرقین نے اس باب میں بھی داد تحقیق دی ہے لیکن بقول امام غزالیؒ تعصبات کے پردے میں حقیقت روپوش ہوتی چلی گئی اس پردے کو ہٹانے اور اس عہد کی سچی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی شدید ضرورت کا احساس نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا۔
قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خاں (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا۔ ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں[1] فرمایا تھا۔

دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔

---

[1] (پیش لفظ از ہز سر آغا خان مندرجہ "دی گریٹ امید" مولفہ محمد اے حارثؒ)

"مصر و شمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ مصر و شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دور کی عظمت و شان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ کو جو سابق کا "ہند" تھا ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیتاً خاندان بنی امیہ کے قریشی حکمرانوں کا رہین منت ہے جنھوں نے مغرب کی طرف سے اندلس اور فرانس کے راستے سے روما الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے مگر تباہ کن عباسی فتح[1] نے اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا۔ اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیے تاکہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کے مسلمان اکتساب فیضان کی توقعات دمشق کے اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ و بغداد کی چار صدیوں سے"

[1] راقم الحروف نے مبسوط تالیف میں "انتزاع اموی خلافت و قیام خلافت عباسیہ" کے تحت بتایا ہے کہ مضر و ربیعہ کی شدید ترین دشمنی نے اموی خلافت کی افادیت ختم کر دی تھی مگر محمد الامام عباسیؒ کی تعمیری تحریک اسوقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو ملت کا شیرازہ ایسا بکھر گیا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی قوت ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ ہو کر تباہ ہو جاتی۔ عرب اور غیر عرب کی چپقلش نے صورت حال نازک کر دی تھی۔ عباسی تحریک تخریبی نہیں تعمیری تھی اس بارے میں بھی روایات کو نقد و درایت سے پرکھنے کی ضرورت ہے۔

تقریباً دس برس پہلے ہز ہائی نیس ممدوح نے کراچی میں جو تقریر بعنوان "اسلامی مملکتوں کی تاریخ۔ ان کا عروج و زوال و مستقبل کی توقعات" فروری ۱۹۵۸ء میں کی تھی اس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی امیہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئیں، فرمایا تھا۔

"یقین جانئے صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک و فعال تھا اور ہے۔ امویوں کے شاندار عہد میں وہ فعال و متحرک، سیدھا سادہ، خالص و بے میل رہا اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک تاخت و تاراج کے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپ دشمنی کے باوجود وہ قائم و برقرار رہا۔

آپ اپنے مورخین سے مطالبہ کیجئے اور اپنے مفکرین سے کہیے کہ وہ اس شاندار صد سالہ اموی دور پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور اس کے سیدھے سادے عقیدے، کشادہ ذہنیت نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد و فعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔"

اسی کے ساتھ ہز ہائی نیس نے پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اقتصادی، فوجی اور سائنٹفک مسائل کا اور یقیناً آپ اپنی ان مشکلات پر غالب آجائیں گے: لیکن آپ ملت کی اسپرٹ اس کے جذبہ و روح و ضمیر کا خیال رکھئے۔ اسلامی تاریخ کی تیسری صدی کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری کی طرف نظریں جمائیں۔ پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر سے

بنو امیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔

ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ
کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور "امام حاضر" کے ہیں
جن کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد
کے اس درجہ ساعی رہے کہ اگر ترکی زعمائے وقت ان کی تجویز دربارۂ احیاء
خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی مسلمانان
ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک جس کی داغ بیل سر سید علیہ الرحمۃ کے مبارک
ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائینس عملاً
وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں لیکن اہم تر خدمت مسلمانان پاکستان کی اسپرٹ
اور روح کی بالیدگی اور تر و تازگی کے لئے پہلی صدی ہجری کے عہد بنو امیہ
کی متحرک، فعال اور ملایانہ تسلط: جکڑ بندوں سے آزاد مثال کے سامنے رکھنے
اور اس عہد کی سچی تاریخ مرتب مدون کرنے کا ہے، کسی فرد واحد کے انجام
دینے کا نہیں۔ راقم الحروف کو اپنی کم بضاعتی کا اعتراف ہے مدت دراز سے اس
عہد کے بعض اہم واقعات کی تحقیق و تفتیش میں ہمت مصروف رہی۔ محترمی ڈاکٹر
مولوی عبدالحق مدظلہ بابائے اردو کی فرمائش سے کتاب "الحسین" پر مختصر سا تبصرہ
کیا تھا جو سہ ماہی رسالہ اردو جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا پھر اس تبصرے
پر تبصرہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں دو سال تک ہوتا رہا اس سلسلہ میں بارہ قسطیں راقم
الحروف کے مضامین کی شائع ہوئیں چند ہی قسطوں کے شائع ہونے پر پاکستان اور
بھارت کے اہل علم حضرات کے ہمت افزا اور ستائشی خطوط بکثرت آنے شروع ہوئے

جن میں سے اکثر میں تقاضا تھا کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔
محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر "صدق جدید" نے
اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ جنوری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" فرمایا تھا کہ "آپ
کے ہاں "الحسین پر تبصرہ" کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی
جامع، نافع، بصیرت افروز ہے اسے کتابی صورت میں جلد سے جلد لائیے"

یہی تقاضا بہت سے اہل علم کا برابر جاری رہا اور اب تک کہ کتاب مرتب
ہو کر طبع میں دے دی گئی برابر جاری ہے بلکہ ایک بزرگ مولانا مفتی سید
حفیظ الدین احمد صاحب نے پیرانہ سالی میں دہلی سے کراچی کا سفر اسی مقصد سے کیا
اور مہربانی سے ایک قطعہ تاریخ فارسی بھی ارشاد فرمایا جو دوسری جگہ درج
ہے غرضیکہ غیر متوقع طور سے ان مضامین کو بنظر استحسان دیکھا گیا جس سے اندازہ
ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے مسلمان کس درجہ مشتاق ہیں کہ اموی عہد کے
حالات جن پر کثیف پردے وضعی روایات کے پڑے ہوئے ہیں ان صحیح طور
سے منکشف ہو جائیں۔ حالات نامساعد رہے لیکن کتابی صورت میں لانے
کے لئے ترتیب از سر نو کرنی پڑی اور مبسوط کتاب کی طباعت کو جس کے کچھ حصہ
کی کتابت بھی ہو چکی ہے ملتوی کر دینا پڑا۔ اس کتاب کو ترتیب میں راقم الحروف
کے پیش نظر یہ مقصد رہا ہے کہ واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں ابتدائے
عہد اموی کے حالات کو اجاگر کر کے صحیح صورتحال افراد ملت خصوصاً نوجوانوں کے
سامنے پیش کرے تاکہ غلط فہمیاں جو وضعی روایات کی بناء پر عام طور سے پھیلی ہوئی
ذہن نشین ہو کر مسلمانوں کے دلوں میں محبت و الفت کے وہ جذبات بیدار ہوں جو

انما المؤمنون اخوۃ کا تقاضا ہے اور اسلاف کرام کے سیاسی مناقشات کو مذہبی رنگ دیکر بدگوئی اور سب وشتم کو اب جبکہ ناقابل تردید حقائق سے صحیح صورت حال کا یقینی طور سے انکشاف ہو گیا ختم کر دیا جائے۔ اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسمٰعیلیہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنھوں نے ان کھلے الفاظ میں صاف کہدیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد تھا کوئی اختلاف نہ تھا۔ حضرت علی خلفاء ثلاثہ سے پورا تعاون کرتے رہے خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا، جب انھوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔[1]

اے کاش! امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہی کیفیت ہو۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن　　اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

کاشانہ محمود
لالوکھیت (بی ایریا) ——— کراچی

محمود احمد عباسی

---

[1] فرمان سر آغا خان بعنوان "اسمٰعیلی اور پہلے تین خلفاء" بحوالہ اسلامک ریویو کنگ ڈی گریٹ "امید" مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ پریس۔ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اموی خلافت کا پس منظر

سبائی پارٹی اور حضرت علیؓ کی بیعت

حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے حلیم و کریم خلیفہ راشد کو بحالت تلاوت قرآن مجید ظلماً شہید کر دینے کے بعد سبائی لیڈر، مالک الاشتر اور اس کے ساتھی بلوائیوں نے جب حضرت علیؓ سے بیعت خلافت کرنی چاہی تو ان کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے منع کیا اور کہا کہ گھر میں بیٹھے رہیں یا اپنی جاگیر ینبع چلے جائیں بلوائیوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ خون عثمانؓ کا الزام آپ پر لگ جائے گا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تھا۔

فانک واللہ لئن نہضت مع ھؤلاء ..... الیوم یحملنک الناس دم عثمان غداً۔ (طبری ج ۵ ص ۱۵۵)	واللہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ (بیعت خلافت لینے) اٹھ کھڑے ہوئے تو کل آپ پر لوگ خون عثمانؓ کا الزام لگا دیںگے۔

مگر افسوس حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا مشورہ قبول نہ فرمایا اور بلوائیوں سے بیعت لے لی۔ یہ بیعت چونکہ بلوائیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمانؓ جیسے محبوب خلیفۂ راشد کو ناحق قتل کر کے سبائی گروہ نے پیش کی تھی اور الاشتر ہی پہلا شخص تھا جس نے سب سے اول بیعت کی تھی (ان اول من بایعہ الاشتر) (ایضاً ص۱۵۶) نیز قاتلین سے قصاص نہیں لیا گیا تھا جو شرعاً واجب تھا۔ اور نہ قصاص لئے جانے کا امکان باقی رہا تھا۔ کیونکہ یہی سبائی بلوائی اور قاتل نیز سبائی گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا معین میں نہ صرف شامل بلکہ سیاستِ وقت پر اثر انداز رہے۔ اکابر صحابہ کی کثیر جمعیت نے جو مدینہ میں موجود تھی، بیعت کرنے سے گریز کیا۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، اسامہ بن زیدؓ حب رسول اللہ، حسان بن ثابتؓ، کعب بن مالکؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابو سعید الخدریؓ، محمد بن مسلمہؓ، نعمان بن بشیرؓ، زید بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، فضالہ بن عبیدؓ، کعب بن عجرہؓ، صہیب رومیؓ، سلمہ بن وقشؓ، قدامہ بن مظعونؓ، عبداللہ بن سلامؓ، مغیرہ بن شعبہؓ جیسے عظمائے ملت و ارباب حل و عقد نے بیعت نہیں کی (طبری و محاضرات الخضری) حضرت اسامہؓ نے بیعت نہ کرنے کی وجہ کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا جب ان پر الاشتر حملہ آور ہوا تھا۔ حضرت سعدؓ نے بچا لیا تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در بسیار مواضع احادیث متواترہ مردیہ بطرق متعددہ بیان فرمودند کہ امت بر حضرت مرتضیٰ جمع نہ شود (ج۲ ص۲۷۵)" طالبین قصاص حضرت علیؓ و زبیرؓ د

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ کے اقوال اس بارے میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

خلافت بر حضرت مرتضیٰ قائم نشد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین بیعت نکردند۔ (ازالۃ الخفاء ج۲ ص۲۷۹)

خلافت حضرت مرتضیٰ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔

ان اکابر صحابہ اور اہل حل و عقد کو حضرت علیؓ کی ذات سے مخالفت نہ تھی اور نہ ان کے خلیفہ ہونے پر اعتراض تھا۔ یہ حضرات انتخاب و بیعت خلافت میں سبائی گروہ و قاتلین عثمانؓ کی دراندازیوں کو مصالح ملیہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے امت کی سوادِ اعظم اکثریت نے بیعت نہیں کی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت خلافت کے بارے میں لکھا ہے کہ:

فان کثیرا من المسلمین اما النصف واما اقل او اکثر لم یبایعوہ ولم یبایعوا سعد بن ابی وقاص ولا ابن عمر ولا غیرھما (منہاج السنۃ ج۲ ص[illegible])

بہت سے مسلمانوں کی کثیر تعداد نے یعنی نصف تعداد نے یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نے ان کی (علیؓ کی) بیعت نہیں کی۔ نہ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیعت کی اور نہ (عبداللہ) بن عمرؓ نے اور نہ دوسرے اصحاب نے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے طلب بیعت پر تو اتنا ہی کہا تھا کہ جب سب لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ مالک الاشتر نے قتل کر دینے کی دھمکی دی

اور ضامن طلب کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں خود ان کا ضامن ہوں انہیں چھوڑ دو، وہ مفسدین کی من مانی کارروائیوں سے بیزار ہو کر مکہ چلے گئے مالک الاشتر وغیرہ نے گرفتار کرنا چاہا۔ ان کی سوتیلی ماں اُم کلثوم بنت علیؓ بیوہ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر بعجلت اپنے والد کے پاس آئیں اور کہا کہ ابن عمرؓ آپ کی مخالفت میں نہیں گئے ہیں اس پر ان کا تعاقب ترک ہوا۔

سبائیوں کی حرکات شنیعہ سے اُمت میں جو انتشار پیدا ہو گیا تھا تمام عالم اسلامی میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے ایک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورت حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی۔ اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔ محدث دہلویؒ نے طالبین قصاص کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

دوم آنکہ قصاص حق است و حضرت مرتضیٰؓ از دست بر اخذ قصاص ذی النورینؓ ما اخذ آن نمی کند بلکہ مانع آن است و حضرت مرتضیٰؓ نیز بخطائے اجتہادی حکم فرمود۔

(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۷۹)

دوسرے یہ کہ قصاص لینا حق ہے اور حضرت مرتضیٰؓ اس پر قادر تھے کہ حضرت (عثمان) ذی النورینؓ کے (مظلومانہ قتل کا) قصاص لے سکتے مگر انہوں نے قصاص نہ لیا بلکہ اس کے مانع ہوئے۔ حضرت مرتضیٰؓ نے بھی خطائے اجتہادی سے کام لیا۔

حضرت موصوف کی یہ خطائے اجتہادی تھی یا بے بسی اور مجبوری۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرات خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام اُمت مجتمع تھی۔ اتحاد و

اتفاق تھا۔ کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں، بڑے بڑے ملک فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر تسلط آئے۔ مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک فتح ہوا، نہ ملت اِن کی بیعت و خلافت پر مجتمع ہوئی آپس ہی میں تلواریں چلتی رہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

فان الثلاثۃ اجتمعت الامۃ علیہم فحصل بہم مقصود الامامۃ وقوتل بہم الکفار وفتحت بہم الامصار وخلافۃ علی لم یقاتل فیہا کافر ولا فتح مصر وانما کان السیف بین اھل القبلۃ۔

(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳۵)

تینوں خلفاء (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ) نے پوری اُمت کو اپنی (خلافت) پر مجتمع کر لیا تھا اور اس طرح انہیں امامت (خلافت) کا مقصود حاصل ہو گیا تھا (اور ان کی اس امارت کے مسلّم ہو جانے کی وجہ سے) انہوں نے کفار پر جہاد کیا اور شہروں کو اپنے اقتدار کے تحت لے آئے اور علیؓ کی خلافت میں نہ تو جہاد ہوا اور نہ شہر فتح ہوئے۔ اس دور میں بس تلوار اہل قبلہ ہی میں چلتی رہی۔

دشمنانِ دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب و حصولِ خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :۔

مقاتلات واقع شد (علی رضی اللہ عنہ) بجہت طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔

(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۸۰ سطر ۲۰)

علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو بعد شہادت عثمانؓ، اپنی خلافت

کی طلب وحرص کے لئے تھیں۔ نہ باغراضِ اسلام۔

شاہ صاحب کے اِس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ وے خوتسے نے اپنے مقالہ بعنوان "خلافت" میں یہ لکھتے ہوئے کہ "بلوائیوں کے ہجوم غفیر نے حضرت علیؓ کو زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لئے بلایا اور طلحہؓ و زبیرؓ کو اُن کی بیعت کے لئے مجبور کیا" کہا ہے کہ :-

"حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو خلیفۂ شہید کی جانشینی کا استحقاق واقعتاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو اُن کے (طلب خلافت) میں کارفرما نہ تھا بلکہ حصولِ اقتدار و حبِ جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لئے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکمرانی کی مذمت کرتے تھے مگر علیؓ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن ج ۵ ص …) غرضکہ شہادت عثمانؓ سے حالات نے نازک صورت اختیار کرلی۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خاتمہ ہوگیا محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث بسیار تصریح و تلویح فرمودند کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمانؓ منتظم نہ خواہد شد۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد خلافت خاصہ منتظم نہ ہو سکے گی۔

یہ بتا کر شاہ صاحبؒ نے اِس اَمر کا اظہار بھی واضح طور سے کیا ہے کہ باوجود اوصافِ خلافت خاصہ رکھنے کے حضرت علیؓ کی خلافت قائم نہ ہو سکی اور نہ انکا حکم نافذ ہوا۔ اور آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس اور کہیں اُن کی حکومت باقی نہ رہی۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"حضرت مرتضیٰ باوجود وفور اوصاف خلافت خاصہ در وے …. متمکن نشد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نگشت و ہر روز دائرہ سلطنت تنگ تر میشد تا آنکہ در آخر ایام بجز کوفہ و ماحول آن محل حکومت نماند۔
(ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۴۹)

حضرت مرتضیٰؓ باوجودیکہ وہ خلافت خاصہ کے وافر اوصاف رکھتے تھے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور نہ ان کا حکم اقطار ارض میں نافذ ہوا۔ اور ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر ایام میں سوائے کوفہ اور اس کے آس پاس کے حکومت کا ٹھکانا نہ رہا۔

یہ افسوسناک حالت خانہ جنگی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔ دشمنانِ اسلام نے اِس حالت سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔

لم يظهر في خلافته دين الاسلام بل وقعت الفتنة بين اهله وطمع فيهم عدوهم من الكفار والنصارى والمجوس بالشام والمشرق۔
(منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۳۸)

یعنی ان کی (حضرت علیؓ کی) خلافت میں اسلام کو شوکت نہ ہوئی بلکہ اہل اسلام میں فتنہ واقع ہوا۔ اور شام و مشرق (یعنی ایران) کے کفار، نصاریٰ اور مجوسیوں کو جو مسلمانوں کے دشمن تھے مسلمانوں کے زیر کرنے کی طمع پیدا ہوئی

سبائیوں کا مقصد اصلی یہی تھا کہ خونِ عثمانؓ کو ناحق بہا کر جس فتنے کا دروازہ کھولا ہے وہ کبھی بند نہ ہو سکے، مسلمان حسبِ سابق ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہوں اور فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ جاری نہ رہے۔ عبداللہ بن سبا یہودی منافق جس کو ابن السودا بھی کہتے ہیں بذاتِ خود مدینہ میں موجود تھا۔ قتلِ عثمان کا سارا پلان اُسی نے بنایا تھا۔ طالبینِ قصاص کے بصرہ کو روانگی کی خبر سُن کر حضرت علیؓ نے ان کے مقابلے میں جانا چاہا۔ ابن سبا اور اس کی پارٹی ان کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ اکابر صحابہ نے اِس اقدام کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا :-

لا تخرج منھا رلے مدینۃ الرسولؐ، فواللہ لئن خرجت منھا لا ترجع الیھا ولا یعود الیھا سلطان المسلمین ابدا۔ فسبّوہ فقال دعوا الرجل فنعم الرجل من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وسار حتی انتھی الی الربذہ۔

(صفحہ ۱۲ ج ۳ طبری)

(اے علیؓ تم مدینہ رسولؐ کو) چھوڑ کر مت جاؤ۔ خدا کی قسم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤ گے اور نہ مسلمانوں کی حکومت (خلافت) ادھر کبھی پلٹے گی یعنی مدینہ مستقرِ خلافت نہ رہے گا (ان صحابی کی گفتگو پر سبائیوں نے) ان کو سب و شتم کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا ان کو چھوڑ دو الگ رہو یہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھے شخص ہیں پھر وہ روانہ ہو گئے یہاں تک مقام ربذہ میں پہنچ گئے۔

حضرت حسنؓ بھی اپنے والد ماجد کے مستقرِ خلافت چھوڑنے کے خلاف تھے اس وقت تو وہ اُن کے ساتھ نہ گئے۔ بعد میں اسی مقام ربذہ میں آکر ملے۔ اور اپنے والد سے شکایت کی کہ میرا کوئی مشورہ آپ نے نہ مانا بلکہ اس کے خلاف کیا میں نے عرض کیا تھا کہ جب تک تمام ولایتوں کے وفود نہ آجائیں اور وہاں کے لوگ بیعت نہ کر لیں اپنی بیعت نہ لیجئے۔ حضرت علیؓ نے جواباً کہا کہ انتخابِ خلیفہ کا حق اہلِ مدینہ کا ہے (فان الامر اھل المدینۃ طبری) ان کا اور ان کے ساتھیوں کا یہی موقف تھا کہ مدینے میں جب بیعتِ خلافت ہو چکی تو اب سب کو اِس بیعت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ پھر مرکز کو مضبوط کر کے داخلی فتنوں کا سدِ باب ہو سکتا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کا جن میں اکابر صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی یہ قول تھا کہ خلیفہ شہید کی بیعت ہماری گردنوں میں ہے، ان کی وفات طبعی نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ آخر وقت تک خلافت سے دست بردار ہوئے۔ ظلم و تعدی سے اُن کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ ہم علیؓ کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ بشرطیکہ وہ باغیوں اور قاتلوں سے تبرا کریں اور ہمارے ساتھ ہو کر قصاص لیں۔ نظامِ خلافت کی حُرمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی اگر قاتلین کو بغیر قصاص لئے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت علیؓ نے واضح الفاظ میں سامعین سے کہا تھا۔

وان ترکتم (یعنی قصاص) لم یقم لکم سلطان ولم یکن لکم نظام۔ (ص۳۰ ج۵ طبری ص۱۲ حمزۃ الخطیب)

اگر قصاص لینا تم نے ترک کر دیا تو پھر نہ تمہارے لئے حکومت قائم رہ سکتی ہے اور نہ نظامِ حکومت۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ باغیوں کی بدبختی پر ہمیں قدرت حاصل نہیں، اس وقت ان کا غلبہ ہے۔ اسی دوران میں بعض صحابہ کی مساعی سے طالبین قصاص اور حضرت علیؓ میں مفاہمت کی شکل پیدا ہو گئی۔ اور حضرت علیؓ تکمیلِ صلح کی غرض سے جب روانہ ہونے پر تیار ہوئے تو یہ اعلان کیا کہ جس شخص نے بھی عثمانؓ کے معاملے میں کچھ کیا ہو وہ ہمارے ساتھ نہ چلے (الا ولا یرتحلن غدا احد اعان علی عثمان رضی اللہ عنہ ص۱۹۴ ج۵ طبری)۔

یہ سنکر ان سبائیوں نے جن میں ابن سبا اور اس کا خاص الخبیث الاشتر نیز دوسرے باغی اور قاتلین شامل تھے خفیہ میٹنگ کر کے طے کیا کہ اس صلح و مفاہمت کو ناکام بنا دیا جائے کیونکہ صلح کی صورت میں ہماری خیر نہیں۔ مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ عبداللہ بن سبا کی تجویز کے مطابق ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں اور متبعین کے ذریعے جن کی تعداد ڈھائی ہزار بیان کی گئی ہے رات کو شب خون مار کر آتشِ جنگ مشتعل کرا دی۔ حضرت علیؓ نے اس خانہ جنگی اور برادر کشی کو روکنے کے لئے قرآن شریف دکھا دکھا کر کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہو (طبری ج۵ ص۲۰۲)۔ لیکن سبائیوں کا تیر نشانہ پر بیٹھ چکا تھا، ہر فریق نے اسی غلط فہمی میں قتال کیا کہ دوسرے نے شرائطِ صلح سے غداری کی۔ اس سانحہ کے بعد بھی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ نہ ہوا، اہلِ شام سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں سبائیوں کی من مانی کارروائیاں دیکھ کر کہ وہ جو چاہتے ہیں کسی نہ کسی حیلے بہانے سے حضرت علیؓ سے کرا لیتے ہیں۔ ان کے بعض عزیز قریب بھی

بیزار ہو گئے۔ حضرت علیؓ کے برادرِ بزرگ حضرت عقیلؓ کی دوربین نگاہوں نے اس صورتِ حال کا جائزہ لے لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ ان کے بھائی کے گرد و پیش جو لوگ سبائی پارٹی کے ہیں وہ ملت کا بیڑہ غرق کئے بغیر نہ رہیں گے اس ضمن میں وضاعین نے کتنے افسانے اور کتنی پھبتیاں کسی ہیں لیکن اس حقیقت سے انکار کا امکان نہیں کہ حضرت علیؓ کے سگے بڑے بھائی حضرت عقیلؓ جو بزرگِ خاندان تھے، وہ اپنے بھائی سے علیحدہ ہو کر انکے مد مقابل حضرت معاویہؓ کے پاس چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے ولی الدم اور طالب قصاص تھے۔ صفین کے میدان میں وہ ان ہی کے کیمپ میں موجود رہے انھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری اسی میں سمجھی تھی کہ ان کی سیاست پر جو لوگ مستولی ہیں وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہونچیں۔

حضرتِ علیؓ کے بڑے بھائی کا ان کے خلاف ہو کر حضرت معاویہؓ کے ساتھ صفین کے میدانِ جنگ میں ان کے ساتھ ہونے کو شیعہ مورخ نے بھی ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

وفارق (عقیل) اخاہ علیاً امیر المومنین فی ایام خلافتہ وھرب الی معاویۃ وشھد صفین معہ۔	اور (عقیل) اپنے بھائی علی امیر المومنین سے ان کے ایامِ خلافت میں جدا ہو گئے اور معاویہ کے پاس بھاگ گئے اور ان ہی کے ساتھ صفین کی جنگ میں موجود رہے۔
(عمدۃ الطالب ص۱۶ طبع لکھنؤ)	

نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ نے کتاب وقعۃ الصفین میں اور ابن جریر طبری

نے اپنی تاریخ میں بعنوان "بیعۃ اهل البصرۃ علیًا وقسمہ ما فی بیت المال فیہ" لکھا ہے کہ ساٹھ ہزار کی رقم بیت المال میں تھی جو فوجیوں پر تقسیم کردی گئی۔ ہر ایک کے حصے میں پانسو پانسو کی رقم آئی۔ پھر ان سے کہا گیا کہ :-

لکم ان اظفرکم اللہ عزّ وجل بالشام مثلہا۔	اگر خدائے عزّ وجل اہلِ شام پر تم کو فتح مند کرے تو اتنا ہی تمہیں دے گا۔

الاشتر وغیرہ تقریریں کرکے لوگوں کو اہلِ شام کے مقابلے میں چلنے کی ترغیب وتحریص کررہے تھے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص کھڑا ہوکر کہنے لگا :-

أتریدان تسیر بنا الی اخواننا من اهل الشام نقتلهم کلًا کما سرت بنا الی اخواننا من اهل البصرۃ نقتلهم کلًا واللہ اذا لا نفعل ذٰلک۔	کیا تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے شامی بھائیوں کے مقابلہ میں جائیں اور انھیں قتل کریں جس طرح تم ہمیں برادران بصرہ کے قتل کرنے کو لے گئے تھے نہیں واللہ ہم یہ ہرگز نہ کریں گے۔

الاشتر نے یہ سنکر اپنے لوگوں سے کہا ذرا لینا اس کی خبر، وہ شخص جان بچانے کو بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے، درّوں اور گھونسوں سے مار ڈالا حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے اور پوچھا کہ کس نے مارا۔ کہا گیا کہ ہمدان قبیلے کے لوگوں نے اس پر فرمایا قتیل عمیۃ لا یدری من قتلہ ودیتہ من بیت المال المسلمین۔ یعنی یہ جاہلیت کے زمانے کا قتیل ہے، معلوم نہیں قاتل کون ہے اس کی دیت بیت المال مسلمین

سے ادا ہو۔

سبائیوں نے ہر ممکن طریقے سے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے پر ابھارا اور روپیہ کا لالچ دیا۔ مورخین نے زید بن عداہیہ تمیمی کا یہ مضحک خیز واقعہ بیان کیا ہے کہ پانسو کی رقم کے لالچ میں صفین کی جنگ میں شریک ہوا اور لڑائی کا رنگ پلٹتے دیکھ کر فرار ہوگیا۔

وکان زید المذکور لما عظم البلاء بصفین قد انهزم ولحق بالکوفۃ فلما قدم زید علی اهلہ قالت لہ بنتہ این خمس المائۃ۔	زید مذکور نے جب صفین کی مصیبت کو بڑھتا اور ہزیمت ہوتی دیکھی تو بھاگ کر کوفہ آگیا اور جب گھر والوں کے پاس پہنچا تو اس کی بیٹی نے پوچھا وہ پانسو کی رقم کہاں ہے۔

(حاشیہ ص۱ واقعہ صفین نصر بن مزاحم)

بیٹی کے سوال کے جواب اشعار میں دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ تیرا باپ صفین سے بھاگ آیا اب پانسو کی رقم کہاں مل سکتی ہے۔ عبداللہ بن سبا اور اشتر کو اس کی کب پرواہ تھی کہ کون پارٹی فتحمند ہو اور کون منہزم۔ ان کو تو مسلمانوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکانی تھی۔ واقعہ صفین کے قدیم ترین مؤلف نے لکھا ہے کہ جب اہلِ شام کو اس کی خبر ہوئی کہ پانچسو پانچسو کی رقم کے لالچ میں بہت سے لوگ فوج میں بھرتی ہوکر آئے ہیں تو انھوں نے ان عراقیوں سے مخاطب ہوکر کہا تھا :-

یا اهل العراق لماذا نزلتم	اہل عراق! تم اس زمین میں آئے

بعجاج من الارض ؟	چھوروں کے ساتھ کیوں آئے ہو چنی
لاخمس الا جندل احرين	گرائے کے لوگوں کے ساتھ تمہارے
والخمس قد يحمل الامرين	لئے وہ سوائے پتھروں کے پانچ نہیں
جنزا الى النخيلة من قنسرين	ہو سکتے۔ تم اس مقام قنسرین سے
(ص۲۱ وقعہ صفین نصر بن مزاحم متوفی ۲۱۲ھ)	کوفہ کو پلٹ ہو جاؤ۔

یہ موقع جنگ جمل و صفین کی تفصیل کا نہیں۔ وضاعین نے سبائی پارٹی کی سازشی کارروائیوں کی پردہ پوشی کے لئے صورت حال مندرجہ مسخ کرکے پیش کی ہے۔ اس لئے اشارۃً یہ چند فقرات لکھے گئے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے ماحول سے سخت بیزار تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ساتھیوں کی اِس دلدل سے نکل جائیں۔ اگر اس جگہ ان کتابوں کے اقتباسات پیش کئے جائیں جو انہوں نے اپنے نام نہاد پیروؤں کی غداریوں اور سرکشیوں کے متعلق دیئے ہیں تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ جمل اور صفین کے موقعوں پر باہمی گفت و شنید سے جو اچھے نتائج مرتب ہونے کی فضا پیدا ہوگئی تھی وہ محض غیر جانبدار عناصر کی کوششوں کا نتیجہ نہ تھی بلکہ خود فریقین خانہ جنگی سے بچنا چاہتے تھے مگر دونوں مرتبہ سبائی گروہ کی پیش قدمیوں نے بنتی صورت بگاڑ دی لیکن خدائے بزرگ و برتر کو ملتِ اسلام کی بہتری مقصود تھی۔ اور امت کو تباہی سے بچانا تھا کہ بالآخر مصلحین کی مساعیٔ جمیلہ سے خونِ عثمانؓ کے قصاص کا مسئلہ ثالثی کے سپرد ہوگیا اور دشمنانِ اسلام کے عزائم فاسدہ بروئے کار نہ آسکے۔ انہوں نے اپنی ناکامی سے

اہلِ شام پر سب و شتم کا آغاز کیا۔ حضرت علیؓ نے نہ صرف اِن کو اِس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی بلکہ گشتی مراسلہ اپنے زیرِ حکومت ممالک کے لوگوں کو بھیجا۔ جس میں واضح طور سے بتایا گیا کہ اہلِ شام سے جو اختلاف تھا وہ خونِ عثمانؓ کے مسئلے میں تھا۔ ورنہ ہم اور وہ سب ایک ہی دین کے پیرو ہیں اِس مراسلہ کو نہج البلاغۃ کے شیعہ مؤلف نے بھی شاملِ کتاب کیا ہے۔ جس کی نقل یہاں درج کرنا مناسب ہے:-

من كتاب له عليه السلام	یہ گشتی مراسلہ ہے جناب علی علیہ السلام
الى الامصار يقتص فيه ما	کا جو تمام شہروں کے اہلیان کو بھیجا گیا
جرى بينه وبين اهل صفين۔	جس میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے
وكان بدء امرنا التقينا والقوم	جو ان کے اور اہلِ صفین کے درمیان
من اهل الشام والظاهر	پیش آیا۔
أنّ ربّنا واحد ونبيّنا واحد	ہمارے معاملے میں ابتداء یہ ہوئی کہ ہم
ودعوتنا في الاسلام واحدة	میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر
ولا نستزيدهم في الايمان	ہے کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہمارا اور
بالله والتصديق برسوله	ان کا نبی ایک ہمارا اور ان کی دعوت
ولا يستزيدوننا الامر	اسلام ایک [illegible]
واحد الا ما اختلفنا فيه من	[illegible] کی تصدیق [illegible]
دم عثمان ونحن منه براء۔	[illegible] زیادہ [illegible] زیادہ
(ص۱۵۹ الجزء الثانی نہج البلاغۃ۔ مطبوعہ دار الکتب الکبریٰ مصر)	[illegible]

ہم میں اور ان میں خونِ عثمان کی
بابت اختلاف ہوا۔ حالانکہ ہم اس
سے بری تھے۔

سبائیوں کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ خانہ جنگی جاری رہے کیونکہ جمل کی طرح یہاں صفین کی مصالحت و ثالثی سے اِن کو اپنی موت نظر آتی تھی۔ مسئلہ ایسا صاف اور سادہ تھا کہ کوئی ثالث بھی اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لوگ جنھوں نے خلیفہ راشد کو ظلماً قتل کیا، نظامِ خلافت کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا، سیاستِ ملیہ پر ایک لمحے کے لئے بھی مستولی رہیں۔

خلافت سے معزولی اور شہادت

حضرت علیؓ کو بھی ثالثی کے تقرر کے ساتھ ہی اس کا بخوبی احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ منصبِ خلافت پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ قاتلین عثمانؓ سے جو غزوہ جنگیوں میں نمایاں حصے رہتے تھے حضرت علیؓ باوجود قدرت کے قصاص نہ لے سکے تھے اور ان میں سے بعض کو عہدے بھی دے دیئے تھے۔ جس سے انہوں نے اپنی پوزیشن کو مشتبہ کر لیا تھا۔ سلیمان بن مہران نے یہ روایت ایک ایسے راوی کی زبانی بیان کی ہے جس نے صفین کے موقع پر حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تھے وہ تاسف سے فرماتے تھے:-

لوعلمت ان الامر یکون هکذا ما خرجت اذهب یاباموسی فاحکم ولو بحز عنقی۔ (البدایۃ ج ۷ ص ۲۸۳ طبع اول)	اگر میں یہ جانتا کہ یہ معاملہ اس طور پر ہو جائیگا تو خروج نہ کرتا۔ اے ابو موسیٰ! تم فیصلہ کرو خواہ وہ میری گردن ہی اڑانے کے بارے میں کیوں نہ ہو۔

ثالثوں نے اتفاقِ رائے سے حضرت علیؓ کو منصبِ خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہلِ حل و عقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخابِ خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقہ پر قائم رہیں۔ لیکن صفین کی واپسی کے بعد سے حضرت علیؓ اپنی ہی پارٹی کے ایک گروہ (خوارج) سے قتال و جدال میں الجھ گئے تا آنکہ ان ہی میں سے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت ممدوح کو زہر آلود خنجر سے مجروح کر دیا۔ اس کا خسر شجنہ بن عدی اور برادر نسبتی الاخضر بن شجنہ جنگِ نہروان میں حضرت علیؓ کے فوجیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ زخم ایسا کاری لگا کہ تین روز بعد وفات پا گئے۔ خوارج سے اِن کے جھگڑے نہ ہوتے اور یہ سانحہ پیش نہ آتا تو اُمت کے مشورے سے نئے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ اور تاریخی واقعات کا رُخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ بہرحال جو مقدر تھا پیش آیا۔

وصیت

وفات سے قبل حضرت ممدوح نے اپنے صاحبزادے حسنؓ سے تنہائی میں دیر تک گفتگو کی۔ نصیحتیں اور وصیتیں کیں، آیہ شریفہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا تلاوت فرما کر اتحاد و اتفاقِ اُمت کی ضرورت پر متوجہ کیا (ص ۳۲۷ ج البدایہ والنہایہ ص ۸۵ ج طبری) اور یہ ہدایت کی کہ میرے مرنے کے بعد معاویہؓ سے فوراً صلح کر لینا انکے امیر المومنین ہو جانے سے کراہت مت کرنا۔ کیونکہ اِن کو بھی تم گنوا بیٹھے تو اختلاف و انتشار اُمت کے تلخ ترین نتائج بھگتنے پڑیں گے (ص ۱۳ ج البدایہ والنہایہ) حضرت علیؓ جیسے بزرگ کو اپنی زندگی کی آخری ساعات میں اِس بات کا احساس تھا

کہ ان کی پارٹی بُری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ وہ اپنی تقریروں میں اپنی پارٹی کے لوگوں کی مذمت کرتے اور فرماتے کاش میں تمہارا منہ نہ دیکھتا۔ تم نے میرے قلب کو رنج و غم سے بھر دیا۔ اے کاش میں اب سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا۔

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے فوجیوں سے عاجز تھے۔ وہ ان کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے لشکر والے اُن کے مطیع و اطاعت کیش تھے۔

وَکان علیؓ عاجزاً عن قہر الظلمۃ من العسکریین ولم تکن اعوانہ یوافقونہ علی ما یأمر بہ۔ واعوان معاویۃؓ یوافقونہ	اور حضرت علیؓ اپنے فوجی ظالمین کے قہر سے عاجز تھے ان کے عوان و انصار ان کے احکام کی موافقت نہیں کرتے تھے۔ برخلاف ان کے حضرت معاویہؓ کے اعوان و انصار ان کی موافقت کرتے تھے۔
(ص ۲۰۲ ج ۲ منہاج السنۃ)	

ان حالات میں حضرتِ علیؓ کی یہ عراقی پارٹی قطعاً ناکارہ و ناکام ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں عشرہ مبشرہ میں کے بعض حضرات، اصحاب بدر، اصحاب بیعتِ رضوان اور دیگر صحابہ کرام کی کثیر تعداد بقیدِ حیات تھی لیکن امت کو اختلاف و انتشار سے نکالنے، دشمنِ اسلام قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ملت کی ڈگمگاتی کشتی کو ساحلِ مراد تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی اہلیت اگر کسی میں بدرجۂ اتم تھی تو وہ حضرت معاویہؓ کی ذات میں تھی۔ اس لئے حضرات

کے پیشِ نظر حضرت [illegible] نے اپنے صاحبزادے کو خاص ہدایت کی کہ ان کے امیر المومنین ہونے [illegible] چنانچہ حضرت حسنؓ نے اپنے گرامی قدر والد ماجد کی تدفین کے بعد عراقیوں کے مجمع کے سامنے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جس سے میں لڑائی کروں تم اس سے لڑائی کروگے اور جس سے میں صلح کروں اس سے تم صلح کروگے۔ پھر کہا:

وان ابی [illegible] یقول لا تکرھوا امارۃ معاویۃ فانکم لو فارقتموہ لرأیتم الرؤس تندر عن کواہلہا کالحنظل۔	اور میرے والد ماجد علیؓ فرماتے تھے کہ معاویہ کی امارت (یعنی امیر المومنین ہونے) کو ناپسند مت کرنا، کیونکہ تم نے اگر ان کو کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر حنظل کی طرح دھڑ سے کٹ کٹ کر گریں گے۔
(طبقات [illegible] ص ۲۸۳ مطبوعہ [illegible] وازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳ والبدایۃ والنہایۃ ج ۸)	

[illegible] والسیاسۃ جیسی کتاب ہے جو کسی غالی مؤلف نے شرارت سے [illegible] ابی محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ سے محض غلط منسوب کر دی ہے اور ان کی تالیفات کی فہرست مندرجہ الفہرست ابن ندیم میں شامل نہیں۔ اس میں حضرت حسنؓ کی تقریر کا یہ فقرہ موجود ہے جو انہوں نے کوفیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کی تھی۔

ان ابی کان یحدثنی ان معاویۃ سیلی الامر فواللہ لو سرتم الیہ بالجبال والشجر	اور میرے والد مجھ سے فرماتے تھے کہ [illegible] خلافت پر ضرور متمکن ہوں گے [illegible] پہاڑوں اور درختوں [illegible]

ماشککت انہٗ سیظہران اللہ لامعقب لحکمۃ ولاس ا د لقضائہ

(ص۱۴۶ طبع اعلیٰ ۱۹۳۶ء)

بڑی فوجی قوت سے بھی انکے مقابل آتے تو وہ ضرور غالب آتے۔ خدا کی حکمت کو نہ کوئی لوٹا سکتا ہے اور نہ اسکا ارادہ پلٹا جا سکتا ہے۔

سبائیوں کو یہ سننے کی تاب کہاں تھی، ان بدبختوں نے نواسۂ رسولؐ پر بھی حملہ کرکے زخمی کر دیا۔ غالی راویوں نے حسب عادت اس واقعہ کو مسخ کرکے یہ کہا ہے کہ حسنؓ کے کمانڈر لڑائی میں مارے گئے اس لئے لوگوں نے اپنے امام پر حملہ کر دیا۔

اس قول کی رکاکت تو خود ہی ظاہر ہے۔ سبائیوں کو غیظ و غضب اس لئے تھا کہ وہ حضرت معاویہؓ کی امارت برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے پہلے بھی ان کی گوشمالی کی تھی اب تو تفویض امارت کے بعد وہ اپنی خیریت نہیں سمجھتے تھے۔

مصالحت اور بیعت خلافت

زخم کے مندمل ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے بلا تاخیر مزید صلح و مصالحت میں سبقت کی۔ سبائیوں کی برابر یہ کوشش رہی کہ صلح نہ ہونے پائے۔ ان کے ایک لیڈر حجری بن عدی نے پہلے تو حضرت حسن بن علیؓ سے گفتگو کی۔ انہوں نے سختی سے ڈانٹ دیا۔ پھر ان کے چھوٹے بھائی حسین بن علیؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ تم نے عزت کے بجائے ذلت کو اور کثیر کے بجائے قلیل کو اختیار کیا ہے[1] اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دو تو میں اہل کوفہ میں سے تمہارے اعوان و انصار کی کثیر جماعت حاضر کر دوں گا۔ مگر حضرت حسینؓ نے فتنہ پردازوں کی کوئی بات

[1] ان لوگوں کا منشا یہ تھا کہ اول تو بڑھ بڑھ کر بیعت کریں پھر وقت پر دغا دیں۔

نہ مانی اور صاف کہا کہ ہم نے بیعت کر لی ہے، معاہدہ ہو گیا ہے۔ اب کوئی سبیل ہمارے بیعت کے توڑ ڈالنے کی نہیں ہے۔

فقال الحسین انا قد بایعنا و عاھدنا ولا سبیل الی نقض بیعتنا

(اخبار الطوال للدینوری ص۲۳۴ مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۸ء)

پس حسینؓ نے کہا ہم نے بیعت کر لی ہے عہد کر لیا ہے اور ہمارے بیعت کے توڑنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

غالی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ صلح و مصالحت سے متفق نہ تھے انہوں نے اپنے بھائی سے بحث و مباحثہ کیا لیکن حضرت حسنؓ نے چھوٹے بھائی کو جھڑک دیا اور کہا:

اسکت فانا اعلم بالامر منک

(طبری ج ۶ ص۹۲)

تم چپ رہو، میں اس معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی جدید تالیف "علیؓ و بنوہ" میں زیادہ تصریح سے لکھا ہے کہ:-

ان الحسین بن علیؓ لم یکن یری رائے اخیہ ولا یقر میلہ الی السلم وانہ الح علی اخیہ فی ان یستمسک و یمضی فی الحرب ولکن اخاہ امتنع وانذرہ ان یوضعہ فی الحدید ان لم یطعہ۔

(صفحہ ۲۰۳)

حسین بن علیؓ نے اپنے بھائی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا اور صلح و امن کی طرف ان کے میلان کو نہیں مانا۔ انہوں نے اپنے بھائی پر لڑائی میں چلنے کو زور دیا۔ لیکن ان کے بھائی نے منع کیا۔ اور ڈرایا کہ اگر میری اطاعت نہ کی تو بیڑیاں پہنا دی جائیں گی۔

بہرحال حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کی رائے سے اتفاق ہی کیا ہو یا بخوشی، واقعۂ بیعت سے تو کسی کو انکار نہیں۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ عراقی فوج کے کمانڈر قیس بن عبادہ نے اس وقت کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی تھی عراقیوں سے پوچھا کہ دو باتوں میں سے ایک اختیار کر لو۔ یا تو بلا امام قتال کرو یا معاویہؓ کی اطاعت میں داخل ہو۔

فلختاروا الدخول فی طاعۃ معاویۃ (اخبار الطوال ص۲۳۳)

انہی لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی اطاعت (بیعت) میں داخل ہونا اختیار کیا۔

مختصر یہ کہ عراق سے جب یہ حضرات مدینہ آئے تب بھی سبائیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ان کے بعض لیڈر مدینہ آئے جن میں سلیمان بن صرد پیش پیش تھے حضرت حسنؓ سے گفتگو کی۔ "السلام علیک یا مذل المومنین" کہہ کر سلام کیا حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ "وعلیک السلام" بیٹھو! میں مذل المومنین نہیں بلکہ معزّہم ہوں۔ میں نے لوگوں سے قتال و جدال کو موقوف کیا۔ واللہ اگر ہم پہاڑوں جیسی فوج لے کر بھی مقابلہ کو نکلتے، تب بھی کوئی قوت خلافت و امارت کو معاویہؓ سے نہیں روک سکتی تھی۔ (اخبار الطوال)

پھر حضرت حسنؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ لوگ حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی گفتگو کی۔ اور ان کے بھائی نے جو جواب ان کو دیا تھا وہ بھی بتایا۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا:۔

"ابو محمد (حسنؓ کی کنیت ہے) نے سچ کہا۔ تم سب لوگ اس وقت تک اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے رہو جب تک یہ (معاویہؓ) زندہ ہیں۔" (اخبار الطوال)

الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے کوفہ کے سلیمان بن صرد کو یہی جواب دیا اور کہا:۔

لیکن کل رجل منکم	لیکن تم میں سے ہر شخص اپنے گھر کے اندر
حلساً من احلاس بیتہ	خاموشی سے اس وقت تک بیٹھا رہے جب
مادام معاویۃ حیا فانہا	تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کیونکہ انکی بیعت
بیعۃ کنت واللہ لہا کارھاً	میں نے واللہ کراہت کی پس اگر معاویہؓ
فان ھلک معاویۃ نظرنا	وفات پا گئے تو ہم بھی غور کریں گے اور تم
ونظرتم ورأینا ورأیتم۔	بھی، ہم بھی رائے قائم کریں گے اور
(ص۱۴۳)	تم بھی۔

گویا اس غالی مؤلف کے نزدیک حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت بہ مجبوری و بکراہت کی تھی۔ حصول خلافت و حکومت کے لئے موقع مناسب کے منتظر تھے اور حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کو لامحالہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے کھڑا ہونا ہی تھا۔

غالی راویوں کے بیان سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ابومخنف نے تو یہ غلط قول حضرت حسینؓ سے منسوب کر دیا کہ اپنے بھائی حسنؓ کا حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لینا ان کو اس درجہ شاق تھا کہ فرماتے تھے گویا میری ناک چاقو سے کاٹنے والا کاٹ ڈالتا یا میرا جسم آری سے چیر ڈالتا۔ میں نے بھائی کی اطاعت کراہت سے کی ہے (فاطعتہ کرھاً) اسی کے ساتھ بقول لوط بن یحییٰ حضرت حسینؓ ان کو تنے سے کہا:۔

والان كان صلحًا وكانت بيعة ولننظر مادام هذا الرجل حيًا فاذا مات نظرنا ونظرتم - (مقتل ابی مخنف ص۹ مطبوعہ نجف)

اب اس وقت تو صلح ہے اور بیعت بھی ہے جب تک یہ شخص (معاویہؓ) زندہ ہے انتظار کرو جب مر جائے تو ہم بھی سوچیں گے اور تم بھی۔

حضرت معاویہؓ کا سلوک

حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ کے ان دونوں صاحبزادوں حضرات حسن و حسینؓ کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ مقررہ وظائف کے علاوہ گرانبہا عطیات دیئے جاتے اور یہ دونوں حضرات ہر سال بلاناغہ امیر المومنین کی خدمت میں دمشق جاتے اور وہاں عزیز کی حیثیت میں ان کے پاس رہتے۔

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكرامًا زائدًا ويقول لهما، مرحبا واهلًا يعطيهما عطاء جزيلًا وقد اطلق يوم واحد مائتي الف -

جب خلافت معاویہؓ کی قائم ہو گئی تو حسینؓ اپنے بھائی حسنؓ کے ساتھ ان کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ عزت کرتے اور مرحبا کہتے اور عطیات دیتے، ایک ہی دن میں ان کو دو لاکھ درہم عطا کئے۔

(البدایہ والنہایہ: جلد ۸ ص۱۵۰)

علامہ ابن کثیرؒ نے متعدد جگہ ان گرانقدر وظائف و عطیات کا ذکر کیا ہے جو

امیر المومنین معاویہؓ حضرت حسن و حسینؓ اور دیگر بنی ہاشم کو دیا کرتے تھے۔ زید بن الحباب کی روایت ہے کہ:-

قدم الحسن بن علی علی معاوية فقال له: لاجيزنك بجائزة لم يجزها احد كان قبلي فاعطاه اربعمائة الف ووفد اليه مرة الحسن والحسين فاجازهما على الفور بمائتي الف الف (ص۱۳۷ ج۸ البدایہ والنہایہ)

حسن بن علیؓ (ایک مرتبہ حضرت) معاویہؓ کے پاس (دمشق) آئے تو انہوں نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو ایسا (گرانقدر) عطیہ دونگا جو مجھ سے قبل کسی نے بھی نہ دیا ہوگا چنانچہ انہوں نے چار لاکھ کی رقم ان کو دی پھر ایک دفعہ حسن و حسینؓ جب آپ کی خدمت میں آئے تو ان دونوں حضرات کو انہوں نے فی الفور دو دو لاکھ دیئے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ان عطایا کا ذکر کیا ہے جو حضرات حسنؓ و حسینؓ و دیگر اکابر بنی ہاشم کو امیر المومنین معاویہؓ دیا کرتے تھے۔ لکھا ہے:-

ومعاوية اوّل رجل فی الارض وهب الف الف وابنه (يزيد) اوّل من ضاعف ذالك كان يجيز الحسن والحسين ابن علی فی كل عام لكل واحد منهما بالف الف درهم وكذالك كان يجيز

اور معاویہؓ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے دس دس لاکھ درہم عطا کئے اور ان کے فرزند (یزید) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کو دوگنا کیا اور یہ عطیات (حضرت) علیؓ کے ان دونوں بیٹوں حسن و حسینؓ کو ہر سال دس دس لاکھ درہم کے عطا ہوتے

عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن جعفرؓ (ج ۲ ص ۲۲۳ شرح ابن ابی الحدید)	اور اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ کو بھی دیئے جاتے۔

حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ بدستور امیرالمومنین معاویہؓ کی خدمت میں ہر سال حاضر ہوتے اور عطیات حاصل کرتے رہے۔

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویۃ فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ۔ (ج ۸ ص ۱۵۱ - البدایہ والنہایہ)	جب حسنؓ کا انتقال ہوگیا تو حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جاتے وہ انکو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے۔

اور تو اور ابو مخنف جیسے غالی نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت حسینؓ کو علاوہ ہدایا کے حضرت معاویہؓ ایک لاکھ دینار سالانہ بھیجا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ

وکان (معاویۃ) یبعث الیہ (الحسین) فی کل سنۃ الف الف دینار سوی الھدایا من کل صنف (مقتل ابی مخنف ص ۳)	اور (معاویہ) ہر سال (حسینؓ کو) علاوہ ہر قسم کے ہدایہ کے ایک لاکھ دینار بھیجا کرتے تھے۔

عراقی سبائیوں نے حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر سنکر حضرت حسینؓ کو ورغلانے کی کوشش کی اہل کوفہ میں سے جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب نے حضرت حسینؓ کو

۱؎ یہ وظائف و عطیات یا تو خمس اور فے میں سے ہوتے تھے یا اس مال میں سے جو ملت کی ضروریات سے زائد ہوتا اور حق داروں کو حق دیا جاچکا ہوتا جسکو [illegible] خود لیتے اور حسب احکام [illegible] کیا کرتے تھے۔

[illegible] تحریر تھا۔

فان کنت تحب ان تطلب ھذا الامر فاقدم علینا فقد وقفنا انفسنا علی الموت معک۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۵)	پس اگر تم کو اس امر (خلافت) کی خواہش ہے تو ہمارے پاس آجاؤ ہم نے اپنی جانوں کو تمہارے ساتھ مرنے پر وقف کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے لکھ بھیجا کہ تم لوگ بدستور اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو جب تک کہ معاویہؓ زندہ ہیں کوئی حرکت [illegible] وقت آگیا اور میں زندہ رہا تو اپنی رائے سے تمہیں مطلع کروں گا۔

فان یحدث اللہ بہ حدثا وانا حی کتبت الیکم برأیی۔ (اخبار الطوال ص ۲۳۵)	پس اگر اللہ کی جانب سے ان کا واقعہ پیش آجائے اور میں زندہ رہا تو تم لوگوں کو اپنی رائے سے تحریراً مطلع کردوں گا۔

[illegible] قسطنطنیہ و بشارت مغفرت

[illegible] ایرانی شہنشاہیت کا تو پہلے ہی قلع قمع ہوچکا تھا، مگر [illegible] ایک زبردست قوت رومی بازنطینی شہنشاہیت ابھی باقی تھی [illegible] خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت معاویہؓ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ و حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ و سیف اللہ خالد بن ولیدؓ اور دیگر [illegible] شام پر متعین کیا تھا۔ انہوں نے شام و فلسطین وغیرہ کو فتح کیا [illegible] ہیں۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی کی جگہ مقرر کیا انہوں نے خلافت

فاروقی رضؓ اور خلافتِ عثمانی رضؓ میں رومیوں کو بری و بحری معرکوں میں شکستیں دیں لیکن مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر ابھی تک پیش قدمی نہیں کی گئی تھی۔ شجاعانِ عرب ملکِ شام فتح کرنے کے زمانہ ہی سے رومی نصرانیت کے صدر مقام قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا خیال رکھتے تھے۔

ان العرب منذ فتحوا الشام فکروا فی
فتح القسطنطنیہ لانہا کانت
لذالک العھد عاصمۃ النصرانیۃ
وکان الاسلام لو فتحہا غلب
علی شمالی اوربۃ بلانزاع

ملک شام فتح کرنے کے زمانے ہی سے
عرب قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی فکر میں
تھے کیونکہ اس عہد میں یہ شہر نصرانیت
کا دارالسلطنت تھا اور اگر یہ فتح ہو جاتا
تو اسلام شمالی یورپ میں بلا مقابلہ
غلبہ حاصل کر لیتا۔

(ص۲۱۲ حاضر العالم اسلامی تالیف پروفیسر لوتھروپ ستوڈارد مع تعلیقات امیر شکیب ارسلان)

صفین کی خانہ جنگی کے نتائج نے حضرت معاویہؓ کی ان جہادی سرگرمیوں کو چند سال کے لئے ملتوی کر دیا تھا جو رومی نصرانیت کے خلاف انہوں نے شروع کی تھیں۔ ۴۱ھ میں زمامِ خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد کئی سال کی متواتر جد وجہد سے انہوں نے جہازوں کا عظیم الشان بیڑہ تیار کیا جو سب سے پہلا اسلامی جنگی بیڑہ تھا۔ چنانچہ ۴۹ھ میں حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے بری اور بحری حملوں کا انتظام کیا۔ بری فوج میں شامی عرب تھے۔ خصوصاً بنو کلب جو امیر یزیدؒ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ حجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور

سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔ اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارتِ مغفرت دی تھی۔ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد کے باب "ماقیل فی قتال الروم" (یعنی رومی عیسائیوں سے جہاد میں جو ذکر فرمایا گیا ہے) کی یہ حدیث ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اول جیش من امتی یغزون مدینۃ
قیصر مغفور لھم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت
کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ)
پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے۔

(صحیح البخاری جلد ۱ ص۴۱۰ مطبوعہ اصح المطابع)

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانیؒ نے "مدینۂ قیصر" کی تشریح کی ہے کہ اس سے مراد رومی نصرانیت کا صدر مقام قسطنطنیہ ہے۔ پھر اس حدیث کے حاشیہ پر لکھا ہے۔

کان اول من غزا مدینۃ قیصر
یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ
من سادات الصحابۃ کابن عمر
وابن عباس وابن الزبیر وابی
ایوب الانصاری رضی اللہ عنہم

مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے اول
جہاد یزید بن معاویہؒ نے کیا اور ان کے
ساتھ ساداتِ صحابہ مثل ابن عمرؓ و ابن
عباسؓ و ابن زبیرؓ اور ابو ایوب انصاریؓ
اور ایک جماعت تھی۔

(حاشیہ ص۴۱۰ جلد ۱ صحیح بخاری مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی منقبت میں ہے۔ ساتھ ہی محدث المہلبؒ کا

یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویةؓ لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولدهٖ لانه اول من غزا مدینة قیصر

(حاشیہ صحیح بخاری ج ۱ ص [illegible])

اس حدیث کے بارے میں محدث مہلبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث فضیلت ہے حضرت معاویہؓ کی کہ انہوں نے سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت ہے ان کے فرزند امیر یزیدؒ کی کہ انہوں نے سب سے پہلے شہر قیصر قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ سات سال مسلسل [illegible] حضرت معاویہؓ کی بحری وبری جہادی سرگرمیاں جاری رہیں جن میں امیر یزیدؒ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اس حدیث کے پہلے فقرے میں مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشارہ بھی حضرت ام حرامؓ زوجہ حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے جن کے گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیلولہ فرمایا تھا اور یہ خواب حضرت معاویہؓ کے بحری جہاد اور جہاد قسطنطنیہ کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰)

میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہوگی۔

علامہ ابن حجرؒ "قد اوجبوا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں [illegible] وجبت لهم به الجنة" (فتح الباری شرح بخاری) یعنی ان سب غازیوں نے جنت واجب ہوگئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے [illegible] جہاد قسطنطنیہ کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واول جیش غزا مدینة قسطنطنیة کان امیرهم یزید والجیش عدد معین لا مطلق وشمول المغفرة لاحاد هذا الجیش اقوی ویقال ان یزید انما غزا قسطنطنیة لاجل هذا الحدیث۔

(منهاج السنة [illegible])

اور پہلی اسلامی فوج جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اس کے سردار امیر یزیدؒ تھے اور لفظ فوج ایک معین تعداد ہے مطلق نہیں یعنی اس فوج کے ہر شخص کا مغفرت میں شامل ہونا قوی تر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی حدیث (مغفرت) کی خاطر امیر یزیدؒ نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ حضرت ام حرامؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنکر کہ بحری جہاد کے غازیوں کے لئے جنت واجب ہوگئی عرض کیا "یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہوں" آپؐ نے فرمایا کہ تم ان میں شامل ہوگی چنانچہ حضرت معاویہؓ نے جب جزیرہ قبرص پر جہاد کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاد میں شریک تھیں لیکن دوسری مرتبہ قسطنطنیہ کے غازیوں کی مغفرت کو سنکر جب یہی درخواست کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "تم ان میں نہیں ہوگی"۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ہم اس حدیث کا ذکر دلائل النبوۃ کے تحت کرتے ہیں وقد ذکرنا هذا مقررا فی دلائل النبوة (ص [illegible] البدایة والنهایة)

اس حدیث میں دو اسلامی لشکروں کے غازیوں کے لئے وجوب جنت ومغفرت کی بشارت زبان نبوی سے ہوئی (کتاب الجهاد صحیح بخاری وکتاب الامارة صحیح مسلم) پہلا اسلامی جیش حضرت معاویہؓ کی قیادت میں تھا اور دوسرا انکے فرزند

امیر یزیدؒ کی سرکردگی میں۔

امیر یزیدؒ کی اِس فوج میں جیساکہ ابھی ذکر ہوا بڑے بڑے صحابہ کرام یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) نیز عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ ابن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ بھی شامل تھے۔ علامہ ابنِ کثیرؒ نے حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ اور امیر یزیدؒ کے ساتھ اس فوج میں موجود ہونے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

کان الحسین یفد الی معاویۃ	حسینؓ ہر سال معاویہؓ کے پاس جایا کرتے تھے
فی کل عام فیعطیہ ویکرمہ وکان	وہ ان کو عطیہ دیتے اور ان کا اکرام کرتے
فی الجیش الّذِیْنَ غزوا القسطنطنیۃ	وہ (حسینؓ) اس فوج میں شامل تھے جس نے
مع ابن معاویۃ یزید۔	(امیر معاویہؓ کے فرزند یزید کے ساتھ
(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۱)	قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

شیعی مورخ مسٹر جسٹس امیر علی نے اپنی "تاریخ عرب" ہسٹری آف سیراسینیز صفحہ ۸۴ میں بھی حضرت حسینؓ کی شرکتِ جہادِ قسطنطنیہ کا اعتراف کیا ہے۔ مورخ اسلام علامہ ذہبی نے بحوالہ ابن عساکر لکھا ہے کہ وفد الحسین علی معاویۃ وغزا القسطنطنیۃ مع یزید (یعنی حسینؓ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آئے اور (امیر) یزیدؒ کے ساتھ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے (صفحہ ۱۸ ج ۲)

اسی جہاد کے دوران حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز تھی۔ اِس کبر سنی میں آپ نے اتنے دور دراز مقام پر جہاد میں شرکت حدیثِ نبویؐ کی بشارتِ مغفرت کی وجہ سے کی تھی۔ جب

آپ کا آخری وقت آپہونچا آپ نے امیرِ عساکر امیر یزیدؒ کو وصیت کی کہ میرا جنازہ سرزمین عدو میں جتنی دور لے جاسکو لیجاکر دفن کرنا (صفحہ ۵۹ ج ۸ البدایہ والنہایہ)..... مسلمانوں کو میرا اسلام پہنچانا اور یہ حدیث سنانا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی ہے۔ ارشاد مبارک ہے۔

من مات ولا یشرک باللہ	یعنی جو شخص اس حالت میں فوت ہو
شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ	کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کرتا
	تھا اللہ اسے جنت نصیب کریں گے۔

امیر یزیدؒ نے اِن محترم صحابی "میزبانِ رسولؐ" کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حسب وصیت قسطنطنیہ کی فصیل کے پاس دفن کیا جہاں اب آپ کا عالی شان مزار اور اس کے متصل مسجد واقع ہے۔

وکان (ابوایوب الانصاری) فی	(اور ابو ایوب انصاریؓ یزید بن معاویہ کے
جیش یزید بن معاویۃ والیہ	لشکر میں شامل تھے اور آپ نے اپنے معاملات
اوصی وھو الذی صلی علیہ۔	کی وصیت بھی انہی یزیدؒ کو کی تھی (یزید)
(البدایہ والنہایہ: ج ۸ صفحہ ۵۸)	ہی نے ان کی جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزیدؒ کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسینؓ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزیدؒ شرکت کی اور میزبانِ رسولؐ کی تدفین میں شریک رہے۔ طبری جیسے شیعی مورخ کا بھی یہ بیان ہے کہ:۔

"ابوایوب انصاریؓ کی وفات اس سال ہوئی جب یزید بن معاویہؓ نے اپنے والد کی خلافت کے زمانے میں قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔" (ج ۱۳ صفحہ ۱۶)

ایک دوسرا شیعی مؤرخ (مؤلف ناسخ التواریخ) جہاں لکھتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جہاد قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے لشکر میں وفات پائی اور امیر موصوف ہی نے ان کی تدفین کا انتظام کیا یہ بیان کرتے ہوئے کہ "چوں ابو ایوبؓ درگذشت یزید سوار شد جیش با او سوار شد نعش او را مشایعت نمودند" وہیں کہتا ہے کہ امیر یزیدؒ نے رومی عیسائیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا اهل القسطنطنیة هذا رجلٌ من اکابر اصحاب محمدٌ نبینا وقد دفنا حیث ترون ووالله لئن تعرضتم له لاهدمن کل کنیسةٍ فی الارض الاسلام ولا یضربُ ناقوس بارض العرب ابداً۔

(ج کتاب دوم ص۳۰ ناسخ التواریخ)

اے اہلِ قسطنطنیہ! یہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی کا جنازہ ہے جو ہم نے یہاں دفن کیا ہے قسم بخدا اگر ان کی قبر کو کسی قسم کا ضرر پہونچا تو سرزمین اسلام میں ہر کنیسہ کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ارضِ عرب میں پھر ناقوس کی آواز سنائی نہ دے گی۔

امیر شکیب ارسلان نے کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کے تعلیقات زیرِ عنوان "محاصرات العرب لقسطنطنیہ" میں طبقات ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے:-

ولما مرض (ابو ایوبؓ) اتاہ یزید بن معاویة یعودہ فقال: حاجتك قال: نعم حاجتی اذا انامت فارکب بی ثم سغ بی فی ارض العدو ما وجدت مساغاً فاذا لم تجد مساغاً فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب به ثم سار به فی ارض العدو وما وجد مساغاً ثم دفنه ثم رجع ان ابو ایوبؓ قال لیزید بن معاویة حین دخل علیه اقرئ الناس منی السلام ... وساحدثکم بحدیث سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من مات لا یشرك بالله شیئاً دخل الجنة فحدث یزید الناس بما قال ابو ایوبؓ وتوفی ابو ایوبؓ عام غزا یزید بن معاویة القسطنطنیة فی خلافة ابیه سنہ ۵۲ صلی علیه یزید بن معاویة وقبرہ باصل حصن القسطنطنیة بارض الروم ان الروم یتعاهدون قبرہ ویزورونه ویستسقون به اذا قحطوا (ص۳۱۵ مجلد طبقات ابن سعد)

جب (حضرت) ابو ایوب انصاریؓ بیمار پڑے یزید بن معاویہؒ ان کی عیادت کو آئے اور پوچھا کہ آپ کی جو خواہش ہو فرمایئے انہوں نے کہا کہ ہاں میری خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو میرا جنازہ دشمن کی سرزمین میں لے جانا جہاں تک بھی راہ ملے اور جب راہ نہ پاؤ تو دفن کر دینا پھر لوٹ آنا۔ جب وہ فوت ہو گئے امیر یزیدؒ ان کا جنازہ لے کر سرزمین عدو میں گئے جب آگے راہ نہ پائی تو ان کو دفن کر دیا اور لوٹ آئے (حضرت) ابو ایوبؓ نے اس وقت جب یزیدؒ ان کے پاس آئے تھے ان سے کہا تھا کہ میں مر جاؤں تو میرا سلام لوگوں کو پہنچا دینا۔ اور میں تم لوگوں سے وہ حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ آپ نے فرمایا "جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ پس (امیر یزیدؒ نے) لوگوں سے وہ باتیں بیان کیں جو (حضرت) ابو ایوبؓ نے فرمائیں ان کی وفات اس سال میں ہوئی جب امیر یزید بن معاویہؒ نے قسطنطنیہ پر اپنے والد ماجد کے زمانہ میں

جہاد کیا تھا۔ یزید بن معاویہؓ ہی نے انکے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ انکی قبر قسطنطنیہ کے قلعہ کی فصیل کے پاس ہے اور رومی انکی قبر پر جاکر عہد کرتے ان کی زیارت کرتے اور زمانۂ قحط میں ان کے وسیلے سے بارش کی دعائیں مانگتے تھے۔[1]

جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار لشکر امیر یزیدؒ نے حسنِ انتظام اور ذاتی شجاعت و شہامت کا ثبوت دیا اور امتیازی درجہ حاصل کیا۔ جس کی بنا پر ملت کی طرف سے "فتی العرب" (عرب کے سورما) کا خطاب پایا۔ امیر یزید ہی عرب کے پہلے شخص ہیں جنہیں یہ خطاب دیا گیا۔ امیر یزیدؒ کے اس خطاب "فتی العرب" کو تو پروفیسر ہتّی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ (صفحہ ۲۱۱ ہسٹری آف دی عربس)

امیر یزیدؒ نے متواتر کئی سال عیسائیوں کے خلاف جہادوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلادِ ایشائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بحری افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ

---

[1] یہ فتح قسطنطنیہ سے پہلے کی بات ہے۔ سیدنا ابو ایوبؓ کی تربت کی برکت ان نصاریٰ نے دیکھی تو اختلاف دین کے باوجود آپکے وسیلے سے حاجت باری کی دعائیں کیں اور حاجت ان کی دعائیں سنیں۔

معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں" (مکتوبات جلد اول صفحہ ۲۴۲-۲۵۳)

امارتِ حج

امیر یزیدؒ نے تین مرتبہ امیر حج کی حیثیت سے حج کیا اور لوگوں کو حج کرایا۔ یعنی ۵۱ھ ۵۲ھ ۵۳ھ میں۔

حج بالناس یزید بن معاویۃ فی سنۃ احدی وخمسین و ثنتین وخمسین و فی ثلاث و خمسین۔ (ج ۸ ص ۲۲۹ البدایہ والنہایہ)

یزید بن معاویہ نے ۵۱ھ و ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں لوگوں کو حج کرایا یعنی امیر حج کے فرائض ادا کئے۔

مورخ اسلام علامہ ذہبی "تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" میں بھی لکھتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے ان تین سالوں میں یعنی ۵۱ھ و ۵۲ھ اور ۵۳ھ میں امیر حج کی حیثیت سے حج ادا کئے۔ (ص ۹۱ ج ۳)

شیعی مؤرخ طبری نے بھی امیر یزیدؒ کے امیر حج ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۵۱ھ کے حالات میں لکھا ہے:-

وحج بالناس فی ھٰذہ السنۃ یزید بن معاویۃ (جلد ۶ ص ۱۴۰ طبری۔ طبع مصر)

مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے منصب امارت حج منصب جلیل تھا۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد ہی ۹ھ میں یہ منصب جلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو تفویض فرمایا۔ ۱۰ھ میں ہجرت کے بعد آپؐ نے پہلا اور اپنی حیات طیبہ کا آخری حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اس میں آپ

ہی امیرِ حج تھے۔ آپؐ کی وفات کے بعد خلفاءؓ نے بھی اسی سنت کی پیروی کی یعنی کبھی خود امیرِ حج ہوتے اور کبھی نائبین کو بھیجتے جو علم و تقویٰ اور فنِ خطابت میں شانِ امتیاز رکھتے۔ راشدین میں سے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذی النورینؓ اپنے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے، امیرِ حج کے فرائض ادا کرتے، اطراف و اکنافِ عالمِ اسلامی سے جو مسلمان حج ادا کرنے مجتمع ہوتے وہ خطباتِ امرائے حج سے مستفیض ہوتے۔ خطبہ ماثورہ کے ساتھ وقتی ضروریاتِ ملیہ پر ہدایتیں اور نصیحتیں ہوتیں۔ پھر یہ حضرات حاجیوں سے ملاقاتیں کرتے۔ ان کی حاجتیں و شکایتیں رفع کرتے۔ خلیفہ شہید مظلوم حضرت عثمانؓ کا ماہِ ذی الحجہ میں جب بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیرِ حج مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت علیؓ نے چونکہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تھا، اس لئے اپنے ایام میں نہ کوئی حج کیا اور نہ کبھی امیرِ حج کے فرائض ادا کئے اور نہ ان کی اولاد و اخلاف نے۔ الّا یہ کہ ۳۸۰ھ میں شریف ابو احمد موسوی کو بویہ کے زمانہ تسلط میں امارة الحج کا عہدہ دیا گیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ نے بروایتِ مختلفہ دو مرتبہ امیرِ حج کے فرائض ادا کئے۔ حج معاویة بالناس فی ایام خلافة مرتین (ص۱۳۳ ج البدایہ والنہایہ) پھر انکے نائبین میں سے ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ تین سال متواتر امیرِ حج رہے۔

ان تین سالوں میں سے آخری سال جب امیرِ حج کی حیثیت سے امیر یزیدؒ دمشق سے حجاز آئے۔ تو انہوں نے حضرت حسینؓ کی بھتیجی یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی نورِ دیدہ سیدہ امّ محمدؓ سے نکاح کیا (ص۶۲ جمہرة الانساب ابن حزم)

اس رشتہ کے اعتبار سے امیر یزیدؒ ان کے بھتیجے داماد، دوسرے رشتہ کے اعتبار سے حضرت حسینؓ ان کے بہنوئی ہوتے تھے۔ یعنی حضرت حسینؓ کی زوجہ اور سیدہ آمنہ والدہ علی اکبر بن الحسینؓ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی یعنی میمونہؓ بنت ابوسفیانؓ کی دختر تھیں (ص۲۵۵ جمہرة الانساب و طبری ص۱۹ ج۱۳) ان دونوں سالے بہنوئی اور خسر و داماد کے تعلقات حضرت حسین کے خروج سے پہلے تک بہت خوش گوار اور انس و محبت کے رہے۔ دیگر صحابہ و اکابرین و مجاہدین کی طرح حضرت حسینؓ نے بھی جہادِ قسطنطنیہ کے ایام میں جس کی مدت قوی آثار سے چار ماہ کی تھی، اپنے امیر عساکر کی قیادت میں پنج وقتہ نمازیں ادا کیں۔ پھر ان تین سالوں کے دوران ان کی امارتِ حج میں مناسکِ حج ادا کئے۔ ان کے خطبات سنے اور تمام حاجیوں کے ساتھ ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد سے پیشتر اور اس کے بعد بھی وہ ہر سال دمشق جاتے۔ عزیزوں کی طرح امیر المؤمنین معاویہؓ کے پاس مقیم ہوتے اور وظائف و عطایا کی بیش بہا رقوم حاصل کرتے رہے۔

ولیعہدی

اسی زمانہ میں امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی کہ امیر المؤمنین اپنی زندگی میں ولیعہدی کا انتظام کر جائیں۔ اس کیلئے انہوں نے امیر المؤمنین کے لائق فرزند یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ جہاں تک یزیدؒ کی اہلیت و قابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ مسئلے میں پیچیدگی اس خیال سے پیدا ہو رہی تھی کہ کہیں خلافت کو باپ سے بیٹے کی طرف منتقل کرنے کا رواج نہ ہو جائے اور جو کام مصلحتِ ملیہ کے تحت کیا جا رہا ہے، وہ اصول نہ بن جائے اس

لئے حضرت معاویہؓ جیسے مخلص پشتیبانِ امت یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ اس بارے میں پوری امت سے استصواب رائے نہ کریں چنانچہ اس تحریک پر غور کرنے کے لئے آپ نے یہ شرط رکھی کہ تمام ولایتوں کے نمائندے جمع ہوں اور بحث کرکے اپنا متفقہ فیصلہ دیں۔

یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی۔ عراقیوں کو بھی بلایا گیا تھا بلکہ عراقی ہی تھے جنہوں نے ولایت عہد کے لئے یزیدؒ کا نام پیش کیا۔ ان میں سے بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔ کتب تاریخ میں اس اہم فیصلہ کی بعض تفصیلات درج ہیں۔ امام ابن قتیبہ کی طرف جو کتاب غلط منسوب ہے یعنی "الامامۃ والسیاسۃ" اس میں بھی یہ تفصیلات ملتی ہیں۔ بھاری اکثریت کا فیصلہ تھا کہ امیر یزیدؒ ہی کو ولیعہد المسلمین بنایا جائے "الامامۃ والسیاسۃ" جیسی کتاب میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ امیر یزیدؒ کی صلاحیت وقابلیت اور عدالت پر کسی طرف سے نکتہ چینی کی گئی ہو

اس فیصلہ کن اجتماع کے باوجود امیر المومنین معاویہؓ پوری طرح مطمئن نہ ہوئے۔ کیونکہ آپ کو اطلاع ملی تھی کہ بعض قریش متفق نہیں ہیں۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جب سے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو مستقر بنایا تھا اور اس کے بعد دمشق کو یہ مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد حرمین شریفین کے باشندوں کا اہل حل وعقد ہونے کا وہ امتیازی حق جاتا رہا تھا جو حضرات شیخین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے عہد میں تھا۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ جب تک وہاں کے باشندے بھی

متفق نہ ہوں گے یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہ سفر ہی اس لئے اختیار کیا تھا کہ حج وزیارت کے موقع پر اس مسئلہ میں بھی یکسوئی حاصل کر لیں۔ سب لوگوں نے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور امت کے مصالح کے تحت اس کی منظوری دے دی۔ امیر المومنین یزیدؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسے استصواب ان کے لئے ہوا اس سے پہلے کسی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ اور ان کی یہ سعادت ہے کہ جمہور امت نے نہایت خوشدلی سے ان کی ولایت عہد کا استقبال کیا۔ لوگ چونکہ اس اجتماع کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے اسے بے وقعت بنانا چاہتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ امت نے یہ رائے جبر کے تحت دی اور کبھی کہتے ہیں کہ لالچ کے سبب۔ گویا امت محمدیہ جو آج بھی خوف اور لالچ سے بالا ہے وہ خیر القرون میں ان دونوں قسم کی پستیوں میں مبتلا تھی اور وہ بزرگ جنہوں نے دین قائم کرنے کے لئے جانی ومالی اور ظاہری وباطنی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ وہ سب باطل پرست ہو گئے۔ عقبہ اور شجرہ کی بیعت، بدر، احد، خندق کے غزوں نے انھیں کندن نہیں بنایا تھا دھات کا میل کر دیا تھا۔ نعوذ باللہ من سوء الظن فی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس ذیل میں روایات کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا ہے اور ایسی ایسی منتشر اور بے سروپا باتیں کہی گئی ہیں کہ کسی درجہ میں بھی واقعات سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ مثلاً طبری کی روایت میں کہا گیا ہے کہ جن پانچ قریشی حضرات نے اختلاف کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جب وہ متفق نہ ہوئے تو فرمایا کہ مجمع عام میں اگر تم میں سے کسی نے کوئی مخالفت کی

تو تمہاری خیر نہیں۔ سر اڑا دیا جائے گا۔ چنانچہ مجمع عام میں جب یہ لوگ آکر بیٹھے ایک ایک فوجی تلوار سُتے اِن کے پاس کھڑا کر دیا گیا اور حضرت معاویہؓ نے منبر پر بیٹھ کر تقریر میں کہا کہ یہ حسین بن علیؓ ہیں، یہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہیں، یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور یہ عبد اللہ بن عمرؓ ہیں اور یہ عبد اللہ بن عباسؓ ہیں اور یہ سب لوگ یزید کی ولیعہدی پر متفق ہیں۔ یہ کہہ کر منبر پر سے اُتر آئے۔ اِن قریشی حضرات میں سے کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی سب دم بخود بیٹھے رہے۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ :-

والقوم سکت لم یتکلموا شیئاً
حذرا لقتل (ج ۱ صـ۲۰۰)

یعنی یہ قریشی حضرات سب چُپ بیٹھے رہے
کسی نے کچھ نہ کہا قتل ہو جانے کے خوف سے۔

اِن لغو روایات میں جہاں حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی پر کذب بیانی کا اِلزام لگایا ہے، وہاں حضرت حسینؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور دوسرے بزرگوں کی بزدلی اور مداہنت بھی بیان کی ہے۔ معاذ اللہ!

ابن جریر طبری نے بیان کیا کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو اِس وقت زندہ بھی نہ تھے۔ اِس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اِس غلط بیانی کے علاوہ اِس روایت کی اسناد حد درجہ لغو ہیں۔ پہلا راوی تو مجہول اسم ہے "رجل بنخلہ" یعنی مقام نخلہ میں ایک شخص نے یہ روایت بیان کی۔ اس نا معلوم الاسم نے جس شخص سے یہ روایت بیان کی اِس کا نام طبری نے "ابو عون" لکھا ہے۔ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں اس کو "مجہول" بتایا ہے (ج ۳ صـ۳۹۴) اِس ابن عون یا ابو عون نے اسمٰعیل بن

ابراہیم سے اور اس نے یعقوب بن ابراہیم سے یہ وضعی روایت بیان کی یہ دونوں بھی ضعیف و کثیر الغلط ہیں غرضکہ اسناد کے اعتبار سے یہ روایت حد درجہ غیر معتبر اور وضعی ہے[1] ان لغو بیانیوں سے یہ لوگ جو باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یوں بھی بے قیمت قرار پاتی ہیں۔ کیونکہ۔

(۱) فیصلہ سے پہلے موافق و مخالف جو بھی گفتگو ہو وہ فیصلے کے بعد خود بخود کالعدم ہو جاتی ہے اور اس سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز ناطق ہے وہ اکثریت کا فیصلہ ہے، موافق ہو یا مخالف۔

(۲) کسی شخص کی طرف ایسی کسی بات کی نسبت باطل ہے جو اس کے عملِ متواتر کے خلاف ہو۔

(۳) ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں کے فیصلے کے مقابلے میں چند نفوس کا اختلاف کوئی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] اس روایت کے وضع کرنے والے احمق نے اتنا نہ سوچا کہ اگر ان میں سے کوئی بزرگ جان پر کھیل جاتے اور قتل کر دیئے جاتے تو اس سے رائے عامہ مشتعل ہوتی یا نئے کرات پیہ پانی پھر جاتا اور وہ ہنگامہ ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا تو حضرت معاویہؓ کو ان لوگوں کی بزدلی کا یقین تھا اس لئے انہوں نے یہ ترکیب کی یا پھر اتنے عقل سے بیگانہ تھے کہ ادنیٰ صاحب سیاست بھی جو خطرہ مول نہیں لے سکتا وہ انہوں نے مول لے لیا۔ افسوس کہ گمراہ لوگ خاصانِ خدا کے متعلق کیسے لغو جذبات رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ ایسا کوئی واقعہ ہوا اور نہ اس کا امکان تھا۔

بڑا اور محترم کوئی فردِ بشر نہیں۔ امام کی حیثیت سے آپ نے متعدد امور میں اپنی رائے کے خلاف اکثریت کی رائے اختیار کی ہے۔ مثلاً غزوۂ اُحد میں آپ کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں مورچہ بنا کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ یہی رائے حضرت صدیق اکبرؓ کی تھی مگر جو نوجوان شوقِ جہاد و شہادت میں سرشار تھے اور بعض دوسرے حضرات، وہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ صاحبِ وحی نبیؐ نے جو عیاناً مآل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اکثریت کی رائے کی پیروی کی۔ کیا اس کے بعد بھی کسی شخص کو یہ حیثیت دی جا سکتی ہے کہ اُمت کی اکثریت کے فیصلے اور عمل کے خلاف اس کی رائے کو حق اور اکثریت کی رائے کو باطل قرار دے دیا جائے؟

کتبِ تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھا جا سکتا ہے کہ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد کے فیصلے کے بعد یہ سب حضرات خاص کر حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، بدستورِ سابق ہر سال امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق جاتے عزیزوں کی طرح ان کے پاس مقیم رہتے اور وظائف و عطایا کی گرانقدر رقوم حاصل کر کے واپس آتے۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف اختلاف کرنے کی نسبت باطل ہے۔ آپ کا موقف ظاہر و باہر ہے۔ حتیٰ کہ امیر یزیدؒ کی علمی قابلیت اور نیکوکاری کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتے تھے۔ رہے حضرت حسین بن علیؓ تو یا تو انہوں نے بھی ولیعہدی کی بیعت کر لی تھی۔ جیسا کہ ان کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہؓ کی وفات تک ہر سال دمشق جاتے تھے۔ یا اگر اختلاف تھا بھی تو اختلافِ رائے کی حد تک تھا۔

ولایتِ عہد کے سلسلے میں کذابین نے یہ فضا پیدا کی ہے گویا اس وقت

صحابہ کرام میں صرف یہ پانچ بزرگ ذی حیثیت تھے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (متوفی ۵۳ھ) عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حسین بن علیؓ ان کے علاوہ باقی سب اُمت عوام الناس پر مشتمل تھی، حالانکہ اس زمانہ میں اور بھی بلند اور ممتاز ہستیاں اصحابِ بیعتِ عقبہ عشرہ مبشرہ، اصحابِ بدر، اصحابِ بیعتِ رضوان اور دیگر معمر صحابہؓ کی موجود تھیں۔

راقم الحروف نے اپنی مبسوط تالیف میں ایسے ڈھائی سو صحابہ کرامؓ کا مختصر تذکرہ لکھا ہے جو امیر یزیدؒ کے ولایتِ عہد اور زمانۂ خلافت بلکہ بعض اس کے بعد تک بقیدِ حیات تھے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی مطلق کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ اِن جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں حضرت حسینؓ اور حضرت ابن الزبیرؓ کے اختلاف کا کیا مقام تھا۔ اور کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کیا مقام متعین کیا جا سکتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ تو بیعتِ خلافت سے سات سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ نے بطیبِ خاطر بیعت کی تھی اور اس پر مستقیم رہے تھے۔ باقی رہے حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ تو کیا اِن حضرات کا اجتہاد ایسا وقیع ہو سکتا ہے کہ اجلۂ صحابہ کرام کے موقف پر غالب سمجھا جائے؟

اہلِ علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفاتِ نبوی کے وقت ۵ برس کے قریب تھی اور ابن الزبیرؓ کی نو دس برس کی۔ اِس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کر لیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلے میں اِن حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا۔ جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیسیوں برس گذارے

اور دین قائم کرنے میں آپ کے زیرِ تربیت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی قربانیاں دیں تا آنکہ بارگاہِ خداوندی سے اُنھیں بشارت مل گئی کہ وہ سب خلاصۂ کائنات اور خیر الاُمم ہیں۔

ابنِ خلدون نے اپنے مشہورِ آفاق "مقدمہ" میں ولایت العہد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"تمام صحابۂ کرام ولی عہدی کے جواز پر متفق تھے اور اجماع جیسا کہ معلوم ہے .... کہ حجتِ شرعی ہے پس امام اِس معاملہ میں متہم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ یہ کارروائی اپنے باپ یا بیٹے کے حق میں کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ جب اس کی خیر اندیشی پر اس کی زندگی میں اعتماد ہے تو موت کے بعد تو بدرجہ اولےٰ اُس پر کوئی الزام نہیں آنا چاہیئے بعض لوگوں کی رائے ہے کہ باپ اور بیٹے کو ولیعہد بنانے میں امام کی نیت پر شبہ کیا جا سکتا ہے اور بعض صرف بیٹے کے حق میں رائے رکھتے ہیں مگر ہمیں ان دونوں سے اختلاف ہے۔ ہماری رائے میں کسی صورت میں بھی امام سے بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ہے خاص کر ایسے مواقع پر کہ جہاں ضرورت اِس کی داعی ہو، مثلاً کسی مصلحت کا تحفظ یا کسی مفسدہ کا ازالہ اس میں مضمر ہو تب تو کسی طرح کے سوءِ ظن کی کوئی وجہ ہی نہیں جیسے کہ حضرت معاویہؓ کا اپنے فرزند کو ولی عہد بنانے کا واقعہ ہے۔ اوّلاً تو حضرت معاویہؓ کا لوگوں کے عمومی اتفاق کے ساتھ ایسا کرنا اس باب میں بجائے خود ایک حجت ہے

اور پھر اُنھیں متہم یوں بھی نہیں کیا جا سکتا، کہ ان کے پیشِ نظر یزیدؔ کو ترجیح دینے کے بجُز اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اُمت میں اتحاد اور اتفاق قائم رہے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اہلِ حَلّ و عقد صرف یزیدؔ ہی کو ولیعہد بنانے پر متفق ہو سکتے تھے کیونکہ وہ عموماً بنی اُمیہ میں سے تھے اور بنی اُمیہ اس وقت اپنے میں سے باہر کسی اور کی خلافت پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ اِس وقت قریش کا سب سے بڑا اور طاقت ور گروہ ان ہی کا تھا اور قریش کی عصبیت سارے عرب میں سب سے زیادہ تھی۔ ان نزاکتوں کے پیشِ نظر حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولیعہدی کے لئے اِن لوگوں پر ترجیح دی جو اُس سے زیادہ مستحق سمجھے جا سکتے تھے۔ افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کیا تاکہ مسلمانوں میں جمعیت اور اتفاق رہے جس کی شارع کے نزدیک بیحد اہمیت ہے۔ قطع نظر اس کے حضرت معاویہؓ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ آپکی صحابیت اور صحابیت کا لازمہ عدالت ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔ اور پھر آپ کے اِس فعل کے وقت سینکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اُس پر ان کا سکوت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس امر میں حضرت معاویہؓ کی نیک نیتی مشکوک نہیں تھی کیونکہ یہ صحابۂ کرام حق کے معاملہ میں چشم پوشی اور نرمی کے کسی طرح بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ قبولِ حق میں حُبِّ جاہ اُن کے آڑے آجاتی۔ یہ سب

اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوری سے یقیناً
مانع ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۵-۱۷۶ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اور مؤرخ اسلام علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام
وطبقات المشاہیر والاعلام ص۹۲ و دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ
نے امیر یزیدؒ کی بیعت ولایت عہد کی تکمیل پر یہ دعا مانگی۔

اللھم ان کنت تعلم انی ولیتہ
لانہ فیما ارا٥ اھل لذلک
فاتمم لہ ما ولیتہ وان کنت
ولیتہ لانی احبہ فلا تتمم
لہ ما ولیتہ۔

(ص۸ ج۸ - البدایہ والنہایہ)

خداوند کریم آپ جانتے ہیں اگر میں نے
اس کو (یزید) کو اس لئے ولیعہد کیا ہے
کہ وہ اس کا اہل ہے تو اس کی ولیعہدی
کو پورا کیجیو اور اگر میں نے اس کی
محبت کی وجہ سے ولیعہد کیا ہو تو اس کی
ولیعہدی کو پورا نہ ہونے دیجیو۔

الغرض امیر یزیدؒ کا ولی عہد اور اس کے بعد خلیفہ منتخب ہونا۔ پوری امت
کی رضامندی سے ہوا تھا۔ یہ رضامندی مصلحتِ ملیہ کے تقاضہ کی بنا پر تھی
نہ کسی خوف کے تحت اور نہ لالچ کی وجہ سے۔ ان کا انتخاب کسی اندرونی اختلال
کا ثمرہ اور وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ اُمت کے بہترین زمانہ میں جب کہ جذبات میں کوئی
ہیجان نہ تھا، جملہ صحابہ کرامؓ کی تحریک و تائید سے ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے رفقاء اور آپ کے آل البیت اس پر مستقیم رہے۔

عالم اسلامی کے ہر ہر علاقہ میں لوگوں نے بلا کسی اختلاف کے بیعت کی

تھی اور ہر جگہ کے وفود تو کید بیعت کے لئے امیر یزیدؒ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔

فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد ووفدت الوفود من
سائر الاقالیم الی یزید (ص۸۰ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں
لی گئی تھی کہ مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لئے وفود آئے ہوں اور ہر
علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو
اپنی صلاحیتوں اور خدماتِ ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا۔

کردار خلیفہ یزیدؒ

ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسولِ اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی۔ امیر
یزیدؒ کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہ آئی تھی جس کی وجہ سے عقد
بیعتِ خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج و مخالفت کا جواز
نکالا جا سکے۔

رجب ۶۰ھ میں جس وقت امیر المؤمنین معاویہؓ کی وفات کی خبر مکہ
معظمہ آئی، حضرت حسینؓ کے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں موجود تھے۔ مؤرخ
بلاذری نے المدائنی کی سند سے حضرت عامر بن مسعود الجمحیؓ صحابی کی یہ روایت نقل
کی ہے کہ وفات کی خبر سنکر ہم لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے اُس وقت اُن
کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے:-

فقمنا ابا العباس جاء المبرید
بموت معاویۃ فوجم طویلاً ثم قال

پھر ہم نے اُن سے کہا کہ اے ابو العباس! قاصد
موتِ معاویہ کی خبر لایا ہے (یہ سنکر) وہ دیر

اللّٰھم اوسع لمعاویۃ اما واللہ ما
کان مثل من قبل ولا یاتی بعدہ
مثلہ وان ابنہ یزید لمن صالحی
اھلہ فالزموا مجالسکم واعطوا
طاعتکم وبیعتکم قال فبینا
نحن کذالک اذا جاء رسول
خالد بن العاص وھو علی
مکۃ یدعوہ للبیعۃ۔ فمضی
فبایع۔
(ص۷۲ الجزء الرابع قسم ثانی
کتاب انساب والاشراف
بلاذری مطبوعہ یروشلم)

تک خاموش رہے پھر دعا مانگی کہ الٰہی
معاویہ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو واللہ وہ ان
لوگوں کی مثل تو نہ تھے جو ان سے پہلے
گزر گئے لیکن ان کے بعد کوئی ان کے
مثل بھی آنے والا نہیں اور ان کے
فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں
میں ہیں تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا
اور اطاعت کرنا اور بیعت کرنا...
(حضرت عامر نے) کہا کہ اسی طرح ہم
ان کے (ابن عباسؓ) کے پاس تھے کہ
خالد بن العاص کا جو اس وقت مکہ کے
حاکم تھے قاصد آیا ان کو (ابن عباسؓ) کو
بیعت کے لئے بلایا وہ گئے اور بیعت کی۔

محدث بلاذری کی مندرجہ بالا روایت کو الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مرتب نے
بتغیر الفاظ لکھا ہے، راوی کا نام بھی عامر بن مسعود الجمحی کے بجائے "عقبہ بن مسعود"
تحریر کیا ہے، روایت میں بیان کیا ہے کہ جب راوی نے حضرت معاویہؓ کی وفات کی
خبر حضرت عبداللہ بن عباس کو جا کر سنائی ہے اس وقت وہ کھانا تناول کرنے
کے لئے چند مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ خبر وفات سنتے ہی دسترخوان اٹھوا دیا
اور کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا۔

اما واللہ ما کان کمن قبلہ ولما
یکن بعدہ مثلہ اللّٰھم انت
اوسع لمعاویۃ فینا وفی بنی
عمنا ھولاء لذی لب معتبر
اشتجرنا بیننا فقتل صاحبھم
غیرنا وقتل صاحبنا غیرھم
وما اغراھم بنا الا انھم
لا یجدون مثلنا وما اغرانا
بھم الا انا لا نجد مثلھم
وواللہ ان ابنہ لخیر اھلہ
اعد طعامک یا غلام! فلما
جاء رسول خالد بن الحکم
الی ابن عباسؓ ان انطلق
فبایع۔
(ص۳۱۳ ج طبع اولی ۱۹۳۶ء)

لیکن واللہ وہ (معاویہؓ) ان لوگوں جیسے
تو نہ تھے جو ان سے پہلے گذر گئے مگر ان کے
بعد ان جیسا بھی یقیناً کوئی نہیں۔ یا
اللہ معاویہؓ پر اپنی رحمت وسیع کیجیو۔
ہم میں اور ہمارے چچا کے بیٹوں (بنو عم یعنی
بنی امیہ) میں وہ بڑے ذی رتبت و دانشور
تھے ان میں اور ہم میں جھگڑا تھا بھی ہاں
ان کے صاحب (یعنی عثمانؓ) کو ہمارے
کسی غیر نے قتل کیا اور ہمارے صاحب
(یعنی علیؓ) کو ان کے کسی غیر نے —
اگرچہ ہم سے ان کی چشمک تھی مگر ہم جیسا
وہ نہ پائیں گے اور نہ ان جیسا ہم پا سکیں
گے۔ اور واللہ ان کا فرزند (یعنی
یزید) یقیناً اپنے خاندان میں نجیب اور
اچھا فرزند ہے۔ ارے غلام کھانا لاؤ۔
دسترخوان جب اٹھا دیا گیا خالد بن الحکم
(حاکم مدینہ) کا قاصد حضرت ابن عباسؓ
کے پاس آیا کہ چلئے (آپ گئے) اور
بیعت کی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مع دیگر اعیان بنی ہاشم کے سالہا سال تک بلاناغہ دمشق جاتے۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس انہیں مقیم رہتے۔ اس طرح امیر یزیدؒ کے حالات و کردار سے بخوبی واقف تھے، وہ اپنی اس ذاتی واقفیت سے انہوں نے امیر موصوف کو صالح و نیکوکار بتایا۔ بلا تامل و بطیب خاطر خود بیعت کی اور دوسروں کو بھی اطاعت و بیعت کی ترغیب دی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے صاحبزادہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے جو اپنے علم و فضل میں شانِ امتیاز رکھتے تھے امیر یزیدؒ کے پاس مقیم رہے تھے۔ ان کے حالات سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی امیر یزیدؒ کی نیکوکاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنے کا ذکر ان الفاظ میں کیا تھا:

وقد حضرته (یزید) واقمت عندہ فرایتہ مواظبًا علی الصلوٰۃ متحریًا للخیر یسأل عن الفقہ ملازمًا للسنۃ۔ (ص۲۲۳ ج البدایہ والنہایہ)

میں ان کے (یزیدؒ کے) پاس گیا ہوں اور ان کے پاس مقیم رہا ہوں۔ ان کو نماز کی پابندی کرنے والا، نیک کاموں میں سرگرم رہا، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور سنت نبویؐ کی پیروی کرنے والا پایا ہے۔

مجالس علمی

اپنے زمانہ خلافت میں امیر یزیدؒ ہمیشہ جامع مسجد دمشق میں نماز پڑھاتے۔ خاص کر امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے جمعہ و عیدین کی نمازوں کی تو ظاہر ہے کہ خود امامت کرتے اور بعد ادائے نماز وہیں مجلسِ علمی منعقد کرتے، فقہ و احادیث کے علاوہ، علم الانساب میں ان کو خاص مہارت تھی ایک مرتبہ بنو قضاعہ کا ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے قبیلے کے

بعض لیڈر اپنے قبیلے کا انتساب معد بن عدنان سے کرنے لگے تھے۔ وفد کو اس نظریہ سے اختلاف تھا اس لئے وہ اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے خلیفۂ وقت کی خدمت میں بادیہ شام سے حاضر ہوئے جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت امیر یزیدؒ مسجد دمشق میں بعد فراغت نماز مجلسِ علمی منعقد کر رہے تھے۔ یہ وفد وہیں پہونچا۔ صاحب منتخبات تاریخ الیمن نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

فلما بلغ ذالک قضاعۃ غضبوا شدیدًا ما انکروا ذالک اشد الانکار فحشدوا واجتمعوا ثم دخلوا مسجد دمشق یوم الجمعۃ علی یزید۔ (ص۴۸ مطبوعہ بریل لیڈن)

جب اس کا (یعنی غلط انتساب کا) حال قضاعہ کو معلوم ہوا، ان کو شدید غیظ و غضب پیدا ہوا اور اس کا سختی کے ساتھ انکار کیا۔ پھر یہ لوگ اجتماع کئے ہوئے اور جمعہ کے دن مسجد دمشق میں یزیدؒ کے پاس پہنچے۔

روایتِ حدیث

امیر یزیدؒ کبار تابعین میں تھے۔ اپنے محترم والد ماجد کے علاوہ بعض اجلہ صحابہ سے فیضِ صحبت اٹھایا۔ یعنی حضرت دحیہ الکلبیؓ سے جو جلیل القدر صحابی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر بھی رہے تھے۔ ان کی حقیقی بہن سیدہ شرفت بنت خلیفہ سے آپ نے نکاح بھی کیا تھا۔ اور وہ امیر یزیدؒ کے رشتہ میں ماموں بھی ہوتے تھے۔ نیز حضرت ابوالدرداءؓ اور حب رسول اللہ اسامہ بن زیدؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے استفادہ کیا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دوسرے صحابہؓ اور اپنے والد ماجد سے حدیث کی روایت کی۔ امیر یزیدؒ سے ان کے صاحبزادوں نیز امیر المومنین عبدالملک بن مروان وغیرہ نے روایت کی ہے۔

وقد ذکرہ ابوزرعۃ الدمشقی فی الطبقۃ التی تلی الصحابۃ وہی العلیا وقال لہ احادیث
(ص ۲۲۷ ج البدایہ والنہایہ)

اور ان کا (یزید کا) تذکرہ (محدث) ابوزرعہ دمشقی نے اس طبقہ (رعایانِ حدیث) میں کیا ہے جو صحابہؓ کے بعد ہی آتے ہیں اور یہ مقام بلند ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی (یزیدؒ) مرویات سے احادیث ہیں۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جن کو وہ "احد الثقات" یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قول اپنے ہی طرح کے ایک اور "ثقہ" راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ کوئی شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزیدؒ کا ذکر اس نے "امیر المومنین" کہہ کر کیا تھا۔ مگر ان "ثقہ" راویوں کی روایت کا جو سب کے سب مجہول الحال ہیں۔ اندازہ خلیفہ موصوف ہی کے عمل اور قول سے ہو جاتا ہے جو ان ہی ابن حجر عسقلانی نے اپنی دوسری تالیف لسان المیزان میں نقل کیا ہے یعنی

وقال ابن شوذب سمعت ابراہیم بن ابی عبلۃ یقول سمعت عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویۃ۔
(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۳)

اور ابن شوذب نے بیان کیا کہ میں نے ابراہیم بن ابی عبلہ سے یہ بات سنی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو یزید بن معاویہؓ پر رحمۃ اللہ علیہ کہتے سنا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن شوذب الخراسانی متوفی ۱۵۶ھ جو عام طور سے

ابن شوذب کہلاتے تھے۔ بڑے پائے کے ثقہ راوی ہیں۔ بخاری میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ ابن معین ونسائی وابن حبان سب ہی نے ان کو ثقہ وصدوق بتایا ہے برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحییٰ بن عبدالملک ونوفل بن ابی عقرب کے جو مجہول الحال ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص ۵۶۹) میں ابراہیم بن میسرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کو کسی انسان کو مارتے پیٹتے نہیں دیکھا سوائے ایک شخص کے جس نے (حضرت) معاویہؓ کی بدگوئی کی تھی۔ خلیفہ موصوف نے اس کے کوڑے لگوائے تھے۔ بات کیا تھی، مکذبین نے کیا سے کیا بنادی۔ تہذیب التہذیب میں ان ہی ابن حجرؒ نے امیر موصوف کے فرزند عبدالرحمٰن کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان کو "فی الثقات" یعنے ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد (امیر یزیدؒ) سے روایت حدیث کی کی ہے۔ بیٹا تو ثقہ اور باپ جس سے روایت ہے وہ غیر ثقہ۔ این چہ بوالعجبی است۔

مراسیل ابوداؤد میں ان کی مرویات ہیں۔ امیر یزیدؒ سے انکے صاحبزادوں یعنی معاویہ وعبدالرحمٰن اور خالد نے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ محدثین نے ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کو صالحین میں شمار کیا ہے محدث مصعب الزبیری نے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کے بارے میں کہا ہے "کان رجلاً صالحاً" (تہذیب) اسی طرح محدث ابوزرعہ ان تینوں فرزندانِ امیر یزیدؒ کے بارے میں فرماتے ہیں "کانوا صالحی القوم" یعنی یہ لوگ امت کے صالحین میں سے تھے (تہذیب التہذیب) امیر یزیدؒ نے زمانہ طالب علمی ہی سے احادیث نبویؐ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس

علم میں ان کو بصیرتِ خاص حاصل تھی۔ اس زمانہ کا ایک دلچسپ واقعہ مورخین نے لکھا ہے جس کو علامہ ابنِ کثیرؒ کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

وفی روایۃ ان یزید لما قال له ابوه: سلنی حاجتک قال له یزید: اعتقنی من النار اعتق الله رقبتک منها، قال، وکیف؟ قال: لانی وجدت فی الآثار انه من تقلد امر الامة ثلاثة ایام حرمه الله علی النار[1]

(ص۲۲۶ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

اور روایت میں ہے کہ یزیدؒ سے جب انکے والد نے کہا کہ جو بات و خواہش تمہاری ہو، مجھ سے کہو تو یزیدؒ نے ان سے کہا کہ مجھے نار (دوزخ) سے بچا لیجئے اللہ تعالےٰ آپ کی گردن کو اس سے آزاد رکھے (معاویہؓ) نے پوچھا وہ کیونکر؟ (یزیدؒ نے) کہا: میں نے احادیث میں پایا ہے کہ جس کو تین دن کے لئے بھی اُمّت کا امر (خلافت) سونپا جائے اللہ تعالےٰ اسے نار (دوزخ) کو حرام فرمائے گا

یہ حدیث بھی امیر یزیدؒ نے اپنے والد ماجد حضرت معاویہؓ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین۔

یعنی اللہ تعالےٰ جس کو بھلائی پہنچانا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

خود ان کو علومِ دین میں یہ سمجھ اللہ تعالےٰ نے عنایت کی تھی۔ حدیث و فقہ سے واقفیت کے علاوہ اچھے قاری تھے - الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے بھی لکھا ہے

---

[1] امتِ محمدیہ کی حرمت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی تقریر میں امیر یزیدؒ کی علمی فضیلت اور قراءۃ قرآن کا بھی ذکر کیا تھا۔ ثم ذکر یزید وفضله وقراءته القرآن (ج۱ ص۱۹۸)

پھر اس غالی مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی تقریر میں یزیدؒ پر اپنی برتری ثابت کرنے کی غرض سے اپنی پدری و مادری اور ذاتی فضیلت کا ذکر چھیڑا تو حضرت معاویہؓ نے اس پر فرمایا تھا کہ تمہاری والدہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی فضیلت کا کیا کہنا۔ یزید کی ماں کو ان سے نسبت ہی کیا ہے البتہ تمہارے والد اور یزید کے باپ کے معاملہ میں تو اللہ تعالےٰ نے یزید کے باپ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ اپنی ذاتی فضیلت کا جو ذکر کرتے ہو تو قسم بخدا اُمّتِ محمدیہ کے (سیاسی مسائل و معاملات) کیلئے یزید تم سے بہتر ہے (وا ما ذکرت من انک خیر من یزید نفساً فیزید والله خیر لامة محمد منک)

(ج۱ ص۱۹۸)

امیر یزیدؒ نے نہ صرف حربی مہموں اور جہادوں میں نمایاں حصہ سالہا سال تک لیا بلکہ سیاسی معاملات اور کاروبارِ سلطنت و خلافت کا عملی تجربہ بھی حاصل کیا تھا۔ یہ روایت اگر صحیح ہے تو حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا ذکر کیا ہو گا۔

خطباتِ جمعہ و عیدین

امام شہاب الدین معروف بہ ابن عبدربہ متوفی ۳۲۸ھ نے اپنی مشہور کتاب العقد الفرید (ص۲۱۵ - ۲۵۶ ج۲) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے بعد حضرت ابوبکر الصدیقؓ و عمر الفاروقؓ و علی المرتضیٰؓ اور امیر معاویہؓ کے خطبات درج کئے ہیں ان ہی خطبات کے ساتھ امیر یزیدؒ کے چند خطبے بھی شامل کئے ہیں جو امیر المؤمنین

کی حیثیت میں دیئے تھے۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ امیر موصوف کو قرآن حفظ تھا۔ خطبہ دیتے ہوئے کلام اللہ سے آیتیں ہی نہیں رکوع اور سورتیں تلاوت کرتے اور سامعین کے قلوب کو گرماتے۔ اس عہد میں زر و مال کی بہتات تھی اس لئے ضروری تھا کہ امیر المومنین لوگوں کو عیش پرستی سے اجتناب پر نصیحتیں کریں صاحب العقد الفرید نے ان کے ایک خطبہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

خطبہ امیر المؤمنین یزیدؒ

الحمد لله احمده واستعینه و
اومن به واتوکل علیه ونعوذ بالله
من شرور انفسنا ومن سیئات
اعمالنا، من یهد الله فلا مضل
له ومن یضلل فلا هادی له
واشهد ان لا اله الا الله وحده
لاشریك له وان محمداً عبده
ورسوله اصطفاه لوحیه واختاره
لرسالته بکتاب فضله فضله
واعزه واکرمه ونصره وحفظه
ضرب فیه الامثال وحلل فیه
الحلال، وحرم فیه الحرام

سب تعریف اللہ کے لئے ہے اسی کی میں حمد کرتا
ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اسی پر
ایمان لایا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں
اور اپنے نفسوں کی شرارت اور برے اعمال سے
پناہ مانگتا ہوں جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی
ہدایت دینے والا نہیں اور جسے ہدایت دے
اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں میں گواہی
دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں
ہے وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں
اور تحقیق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے
بندے اور رسول ہیں۔ اپنی وحی کے لئے اللہ
نے انہیں منتخب کیا اور اپنی رسالت اور اپنی

وشرع فیه الدین اعذارا
وانذارا، لئلا یکون للناس
علی الله حجة بعد الرسل
ویکون بلاغاً لقوم عابدین
اوصیکم عبادی الله بتقوی
الله العظیم الذی ابتداء
الامور بعلمه، والیه یصیر
معادها، وانقطاع من تما
وتصرم دارها، ثم انی
احذرکم الدنیا فانها
حلوة خضرة، حفت بالشهوات
وراقت بالقلیل، وانبحت
بالفانی، وتحببت بالعاجل
لا یدوم نعیمها ولا یومن
فجیعها، اکالة غوالة غرارة
لا تبقی علی حال، لا یبقی
لها حال، لن تعدو الدنیا
اذا تناهت الی امنیة
اهل الرغبة فیها، والرضا بها،

کتاب اور اپنے فضل کے لئے انہیں اختیار کیا
انہیں معزز و مکرم کیا۔ ان کی مدد کی اور ان
کی حفاظت کی۔ اس کتاب (قرآن) میں
مثالیں بیان فرمائیں۔ حلال و حرام کو واضح
کیا، دین کے شرائع بیان کئے، اعذار و انذار
کئے تاکہ لوگوں کو رسولوں کے بعد کوئی حجت
نہ رہے اور قوم عابدین تک یہ کتاب پہونچے
اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خدائے
بزرگ و برتر سے تقوے کی وصیت کرتا ہوں
جس نے اپنے علم سے امور کی ابتدا فرمائی
اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ میں تمہیں
دنیا سے ڈراتا ہوں، دنیا دیکھنے میں سرسبز
ہے اور مزے میں شیریں، خواہشوں سے ملو
ہے، تھوڑے پر قناعت نہیں کرتی، فانی
چیزوں سے انس رکھتی ہے اور جلد بازی
سے محبت کرتی ہے۔ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں
رہیں گی۔ اس کے حوادث سے امن نہیں۔
دنیا موذی، ڈائن، زیب دینے والی کو
ایک حال پر قرار نہیں۔ دنیا سے رغبت

ان تكون كما قال الله عز وجل: واضرب لهم مثل الحيوٰة الدنيا كما انزلنا من السماء . . . . (الى قوله) مقتدراً ونسأل ربنا والهنا وخالقنا ومولانا ان يجعلنا وإياكم من فزع يومئذ آمنين، ان احسن الحديث وابلغ الموعظة كتاب الله يقول الله به۔

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون"۔ اعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم: "لقد جاءكم رسول من انفسكم ---- الى آخر السورة)

رکھنے والوں کے ساتھ دنیا باقی نہیں رہتی اور نہ اُن سے راضی رہتی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:۔ "اور آپ (اے پیغمبر) ان لوگوں سے دنیاوی زندگی کی حالت بیان فرما دیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو پھر اس کے ذریعہ سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی ہو پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے کہ اس کو ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالےٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں"۔

ہم اپنے رب سے التجا کرتے ہیں اپنے معبود سے اپنے خالق سے زاری کرتے ہیں اے ہمارے مولےٰ ہمیں اس دن (قیامت) کے خوف سے امن دے (لوگو!) بہترین کتاب اور اعلےٰ نصیحت کی کتاب، کتاب اللہ ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

(اس کے بعد) اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

(العقد الفرید صفحہ ۳۷۲ طبع مصر ۱۳۵۳ھ)

اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بعد سورۂ انفعال کے نویں پارے کی آیات تلاوت کرکے تفسیر بیان فرمائی اور سامعین کو نصیحتیں کیں۔

لقب الخطیب الاشدق

امیر یزیدؒ خطبائے قریش میں امتیازی شان رکھتے تھے "الخطیب الاشدقؒ" لقب پڑ گیا تھا۔

یعنی برجستہ اور زور کی تقریر کرنے والے کسی نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ ابلغ الناس کون ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سائل نے کہا سوال یہ نہیں تھا۔ یہ بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قریش میں کون بڑا خطیب ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا معاویۃ وابنہ (ص۲۲۲ البیان والتبیین للجاحظ) یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند یزیدؒ۔ نیز دونام اور بھی لئے - ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ نے لکھا ہے:۔

كان يزيد بن معاوية خطيباً شاعراً۔ وكان اعرابي اللسان بدوي اللهجة[1]۔

یزید بن معاویہ خطیب اور شاعر تھا زبان اعرابی اور لہجہ بدوی تھا۔ (ص۸۲۴-۸۲۵ ج۴)

۴۹ھ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ دمشق میں امیر المومنین معاویہؓ کے پاس مقیم تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ کی وفات کی خبر پہنچی۔ حضرت معاویہؓ نے اس سانحہ پہ حضرت ابن عباسؓ سے خود بھی تعزیت کی۔ جس کو شیعہ راویوں نے مسخ

---

[1] عربی زبان کی چاشنی انہی دونوں باتوں سے ہے۔

کرکے لکھا ہے۔ پھر امیر یزیدؒ بھی تعزیت کے لئے آئے اور ایسے بلیغ اور جامع الفاظ میں تعزیت کے کلمات ادا کئے کہ حضرت ابن عباسؓ کو ان کی لیاقت پر استعجاب ہوا جب امیر یزیدؒ ان کے پاس سے اُٹھ گئے۔ تو ابن عباسؓ نے جو کچھ فرمایا علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے :-

فلما نهض يزيد من عنده قال ابن عباس: اذا ذهب بنو حرب ذهب علماء الناس
(ص۲۲۹ ج۸ البداية والنهاية)

جب یزید ان کے پاس سے اٹھ گئے تو ابن عباسؓ نے فرمایا: بنو حرب (یزید کے پردادا کا نام حرب تھا) اُٹھ گئے تو علماء الناس (لوگوں کے عالم) اُٹھ جائیں گے۔

خصائل محمودہ

علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری، پابندی صوم و صلوٰۃ کے ساتھ امیر یزیدؒ حد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع سنجیدہ و متین تھے۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرا، اپنی (زیردست) رعایا کے محبوب، تزک و احتشامِ شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص۱۱۶۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرأي في الملك وكان ذا جمال حسن المعاشرة [1]
(ص ۲۲۰ ج۸ البداية والنهاية وتاريخ الاسلام ذهبي ص ۹۲ ج ۳)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت، شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت تھے۔

حکمرانی کا مطمح نظر

حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمتِ خلق تھا۔ اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل و مطمح نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ طرزِ حکومت و سیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المومنین معاویہؓ نے یزید سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کرو گے اگر تمہیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے مع حضرت معاویہؓ کے ریمارک کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

قال (يزيد) كنت والله يا ابت

یزید نے کہا کہ واللہ اے آباجان (حضرت)

---

[1] اس عبارت کے بعد ہی لفظ "ایضاً" کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دیئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر موصوف کی پابندیٔ نماز و اتباعِ سنت کا حال بیان کیا ہے مثلاً برادر حسینؓ محمد بن الحنفیہ وغیرہم جو دوسری جگہ درج ہے۔

عاملاً فیھم عمل عمر بن الخطابؓ فقال معاویۃ: سبحان اللہ یابنی واللہ لقد جھدتُ علی سیرۃ عثمانؓ بن عفان فما اطقتھا فکیف بک و سیرۃ عمرؓ۔

عمر بن خطابؓ نے جو عمل (امت کے ساتھ) کیا میں بھی اُن کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر (حضرت) معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر نہ کر سکا۔ پھر کہاں تم اور سیرت عمرؓ کی پیروی!

امیر یزیدؒ کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروقِ اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ طرزِ معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا۔ حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا، دوسروں کو دریا دلی سے دیتے۔ مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد و عباد اُمت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابو الدرداءؓ جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ اُنہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادمہ موجود ہو۔ پھر اُنہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے اور اُنہوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو تو انکار ہو گیا اب میں پیام دوں؟۔

(کتاب الزہد: امام احمد بن حنبل ص۱۴۳)

اِس وقت کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد و عباد اُمت تھے۔ علماء و فضلاء تھے۔ خدا پرست و شیدائیانِ علم تھے۔ اِن ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا جو اس زمانہ میں .... مدون ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صاحب عالم تھے۔ خاص کر علامہ خالد بن یزیدؒ جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دار الترجمہ قائم کیا خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌّ لابیہ۔ اولاد میں علم و فضل کے حصول کی اِس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسولؐ کی آوازیں آتیں نہ بقول کذابین غنا و موسیقی کی۔

سیرت یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ

قاضی ابی بکر بن عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص۲۳۲) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اِس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:۔

وھذا یدل علی عظیم منزلۃ (اے یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی بقولھم

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ انکے (امام احمدؒ) کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ کی) عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو اُن زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے

ويرعوى من وعظهم، ونحن وما ادخله الى فى جملة الصحابه قبل ان يخرج الى ذكر التابعين فاين هذا من ذكر المورخين له فى الخمر وانواع الفجور الا تستحيون؟ [1]

(ص ۲۳۳)

جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور ہاں انہوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرے کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مورخین کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی -

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابو الحسن علی الکیا الہراسی متوفی ۵۰۴ھ کے ایک استفتاء کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ويزيد صح اسلامه وما صح قتل الحسينؓ ولا أمرهٔ به ولا رضى ومهما لا يصح ذلك منه لا يجوز ان يظن ذلك به فان

اور یزیدؒ صحیح الاسلام تھا اور یہ صحیح نہیں کہ اس نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اسکا حکم دیا یا اس پر راضی ہوا - بیں جبکہ یہ قتل اس سے (یزیدؒ) پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچا

---

[1] کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابوبکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا (ملاحظہ ہو ص ۳۰۳)

اساءة الظن بالمسلم ايضاً حرام وقد قال الله تعالىٰ اجتنبوا كثيراً من الظن ان بعض الظن اثم وقال النبى صلى الله عليه وسلم ان الله حرم من المسلم دمه وماله وعرضه وأن يظن به ظن السوء ومن زعم ان يزيد امر بقتل الحسينؓ اورضى به ينبغى أن يعلم به غاية الحماقة فان من قتل من الاكابر والوزراء والسلاطين فى عصره لو اراد ان يعلم حقيقة من الذى امر بقتله ومن الذى رضى به ومن الذى كرهه لم يقدر على ذلك وان كان الذى قد قتل فى جواره وزمانه وهو يشاهد فكيف لو كان

تو پھر اس کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ "بدگمانی سے بہت بچتے رہو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کا مال، اس کی جان، اس کی آبرو ریزی اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے - جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے قتل حسینؓ کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پلے درجہ کا احمق ہے جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے زمانے میں قتل ہوئے - اگر کوئی شخص اُن کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا - کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز قادر نہیں ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہونچ سکے - اگرچہ یہ قتل اسکے

فی بلد بعید و زمن
قدیم قد انقضٰی فکیف
یعلم ذالك فیما انقضٰی علیه
قریب من اربعما ئة
سنة فی مکان بعید وقد
تطرّق التعصب فی الواقعة
فکثرت فیها الاحادیث
من الجوانب فهذا الامر
لا یعلم حقیقة اصلا واذا
لم یعرف وجب احسان الظن
بکل مسلم یمکن الظّن به
واما الترحم علیه فجائز
بل هو مستحب بل هو
داخل فی قولنا فی کل صلاة
اللّٰهم اغفر للمؤمنین
والمؤمنات فانه کان مومنا
واللہ اعلم کتبه الغزالی۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱
ص ۴۶۵ مطبوعہ مصر)

پڑیں ہیں، اس کے زمانہ میں اور اس کی
موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو تو پھر اس
واقعہ کی حقیقت تک کیونکر رسائی ہو
سکتی ہے جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ
میں گزرا ہے پس کیونکر اس واقعہ کی
صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر
چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام
میں منقضی ہو چکی ہو اور پھر امر واقعہ یہ
بھی ہو کہ اس کے بارے میں تعصب
کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ جس کی وجہ سے
متعدد فرقوں کی طرف سے اس کے
بارے میں بکثرت روایتیں مروی ہیں پس
یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی صحیح حقیقت
کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت
تعصب کے پردوں میں روپوش ہے
تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب
ہے جہاں حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں
رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا
سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو

ہماری ہر نماز کے اس قول اللّٰھم
اعفر للمؤمنین والمؤمنات
میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتار اور امام غزالیؒ کے فتوے
کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے
اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمه ولعنه لانه
مسلم ولم یثبت بانه رضی
قتل حسینؓ واما الترحم
علیه فجائز بل مستحب بل
نحن نترحم علیه فی
جملة المسلمین والمؤمنین
عموماً فی الصلوٰة۔

(ص۱۷۳ ج۱۲ البدایہ والنہایۃ)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ پر سب وشتم
کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے
اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسینؓ سے
راضی تھے رہا ان پر (یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ
علیہ کہنا سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے
اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں
میں تمام مسلمین ومومنین کے شمول
میں مانگا کرتے ہیں۔

کتاب فضل یزیدؒ

پانچویں وچھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب
بنی اُمیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ
نے شدت اختیار کرلی تھی۔ کذب وافترائے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے
بعض صُلحائے اُمت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ انکے
شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

كان من صلحاء الحنابلة وكان يزار (ص٣٣٨ ج١٢ البداية والنهاية) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجعِ عوام تھے۔ انہوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی :-

وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب۔
(ص٣٢٨ ج١٢ - البداية والنهاية)

اور ان کی (الشیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہؓ پر ایک کتاب ہے۔ جس میں بہت سے عجیب و غریب حالات بیان کئے ہیں۔

اِس سلسلہ میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب "فضلِ یزیدؒ" کی شہرت ہوئی خلیفہ وقت الناصر لدین اللہ عباسیؒ شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے بہ تبدیلِ ہئیت اِس طرح گئے کہ کوئی پہچان نہ سکے۔ شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصرؒ نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا اُسے یُوں بیان کیا گیا ہے۔

فسأله الخليفة عن يزيد أيلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه لانی لو فتحت هذا الباب لافضى الناس الى لعن خليفتنا فقال الخليفة. ولم؟ قال لانه يفعل اشياء منكرة كثيرة منها كذا وكذا ثم شرع يعدد

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر

على الخليفة افعاله القبيحة وما يقع منه من المنكر لينزجر عنها فتركه الخليفة وخرج من عنده وقد اثر كلامه فيه وانتفع به -
(ص٣٢٨ ج١٢ - البداية والنهاية)

عمل پیرا ہوتے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کے بُرے افعال گنانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کردی اور ان کے پاس سے اٹھ آئے۔ لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہونچا۔

امیر المؤمنین الناصر لدین اللہ عباسی متوفی ٦٢٢ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں ان کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذاتِ خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء و فضلاء کے قدردان علمِ حدیث سے شغف تھا۔ متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فنِ حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین نام ہے (الاعلام زرکلی) ۵۸۹ھ میں دار العلوم نظامیہ بغداد میں دار الکتب بصرفِ کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مرآۃ الزمان ج ۸ ص٦٢١) نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریادل تھے۔ صاحب مرأۃ الزمان لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی وافطار اور مسکینوں و فقراء کے کھانے کے لئے شہر کے مختلف حصوں میں دس مکانوں میں طعامِ کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں ان کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا جس طرح انکے جدِّ اعلےٰ حضرتِ عباسؓ زمانۂ حج میں حاجیوں کے لئے اپنے مال سے رفادہ و سقایہ کا اہتمام

کرتے تھے۔ ایسے عالم وفاضل اور ان صفات کے حامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بہ تبدیلِ ہیئت اپنے ہمعصر محدّث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزیدؒ پر لعن کیا جائے یا نہیں محض لغو ہے۔ صاحب کتاب الذیل علیٰ طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہو گئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انہوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنہوں نے "مناقب یزیدؒ" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب ومسلک یہ ہے کہ یزید خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سنکر امیر المؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی۔ شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ وبحث ومباحثہ ہوتا تھا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ مات عبدالمغیث (۵۸۳ھ) وھما متھاجران (کتاب الذیل ص۳۵۶) ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا رد لکھا تھا جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علےٰ طبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد (متدین، راست گفتار) جمیل السیرۃ، متبعِ سنت وحمید الاخلاق تھے خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے) شیخ عبدالمغیثؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا

آفۃ الحدیث الرد علی عبد المغیث بیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سب وشتم کی کیا نوعیت اختیار کر گئے تھے۔

مدینۃ النبیؐ سے اُنس

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا اُنس تھا یقینیں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو "دار یزید" کہلاتا تھا۔ خلافتِ عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہلِ مدینہ کو وظائف وعطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مورخ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

دخل عبد اللہ بن جعفر علی یزید فقال کم کان ابی یعطیك فی کل سنۃ؟ قال الف الف قال فانی قد اضعفتھا لك فقال ابن جعفر فداك ابی و امی وواللہ ما قلتھا لاحد قبلك فقال فقد اضعفتھا لك فقیل أتعطیہ اربعۃ الآف الف فقال نعم، انہ

عبداللہ جعفر (طیارؓ) (امیر) یزیدؒ کے پاس آئے تو انہوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے (ابن جعفرؓ نے کہا ایک لاکھ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا (یہ سنکر ابن جعفرؓ نے کہا) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لئے بھی نہیں کہا (امیر یزیدؒ نے) فرمایا کہ میں نے اس کو

يفرق ماله فأعطى إياه
إعطائي أهل المدينة
(ص۳۰ قسم ثانی جزء رابع من کتاب انساب الاشراف بلاذری. مطبوعہ یروشلم)

بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ منکر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چار لاکھ سالانہ دیں گے؟۔ (امیر المؤمنین نے) فرمایا۔ ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لئے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔ ایک سیدہ اُم محمد بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمیہ خاتون کو جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ دوسری خاتون حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں :-

فتزوج (یزید) فی حجتہ
حجھا ام مسکین بنت عمر
بن عاصم بن عمر بن الخطاب
(کتاب الانساب الاشراف)

ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ) نے عمر بن عاصم بن عمر بن الخطابؓ کی بیٹی ام مسکین سے شادی کی۔

یہ ام مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں بلاذری سے قدیم تر مورخ و نساب ابن قتیبہ نے سیدہ اُم مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر

بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے ان سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی کی سگی خالہ تھیں (کتاب المعارف ص۶۰) یہ خاتون عابدہ و زاہدہ تھیں حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج۳) میں بذیل الکنیٰ نسوۃ سیدہ اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ام مسکین بنت عاصم بن عمرؓ
خالة عمر بن عبد العزیز و
زوجة یزید بن معاویة لها
عن ابی هریرة تفرد عنها ابو
عبد الله (ص۲۸۸)

ام مسکین جو عاصم بن حضرت عمرؓ کی دختر اور (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہؒ کی زوجہ تھیں وہ (حضرت) ابو ہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابو عبداللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت فاروق اعظمؓ کی اِن پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولے اُم خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے، فرماتے ہیں :-

أرات ام خالد تضجین
بعت علی بیتك ام مسكين
میمونة من نسوة میامین
زارتك من طيبة فی حوارین
فی بلد تو کنت بها تكونين
فاصبری ام خالد من الدين

ترجمہ :- اُم خالد میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُم مسکین نے لے لی یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں اب یہ اس شہر میں آتی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا تم اُم خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے

اِنَّ الذی کُنتَ بہٖ تَبَّوتین — وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب
لیس کما کنت بہٖ تظنّین — ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔

یُوں تو امیر یزیدؒ بھی نہایت فیاض اور بخشش و عطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوارِ رسولؐ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہلِ مدینہ کے اِن اشخاص کو جو اپنے مال و زر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے۔ بیش بہا عطیات دیتے تھے المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے ایک مرتبہ جب امیر المومنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیر المومنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(۱) کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرتِ امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا کہ ان کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصۂ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر و مُمانعتِ خروج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (اُمتِ مسلمہ) کی بنیاد ڈالی۔ اس کی تعمیر میں اخوت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد سے

عربوں کے صدیوں کے قبائلی و طبقاتی کش مکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہو گیا۔ نسلی و خاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افرادِ اُمت جنسِ واحد و ملتِ واحدہ بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکتِ اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمانِ ایزدی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ (القرآن الحکیم) — اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر (اولی الامر) ہو اس کی۔

ولی الامر (امیر) کے لئے نسل و رنگ، قبیلہ و خاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فردِ ملت پر اہلِ حل و عقد کا اتفاق رائے ہو کر بیعتِ عامہ ہو جائے، خواہ نسل و رنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بد ہیئت اسر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب و لازم کیا گیا۔ صحیح البخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسندِ صحیح موجود ہے۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسہ زبیبۃ۔ — حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حکم مانو اور اطاعت کرو اگر تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو، حاکم مقرر ہو جائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشادِ نبویؐ منقول ہے

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً حبشیاً مجدع الاطراف۔

یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ (یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں۔

حضرت ابو ذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اُس وقت بیان کیا تھا۔ جب مفسدین نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے خلاف شورش و فتنہ بپا کرنے کی ابتداء کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اُن کے احکام و ارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کر لی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے۔ معصیت میں نہیں۔ لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔

شارع علیہ السلام نے اُمّت کو فتنہ و فساد سے محفوظ اور اُمّتِ مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال و انتشار سے مصئون و مامون رکھنے کے لئے امیرالمؤمنین و حاکمِ وقت کے خلاف خروج و مخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے اِرتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشاداتِ نبوی صلعم۔ جن کے اسناد صحیح و جید ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص اپنے امیر میں کوئی بُرائی دیکھے اور اس سے

فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبراً فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ۔

(صحیح بخاری جلد ۲ جزء ۲۹)

ناگواری محسوس کرے تو اُسے صبر سے کام لینا چاہئیے کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مرگیا۔ جاہلیت کی موت مرا۔

عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ سیکون ھنات و ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائناً من کان۔ (رواہ مسلم)

حضرت عرفجہؓ سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے، اگر کوئی شخص اِس اُمّت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور اُمّت متفق ہو چکی ہو، تو تلوار سے اُس کی گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرتِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے اِس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کر کے احکامِ شریعت کی اِن الفاظ میں وضاحت کی ہے :-

"چون بیعت برائے شخصے منعقد شود و تسلط او مستقر گشت اگر دیگرے برونے خروج نماید و قتال کند او را می باید کشت افضل باشد از وے یا مساوی یا مفضول"۔

(صفحہ ۱۳۸۔ جلد اوّل: ازالۃ الخفاء طبع اوّل)

(یعنی۔ جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور اُس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے

اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کردیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منہما۔

(اخرجہ البغوی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لئے بیعت ہو جائے تو ان میں سے آخر شخص کو قتل کردو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جب کسی شخص کی اول بیعت ہو جائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاس داری کی جائے۔

الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو امت اپنا امیر اور حاکم تسلیم کرلے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اُسے حاصل ہو جائے اُس کے حقوق کی پاسداری اور اُس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن جنادة بن ابی امیة قال دخلنا علی عبادة بن الصامت وهو مریض قلنا اصلحك الله حدثنا بحدیث ینفعك الله به سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم قال دعانا النبی صلی الله علیه وسلم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة من منشطنا ومکرهنا وعسرنا واثرة وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من الله فیه برهان۔

(صحیح البخاری: جلد ۲۔ کتاب الفتن)

حضرت جنادہ بن امیہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے۔ ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی حدیث ایسی بیان فرمائیے جو آپ کے لئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا: ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسرِ اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جبتک کہ اُس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کردے اور اللہ کی طرف سے اُس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امامِ اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع رہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ لا نری الخروج علی الائمۃ ولو جاروا۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علی الہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور اسے وضعی روایتوں سے مسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

کان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا یرون الخروج علی الائمة وقتالهم بالسیف وان کان فیهم ظلم کما دلت علی ذلك الاحادیث الصحیحة المستفیضة عن النبی صلی الله علیه وسلم لان الفساد فی القتال والفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال	اہل السنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الاحادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو

(منہاج کتاب منہاج السنۃ النبویہ)

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے اور اس طرح جملہ ائمہ اہلِ سنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

"امام وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار، واجب ہے۔ وہ جب مسندِ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزورِ شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المؤمنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے .... جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ۔ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔"

(حیات احمد بن حنبل ص۲۴۶ بحوالہ المناقب لابن الجوزی ص۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔

خلافت کے اُمّیدوار

مؤرخین نے پانچ حضرات کے نام اِس سلسلہ میں گِنائے ہیں جو امیرالمؤمنین معاویہؓ کی وفات پر سیاسی اقتدار حاصل کرلے کے خواہش مند تھے اِن میں چار وں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچواں نام حضرت ابن زبیرؓ کا ہے بایں تفصیل :-

۱- حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضؓ
۲- حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضؓ
۳- حضرت سعید بن عثمان ذی النورینؓ
۴- حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضؓ
۵- حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم ۔

اِن حضرات میں سے اوّل الذکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے فوت ہو چکے
سنہ ۵۳ھ میں گھر جلتے ہوئے فوت ہو گئے رات کو سونے کے لئے لیٹے اور ایسے سوئے کہ پھر نہ اُٹھے
اِن کا ذکر زمرۂ امّید واران میں محض عبث[1] ہے۔ دوسرے بزرگ یعنی ۔

[1] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؓ نے صحابہ کے مجمع میں وہ زمان پڑھ کر سنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیرالمؤمنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اُٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا پورے مجمع میں سے بس یہی ایک آواز اُٹھی تھی اس پر مروانؓ نے انھیں تنبیہ کی اور انھیں پکڑ لینے کا حکم دیا وہ بھاگ کر اُمّ المؤمنین کے حجرے میں چلے گئے اور[2]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی امور سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے، خلیفۂ مظلوم شہید حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنۂ عظمیٰ اُمّت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ ہی تھے، سب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے تحکیم کے وقت ان کا نام بھی لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمام خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لیں۔ لیکن نہ یہ تجویز بروئے کار آئی اور نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اُن کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور خلافت کی بیعت انہوں نے بطیب خاطر کی اور اِس پر مستقیم رہے جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے ۔ امیدواران خلافت کے ضمن میں اِن کا نام لینا قطعاً غلط ہے تیسرے صاحب حضرت عثمان ذی النورینؓ کے صاحبزادے سعیدؒ ہیں جن کے متعلق بعض مؤرخین خصوصاً طبریؔ نے اور الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ اُنہوں نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں امیرالمومنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں تقریباً

[2] معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا۔ لیکن یہ اہلِ مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیرالمؤمنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا بعض مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری اِن لغو تفصیلات سے خالی ہے ۞

اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قصہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگذار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے امیدوار تھے اور نہ ہی امیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا ان کی جانب سے ظہور ہوا۔ موخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصولِ خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و احکام

شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو اُن سے ملے اُنہیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا۔

اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعة المسلمین۔ (طبری، ج ۶ ص ۱۹۱)

تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینے سے مکہ آ رہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپکو "عائذ بالبیت" (بیت اللہ کا پناہ گزیں) کہا۔ اور حضرت حسینؓ مکہ آ کر اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کے مکان میں اُترے فنزل الحسین دار العباس۔
(ص ۱۶۲ ج البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچا اس وقت مکہ میں موجود تھے۔ ان ہی کے پاس مقیم ہوئے۔ امیر یزیدؒ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرت حسینؓ کو طلبِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اس وقت خاندانِ بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

وكتب يزيد بن معاوية الى ابن العباس يخبره بخروج الحسين الى مكة واحسبه قد جاءه رجال من اهل المشرق فمنّوه الخلافة وعندك خبرة وتجربة فان كان قد فعل فقد قطع راسخ القرابة وانت كبير اهل بيتك والمنظور اليه فاكففه عن السعي في الفرقة
(ص ۱۶۲ ج البدایہ والنہایہ)

اور یزید بن معاویہؒ نے ابن عباسؓ کو خط لکھا جس میں انہیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں اہلِ مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی ان کے پاس آئے ہیں اور انہیں حصولِ خلافت پر آمادہ کیا ہے آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقفیت کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انہوں نے (یعنی حسینؓ) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے آپ اہلِ بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں اس لئے آپ انہیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی اسے شیعہ مورخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے اس میں لکھا تھا۔

انی لارجوا ان لایکون خروج الحسین لامر تکرهه ولست ادع النصیحة له فی کل ما تجتمع به الالفة وتطفیٔ به النائرة - (ص۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

مجھے امید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کرینگے جو بُرائی کا موجب ہو اور میں نہیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی کروں گا جس سے الفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔

دیگر مورخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزید بعبد اللہ بن عباسؓ در امر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو مکتوب امیر المؤمنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً یہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مورخین نے لکھی ہے یعنی:-

واما الحسین فقد احببت الاعذار الیکم اهل البیت مما کان منه وقد بلغنی ان رجالاً من شیعته من اهل العراق یکاتبونه ویکاتبهم ویمنونه الخلافة ویمنیهم الامرة وقد تعلمون ما بینی وبینکم من الوصلة وعظیم الحرمة ونتائج الارحام وقد قطع ذلک الحسین وبتّه

لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل بیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہونچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں اور حسینؓ بھی اپنی امارت کی بشارت ان کو دے رہے ہیں آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنو اُمیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور

وانت زعیم اهل بیتک وسیّد اهل بلادک فالقه فاردده عن السعی فی الفرقة وردّ هذه الامة عن الفتنة -

(ج ۲ از کتاب دوم ص[illegible])

رفعت کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں اور آپ (یعنی ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں آپ ان سے مل کر ان کو اس اُمت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھیے۔

مکتوب کے آخر میں امیر موصوف سے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے اور اسی کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی جانب سے جواب خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطور میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے آنے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں انہوں نے ناشائستہ کلمات اُن کے بارے میں کہے "وعجلوا علیه بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم الله مستجیراً به" اسلئے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے:-

وسالقاه فیما اشرت الیه ولن ادع النصیحة فیما یجمع الله به الکلمة ویطفی به النائرة ویخمد به الفتنة ویحقن به دماء الامة -

(ج ۲ از کتاب دوم ص[illegible])

تم نے جو چاہا ہے اس کے پورا کرنے کیلئے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور انہیں نصیحت کروں گا جس سے اختلاف رفع ہو جائے اور فتنہ و فساد کی آگ بجھ جائے اور اُمت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے۔

یہ مکاتیب بین ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انہوں نے حضرت حسینؓ کو حصولِ خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں، اور یہ خطوط جو شیعہ مورخین نے درج کئے ہیں مُسکت ثبوت ہیں اِس بات کا کہ حضرت حسینؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصُول کے لئے تھا۔

حضرت حسینؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المؤمنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ امت میں پڑے۔ ثقہ مورخین نے صحابہ کرامؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انہوں نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج پر ان کو کیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا تھا:۔

غلبنی الحسین علی الخروج و قلتُ له: اتق الله فی نفسك والزم بیتك ولا تخرج علی امامك۔ (ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)

حسینؓ نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا: اپنے دل میں خدا سے ڈرو، اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) کے خلاف خروج نہ کرو۔

حضرت ابو واقد اللیثیؓ نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جا کر ان کو روکا اور فرمایا:۔

فناشدته الله ان لا تخرج فانه من یخرج غیر وجه خروج انما خرج یقتل نفسه۔ (ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)

میں نے انھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج نہ کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ اپنی جان کھو دیتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:۔

کلمتُ حسینًا فقلت له: اتق الله ولا تضرب الناس بعضهم ببعض (ص۱۶۳ ج البدایہ والنہایہ)

میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ خدا سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے نہ لڑواؤ۔

اِسی طرح دیگر متعدد صحابۂ کرام کی گفتگوؤں کے کلمات مورخین نے نقل کئے ہیں۔ خود ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) اور اُن کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے اِس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خسر بھی تھے۔ یمن کا ایک سرکاری قافلہ امیر المؤمنین کی خدمت میں یمن کا محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ انھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔ مگر حضرت حسینؓ نے واپسی سے انکار کیا۔ اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا رہا۔ پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے، اِن لوگوں نے بھی بالآخر اُن سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے اُن کے عزیز و ہمدرد اُن سے کہتے رہے تھے۔

یاحسین! الا تتقی الله! تخرج من الجماعة وتفرق بین الامة بعد اجتماع الکلمة۔

اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو اور امت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب

ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔ (ص۱۹۶ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:-

لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بریٔ مما تعملون۔

میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا۔ تم میرے عمل سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے۔ (تاریخ الخلفاء والبدایہ)

حکومت کا نرم رویّہ

مکہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور ان کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ نہ ان کی نگرانی ہوئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا، نہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر کوئی قدغن کیا گیا۔ قوی آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے ان کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعۂ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اس قطعہ اشعار کو شیعہ مؤرخ طبری نے بھی جلد۶ ص۲۱۹ پر درج کیا ہے۔ اور دیگر مؤرخین خصوصاً علامہ ابنِ کثیرؒ نے بھی ص۱۶۴ جلد۸ میں اور ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے ص۱۶۲ ج۲ کتاب دوم میں دیا ہے وہ قطعہ یہ ہے:-

قطعہ اشعار امیر یزیدؒ

یا ایھا الراکب الغادی لطیبۃ ... علی عذافرۃٍ فی سیرھا قحمُ

اے سوار جو طیبہ (مدینہ) کی طرف ایسی اونٹنی پر جا رہا ہے جس کی چال میں بانکپن ہے کہ تھکاوٹ کے باوجود قدم جم کر پڑتا ہے۔

اَبلغ قریشاً علی شحط المزار بھا ... بینی وبین حسینٍ اللہُ والرحم

میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان سے ملنے کو فاصلہ بہت ہے کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے۔

وموقفٌ بفناء البیت انشدہ ... عھد الالہ وماتر عی بہ الذمم

اور صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے میں ضمیر اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا ہوں جو ذمہ داریوں کے عہد باندھتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

عنفتم قومکم فخراً بامکم ... امٌ حصانٌ لعمری برۃٌ کرمٌ

تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔ ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاکدامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔

ھی التی لایدانی فضلھا احدٌ ... بنتُ النبی وخیر الناس قد علموا

یہی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے کہ سب سے اچھی

وفضلُھا لکم فضلٌ وغیرکم ... من قومکم لھم من فضلھا قسم

ان کی فضیلت میں تمہاری (حسینؓ کی) فضیلت ضرور ہے۔ مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو ان کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلمُ او ظناً کعالمہٖ ... والظنُّ یصدقُ احیاناً فینتظم

میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات گمان سچا نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

اَن سوف یترککم ماتطلبون بھا ... قتلیٰ تھاداکم العقبان والرخم

کہ عنقریب تم پر (اے باغیانِ مدینہ) وہی چیز نازل ہو گی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامانِ ضیافت ہوں گی۔

يا قومنا لا تشبوا الحرب اذ خمدت — وامسكوا بحبال السلم واعتصموا

اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی ہے اسے مت بھڑکاؤ — اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو۔

لا تركبوا البغي انّ البغي مصرعة — وان شارب كأس البغي يتّخم

بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے — اور جامِ بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کر سکتا

قد جرّب الحرب من قد كان قبلكم — من القرون وقد بادت بها الامم

لڑائی کا تجربہ انہیں ہو چکا جو تم سے پہلے گزر چکے — اقوامِ عالم کیلئے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں

فانصفوا قومكم لا تهلكوا بذخاً — فرُبّ ذي بذخ زلّت به القدمُ

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بیجا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو — کیونکہ اکثر بیجا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعہ اشعار سے اُس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے: "اور صحنِ حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے امین ہیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ کیا جاتا ہے"۔ ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابلِ لحاظ ہے وہ لکھتا ہے:۔

"اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام

مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہیبتناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اِس تصویر میں خدوخال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک لوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور تریب قریب غیر معمولی حُبِّ جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں اولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ اِن کے ہمعصروں میں اکثر و بیشتر اُنھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ اُنھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے اس لئے کہ انہوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی (ولیعہدی کی) بیعت کی تھی، وہ اپنے حق اور دعوائے خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے"۔

(؂ تاریخ مسلمانانِ اسپین۔ مولفہ رینہارٹ دوزی)
مترجمہ فرانسس گریفن سٹوکس۔ مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۹۱۳ء

برادرانِ حسینؓ کا موقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعینؒ کرام کے کی تھی یا نہیں۔ یہ حقیقت ثابت ہے کہ اِن کے اِس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے انکے چند

نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے۔ اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے اِن کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہؒ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم و فضل ورع و تقوے میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ جسمانی قوت و شجاعت میں اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔ اِس مہم میں اِن کا ساتھ دینے کے لئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بلا تامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی، اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المؤمنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف "انساب الاشراف" (جلد ۵) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے ان کا ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"عبداللہ بن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اُس سے لڑنے نکلو۔"

ابن الحنفیہؒ نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں؟

ارکانِ وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے، شراب

پیتا ہے اور دین سے غافل ہو گیا ہے۔

ابن الحنفیہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو کیا؟ تمہارے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔"

ارکانِ وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے یہ کام کرتا؟

ابن الحنفیہ: تو کیا تم کو اُس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کر دیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں تو تم ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکانِ وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریکِ جنگ ہونے سے انکار نہ کر دیں۔ اس لئے انہوں نے کہا اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بنائے دیتے ہیں۔ اگر تم یزید کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ: میں تو لڑنے کا نہیں۔ نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔ لستُ اقاتل تابعاً ولا متبوعاً۔

(جلد ۳ - انساب الاشراف، بلاذری)

اِس مکالمہ کو دیگر مؤرخین نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ ۲۳۳ - جلد ۸ - البدایہ والنہایہ) میں بھی ذکر ہوا حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلتِ علمی، اتقاء و پرہیزگاری، شجاعت و بہادری

میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے قطع نظر کر کے حقیقت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندانِ علی مرتضیٰؓ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

کان محمّد بن الحنفیۃ احد رجال الدھر فی العلم والزھد والعبادۃ والشجاعۃ وھو افضل ولد علی بن ابی طالب بعد الحسن والحسین۔

یعنی۔ محمد بن الحنفیہؒ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں حسنؓ اور حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے۔

(صفحہ ۳۴۷۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ طبع اول۔ مطبوعہ لکھنؤ)

خیر الدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف الاعلام (قاموس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنفیہؒ فرماتے ہیں :۔

الحسن والحسین افضل منی و انا اعلم منھما۔ (ج ۷، ص ۱۵۳)

حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندان بنت النبیؐ ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔

کان واسع العلم ... واخبار قوتہ وشجاعتہ کثیرۃ (ایضاً)

وہ وسیع العلم تھے ..... ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں ۔

بایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے اپنے والد ماجد کے معرکہائے جمل و صفین کو ناپسند

کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل و شجیع اور عالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا۔ اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا۔ ان کے بار بار اصرار کرنے پر خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا۔ آخر کس بات کا ثبوت ہے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابۂ کرامؓ کی طرح اس خروج کو طلبِ حکومت و خلافت کا ایسا سیاسی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیاتِ زمانہ اور احکامِ شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علیؓ بن ابی طالب تھے جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہدِ اسلامی میں علاقہ ملتان پر حاکمانہ اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب" ان کے اس اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :۔

وتخلف عمر من اخیہ الحسین ولم یسر معہ الی الکوفۃ وکان قد دعاہ الی الخروج معہ فلم یخرج یقال اِنَّہٗ لما بلغہ قتل اخیہ الحسین خرج فی معصفراتٍ لہٗ وجلس بفناء

اور عمرؓ نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انہوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ ان کے ساتھ نہ گئے کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہو جانے کی خبر ملی

داره وقال انی الغلام الحازم ولو اخرج معه لذهبت فی المعرکة وقتلت -

(ملخص "عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب" مطبوعہ لکھنؤ)

تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقلمند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے (حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے بھائی بھی اُن کے خروج کو طلب حکومت و خلافت کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

موقف صحابۂ رسولؐ

حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے۔ حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضوفشاں تھیں جنہوں نے سالہا سال صحبت نبوت سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں متعدد حضرات بھی تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپؐ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے مگر ان میں سے ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف "اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفا" لکھتے ہیں:-

وقد کان فی ذلک العهد کثیر من الصحابة بالحجاز والشام والبصرة والکوفة ومصر وکلهم لم یخرج علی یزید ولا وحده ولا مع الحسین (ص ۱۴۲)

اس زمانہ میں صحابہ رسول (اللہ صلعم) کی کثیر تعداد حجاز، شام، بصرہ، کوفہ و مصر میں تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از خود یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہو کر۔

صحابہ کرامؓ کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظامِ خلافت

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزید سے پہلے خلفا کے زمانے میں رہا۔ خلیفہ کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور اُن کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضات میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسماء کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات و تراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المؤمنین یزیدؒ کے عہد خلافت نیز ان کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے۔ ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظامِ ملّیہ

عرب کی زندگی ہمیشہ سے قبائلی رہی ہے۔ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک وحدہ تھا اور اپنے سیاسی اور معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ راشدین کے عہد سے لیکر اموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار ہو۔ نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام

اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہو گئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کے خلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظامِ عسکری

(۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقرِ خلافت میں۔ چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضاکارانہ تھی، اُموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المؤمنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہونچ جائے۔

(۲) عالمِ اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلّح تھا اور اکثر و بیشتر ماہرِ حرب و ضرب۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانے میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیویٹ شخص کے پاس نہ ہو۔ یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مفلوج کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے اُمّت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہو سکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزیدؒ کو حاصل تھی اور اُن کے مخالف یہ حمایت کسی طرح حاصل نہ کر سکے۔

اُمّت کی حرارتِ دینیہ

اُمّتِ مسلمہ میں آج بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم و تقوےٰ، قوتِ ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں انھیں سلفِ صالحینؒ

سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ ہے مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت یا جبروت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں، پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ اور کبار صحابہؓ اور اکابر اہلِ البیتؓ کی موجودگی میں قرنِ اوّل کے وہ مسلمان جنہوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کافروں اور باطل قوتوں سے جا ٹکراتے اُس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیّہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے ایک فاسق اور جابر شخص کو اپنے اوپر مسلّط ہونے دیا۔ اس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ اُمّت تھی جس نے اس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی۔ اور نہ اس کے بعد! پھر اس وقت اِس اُمّت کو کیا ہو گیا تھا؟ لیکن حقیقتِ نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظامِ خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندانِ خلافت یعنی بنی اُمیّہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردارِ خلیفہ میں کوئی خرابی۔ زمامِ خلافت اسی امیر المجاہدین نے ہاتھ میں لی تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور ان کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک تھے اور چند سال ان کی امارت میں مناسکِ حج بھی ادا کئے تھے اور ان کی امامت میں نمازیں پڑھی تھیں۔

بنی ہاشم اور اُموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت

علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے حریف (بنی امیہ) کی خلافت کی، بالفاظ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی و خاندانی مخالفت و منافرت ان دونوں خاندانوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھی۔ جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب سبائی سازشی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں۔ سبائی لیڈر الاشتر النخعی اور اس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل رکھنے میں پیش پیش رہے یہی لوگ الحریص علی القتال تھے (ص ۲۲۲ ج منہاج السنۃ)

ان لوگوں کی تحریکوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے (حسنؓ) ہمیشہ اپنے والد ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال و قتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح و مصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وکذلک الحسنؓ کان یشیر علی ابیہ واخیہ بترک القتال ولما صار الامر الیہ ترک القتال واصلح اللہ بہ بین الطائفتین المقتتلتین وعلی فی آخر الامر تبین لہ ان المصلحۃ فی ترک القتال اعظم منہ فی فعلہ۔

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ و جدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے جنگ ترک کر دی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں برسر آزما گروہوں میں صلح ان کے ذریعہ کرا دی۔ حضرت علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہو گئی تھی کہ جنگ ترک دینے میں مصلحت و مفادات کی خاطر اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال و قتال جاری رہے۔

(ص ۲۲۲ ج منہاج السنۃ ابن تیمیہ)

حضرت حسنؓ طبعاً جتھہ بندی سے متنفر اور صلح و مصالحت کے حامی تھے لسان نبویؐ سے ان کے اقدام صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا جس سے واضح ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک امت کے متحارب گروہوں میں صلح و مصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا

وھذا یبین ان الاصلاح بین الطائفتین کان ممدوحا یحبہ اللہ ورسولہ وان ما فعلہ الحسن من ذلک کان من اعظم فضائلہ ومناقبہ التی اثنی بہا علیہ النبی صلعم ولو کان القتال واجبا ومستحبا لم یثن النبی بترک واجب او مستحب۔

(ص ۲۲۳ ج منہاج السنۃ)

اور اس (اظہار پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (امت محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح و مصالحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابل مدح ہے چنانچہ (حضرت) حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ ان کے فضائل و مناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائش کی ہے اور اگر قتال و جدال واجب و مستحب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب و مستحب فعل کے ترک کر دینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے یہاں مبغوض ہیں۔ علاوہ ازیں اکابر بنی ہاشم کے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے، اسوہ و عمل حسنہ کی مثال بھی اس خصوص

میں شمع ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی و سیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے بنی اُمیہ کے افراد کو زیادہ تر منتخب و متعین فرمایا۔ عمّال نبویؐ میں بھاری اکثریت اُموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً اُن حضرات کی فطری صلاحیت اور حُسنِ کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابو سفیانؓ کو آنحضرت صلعم نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیماء کا۔ دیگر اُموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمّالِ نبویؐ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر انتظامی امور کی عدم صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ صاحب منہاج السنۃ فرماتے ہیں:۔

وکان بنو امیۃ اکثر القبائل عمالا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لما فتح مکۃ استعمل علیہا عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیۃ واستعمل خالد بن سعید بن ابی العاص بن امیۃ واخویہ ابان وسعید علی اعمال آخر واستعمل ابا سفیان بن حرب وابنہ یزید و مات وعلیہا وصاہر النبی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمّال میں دوسرے قبیلوں و خاندانوں کی بہ نسبت بنی اُمیہ کے افراد اکثر و بیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپؐ نے عتابؓ بن اسید بن ابی العاص بن اُمیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالدؓ بن سعید بن ابی العاص بن اُمیہ اور ان کے دونوں بھائیوں ابانؓ و سعیدؓ کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز (حضرت) ابو سفیانؓ اور ان کے صاحبزادہ (حضرت) یزیدؓ کو بھی عامل مقرر کیا جب آپؐ

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بناتہ الثلاثۃ لبنی امیۃ

(ص۱۳۵ ج منہاج السنۃ)

کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہ دیا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اُموی خلافت کی تائید و حمایت کی روشن مثال

اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے داعیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندی سے بھڑکائے کہ امیر المؤمنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پُر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں جعفریوں، عقیلیوں، علویوں نے بشمول اولادِ حسنؓ و حسینؓ نہ صرف اس بغاوت سے قطعاً علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزیدؒ کی بیعت پر مستقیم رہے اور جو اتہامات امیر موصوف پر شراب نوشی اور ترکِ صلوٰۃ کے لگائے گئے اس کی تردید و تکذیب کی بلکہ بعض افراد بنو اُمیہ کے اہل و عیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) نے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے طرزِ عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہلِ خاندان کو خلیفہ یزیدؒ کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وکذلک لم یخلع یزید احد من بنی عبد المطلب وقد

اور اسی طرح بنو عبد المطلب (یعنی اولادِ عباسؓ و علیؓ وغیرہم) کے کسی ایک فرد نے بھی (امیر)

سئل محمد بن الحنفیۃ فی ذلک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرھم وجادلھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوٰۃ۔

(ص ۲۱۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

یزیدؒ کی بیعت نہیں توڑی اور جب محمد بن علیؓ (الحنفیہؒ) سے اس بارے میں کہا گیا (یعنی فسخ بیعت کو) تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور (امیر یزیدؒ کی موافقت میں ان سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض نمازوں کے ترک کے یہ لوگ لگاتے تھے ان کی تردید و تکذیب کی[1]۔

غرضیکہ خاندانِ نبوت کے یہ سب افراد خلیفۂ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے۔ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اور دوسرے ہی القدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزیدؒ کی بیعت کی مخالفت یعنی ابن زبیرؓ کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج و بغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیرؓ کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا حضرت ابن عباسؓ مع اپنے بھتیجے حضرت محمد بن علیؓ (الحنفیہؒ) مکہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب اُن کا آخری وقت آپہونچا تو اپنے صاحبزادے (حضرت علی السجاد بن عبداللہ

---

[1] برادر حسینؓ حضرت محمد بن علیؓ نے اپنی ذاتی واقفیت اور چشم دید واقعات کی بنا پر بدگوئیوں کے اتہامات کی تردید کی۔

بن عباسؓ) کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترکِ سکونت کر کے اپنے بنو العم (بنی اُمیہ) کے پاس ملکِ شام چلے جانا چنانچہ یہ حضرات تقصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملکِ شام و حجاز کا سرحدی مقام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد بن علیؓ (الحنفیہؒ) بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اُموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ ص ۲۶۳۔۲۶۴) میں ملاحظہ ہوں۔

غرضکہ خاندانِ نبوت (بنی ہاشم) اور خاندانِ خلافت (بنی امیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کشمکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج ۸ ص ۲۶۵) محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی اُمیہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔ حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام حضرت موصوف کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں حقیقی بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی دونوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات برس

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص ۹۲) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۳ھ میں بعد غزوہ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی ۲ھ بعد غزوہ اُحد ہوئی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے اس اعتبار سے رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ و حسینؓ علی الترتیب ۱ اور ۳ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے "بعد" کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

کی تھی۔ اِن کے بارے میں آپؐ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالےٰ اِن کے ذریعے صلح و مصالحت کرا دیں گے۔ اِس حدیث کے الفاظ لعل اللّٰہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے اِن کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود ان ہی کی زبانی اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں جب مسجد نبویؐ کے منبر پر خطبہ دیتے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے اِن سے کہا کہ آپ میرے نانا جان کے منبر سے اُتر جائیے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جائیے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے اِن کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :-

فقلتُ لہ انزل عن منبر ابی واذھب الی منبر ابیک فقال ان ابی لم یکن لہ منبر فاقعدنی معہ فلما نزل ذھب بی الی منزلہ فقال ای بنی من علمک ھذا؟ قلت ما علمنیہ احدٌ۔

(تاریخ الاسلام علامہ ذہبی ج صــ

میں نے ان سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے) کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اُتر آؤ اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ (یہ سنکر) انہوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے نہیں پھر انہوں نے مجھ کو اپنے ہی پاس بٹھا لیا اور (خطبہ تمام کرنے کے بعد) جب منبر سے اُتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ کسی نے بھی نہیں سکھائی۔

والاصابہ فی تمیز الصحابہ علامہ ابن حجر ج ۱ صــ۳۳۲)

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المؤمنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے ہی دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابلِ لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہدِ خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی ۵۶ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے (صــ۳۲ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اِس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر یعنی سرداری و حکمرانی کا آلہ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وکان معاویۃ واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذلک بلغ ما بلغ۔ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بُردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہونچے جو اُن کو حاصل تھا۔ پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

کان مـ حُمل من الیمن الی معاویۃ فلما مر بالمدینۃ

صوبہ یمن سے جو مال دجو مال یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا) معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا جب

وثب عليه الحسين بن علي فاخذه وقسمه في أهل بيته ومواليه وكتب الى معاوية۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۳۲۷ مطبوعہ ایران)

(قافلہ) مدینہ سے گزرا حسین بن علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا اور اپنے عزیزوں اور موالی میں تقسیم کر دیا اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کر دی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے ان مکتوبات کو شیعہ مورخین و مولفین نے بتمام و کمال نقل بھی کر دیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً جو تحریر بھیجی اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا:-

لان الوالی احق بالمال ثم عليه المخرج منه وايم الله لو تركت ذلك حتى صار الى لم ابخسك حظك منه ولكني قد ظننت يا ابن اخي ان في راسك نزوة وبودي ان يكون ذلك في زماني فاعرف لك قدرك واتجاوز عن ذلك ولكني والله اتخوف ان تبتلى بمن لا ينظرك فواق ناقة۔

(ج ۴ ص ۳۲۷ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۲۰۹ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا۔ لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت و جوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گزرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگذر کر سکتا ہوں

لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس و لحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مورخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کئے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کر دی ہے نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مورخ "مولف اخبار الطوال" نیز شیعہ مورخین طبری و ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابو مخنف کی روایت سے بیان کیا ہے جس کا ذکر اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مولف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں کہ:-

و حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آن احمال (مال قافلہ) را ماخوذ داشت۔

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو) ماخوذ کر لیا تھا۔

(ص ۲۰۹ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

شیعہ مورخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابو مخنف کی سند سے بیان ہوا ہے راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ و حکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہو جانے سے قبل کسی فرد امت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو بلکہ

مال کے تقسیم کرنے کا جواز ہوسکتا ہے یا نہیں ۔ بلکہ مقصود اصلی اس واقعہ کے ذکر کرلینے سے یہ ہے کہ اُموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا ۔ کیسی کچھ ملاطفت و درگذر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے ان کے ساتھ کیا جاتا رہا ۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ رجوعِ وفات حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجاتے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے ۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگذر طبیعت ثانیہ تھی ۔ وہ طبعاً صد درجہ حلیم و کریم تھے ۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے ۔

من المعلوم من سيرة معاوية انه كان من احلم الناس واصبرهم على من يؤذيه واعظم الناس تاليفاً لمن يعاديه ۔

(ج ۳ ص ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی اِن کو ایذا دیتا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی اُن کی مخالفت اور دشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیفِ قلب کرتے ۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک وبرتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو ان کی قرابت قریبہ تھی ۔ اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ کے رشتے سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسینؓ کے نانا ہوتے تھے ۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے ۔ حسنِ سلوک سے

پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہوچکا ۔ غالی مؤرخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی اُمیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اُموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا قطعاً بے بنیاد اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں ۔ البتہ یہ امرِ واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کرلیں ۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ۔

فلما آلت الخلافة الى اخيه واراد ان يصالح شق ذلك عليه ولم يسدد راى اخيه فى ذلك بل حثه على قتال اهل الشام فقال اخوه! والله لقد هممت ان اسجنك فى بيت واطبق عليك بابه حتى افرغ من هذا الشان ثم اخرجك فلما راى الحسين ذلك سكت وسلم ۔

(ص ۱۵۰ ج ۵)

(البدایہ والنہایۃ)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انہوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گذری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہلِ شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ خدا کی قسم تم کو میں گھر میں بھی قید کردوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کردوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا جب حسینؓ نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور ان کی پیروی کی ۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اُموی خلافت کے نہ صرف موید تھے بلکہ اُموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہادِ قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت موصوف کا اقدام اُموی خلافت یا بنی اُمیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص و ترغیب اور ان کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر تھا۔

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں

مورخین نے ابومخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے۔ کہ

حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کرکے (رفض انہا من بیعۃ یزید ص۱۵۱ البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو اُن کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وقد کثر ورود الکتب علیہ من بلاد العراق یدعونہ الیہم وجعلوا یستحثونہ ویستقدمونہ ...... علیہم لیبایعوہ عوضاً عن یزید بن معاویۃ ویذکرون فی کتبھم انھم فرحوا بموت معاویۃ۔

(ج۸ ص۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

ان کے (حسینؓ) کے پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آگئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں ان کو تحریص دلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ ان سے بیعت کرلیں گے اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا۔ بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے، ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابنِ کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے یہ تھا:-

امابعد۔ فقد اخضرت الجنان واینعت الثمار ولطمت الجمام فاذا شئت فاقدم علی جند لک مجندۃ والسلام علیک۔

(ج۸ ص۱۵۱ البدایہ والنہایہ) و
(ج۶ ص۱۹۳ ناسخ التواریخ)

امابعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہوگئے ہیں۔ میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اُگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے۔

اسی مورخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے سفر کرکے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو، تین تین مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعتِ خلافت لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

(ص۱۹۵ ج۶ ناسخ التواریخ)

اقدام خروج میں غلطی

کہ مذکور خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا۔

زمانۂ حال کے مورخ محمد الخضری حادثۂ کربلا کے بارے میں اظہارِ تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

اما الحسین فانہ خالف علی یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذلک الجور ولا العسف عند اظہار ہذا لخلاف (محی فرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۳۵)	لیکن حضرت حسینؓ نے یزیدؒ کے خلاف قدم اٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم وجور کا اظہار نہیں ہوا تھا جو خروج کو جائز کر دیتا)

اسی مورخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

فان الحسین لخطا خطأ عظیما فی خروجہ ہذا الذی جر علی الامۃ وبال الفرقۃ والاختلاف وزعزع عماد اُلفتہا الی یومنا ہذا (محی فرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۲۳۵)	اور حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا وغلطی کی جس سے امت میں اختلاف وافتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت والفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔

حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے فان الجماعۃ خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا۔ (ص ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

بزرگوں سے ردّ وقدح

۴۹ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہے[1]۔ اس وقت حضرت حسینؓ کے قریب ترین

[1] مرض الحسن اربعین یوما (تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۳۲۶) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے۔ زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

بزرگوں میں دو ہمنام حضرات زندہ تھے یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفر طیارؓ۔ اول الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے ان کے نانا۔ بعہد یزیدؒ کے زمانے میں بھی بزرگ خاندان تھے، اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا اور قاصد کے ذریعے مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن وسال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بد شعور سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیمات اسلامی و تزکیۂ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلت صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے، راتوں کو اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز تہجد ادا کرتے۔ وضو کے لئے پانی لا کر رکھتے۔ خدمتیں کرتے اور ازدیاد علم کی دعائیں لیتے اسی کی برکت تھی کہ حبر امت (امت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ "فکان ابن عباسؓ من کبار اہل البیت واعلمہم بتفاسیر القرآن"۔

(ص ۱۱۸ ج ۳۔ منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی صلعم کے اکابر میں سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفۂ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیبِ خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے۔ اولا الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکام شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتاتے اور سمجھاتے جس طرح دوسروں کو بتاتے اور سمجھاتے تھے۔ کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برسؓ کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور ہادیٔ برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو گفتگوئیں ان سے کیں، جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں ان کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں۔ بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحیٰی کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص۲۰۲ ج البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا

ؔ حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی غزوۂ اُحد کے بعد اور حضرت حسنؓ کی ولادت ۳ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے حضرت حسینؓ کی عمر رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ "عندہ من ھذہ الاشیاءُ مالیس عند غیرہ (ص۲۰۲ ج البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کردیا۔ اور اس طرح ان وضعی روایات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں۔ مثال کے طور پر ابو مخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے۔ معلوم ہے کہ حضرت حسینؓ مکہ میں اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر "دارالعباسؓ" میں مقیم ہیں مگر ابو مخنف لکھتا ہے :۔

"عبداللہ بن عباس نے حسین کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سُنا تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابن عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو، ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو"۔ "خبّرنی ما ترید ان تصنع"۔ (ص۲۱۶ ج طبری)۔

پھر ان ہی ابن عباسؓ سے جو امیر یزیدؒ سے بیعت خلافت کر چکے ہیں اور دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں۔ یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابو مخنف انہوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسینؓ سے کہے تھے :۔

"اگر تم کو اہل عراق بلاتے ہیں تو انھیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن

سے پیچھا چھڑا لیں (فلینفوا عدوھم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔"

(ص ۲۱۶ ج طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انہوں نے اہلِ عراق کو اس امام خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسبِ احکامِ شریعت جس کی اطاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت ابن عباسؓ جیسے حبرالامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ و پلان بھی بیان کروا دیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت و خلافت قائم کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا۔

"اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض و طویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرفدار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط و کتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔"

(ص ۲۱۶ ج طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت ابن عباسؓ اور آپ کے

اہلِ بیت کے موقف و طرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت ابن عباسؓ امیر یزیدؒ کی بیعتِ خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد بھی باغیانِ مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب حضرت ابن زبیرؓ نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا۔ دباؤ ڈالا، دھمکیاں دیں ہاشمی خاندان نے اپنے بنوالعم (بنو امیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ امت و اتحادِ ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا۔ اور کوئی قدم اُن کے خلاف نہ اٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی رقم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:۔

"نصرت تو بر ذمت اہلِ امت
چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ ....
سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا
ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق
تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نکردہ باشم"
(ص ۱۸۶ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ
مطبوعہ ایران)

اس امت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز و زکوٰۃ .... قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی میں اس حق کو پورا ادا نہ کر سکوں گا جو تمہارا میرے ذمہ ہے۔

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقعہ پر لکھا ہے :-

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضۃ اظھر منہ فی سائر طوائف اھل القبلۃ۔

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہلِ قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر و نمایاں ہے۔

(ص۱۵ منہاج السنۃ)

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ اِن ہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے ان کا بس چلتا تو حسینؓ کو بجبر روک لیتے۔ خود ابومخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے بھتیجے سے فرمایا :-

واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعرک و ناصیتک حتی یجتمع علی و علیک الناس اطعتنی لفعلت ذٰلک

(ص۲۱۶ ج۶ طبری)

قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے بال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے کو جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا۔

طبری کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ لکھا ہے مثلاً علامہ ابن کثیرؒ "لنشب یدی فی راسک" لکھتے ہیں جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بجبر روک لوں۔ غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث مباحثہ اور زد و قدح اسی بنا پر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی

زد و قدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ "آپ" بہت بوڑھے ہو گئے" گویا سٹھیا گئے ہیں۔ "انک شیخ قد کبرت"۔ (ص۱۶۳ ج۸ البدایہ والنہایہ) مگر مفادِ امت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، اِن کی اور اِن کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کئے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور یہ عاقلانہ مشورہ دیا :-

فان کنت سائرا فلا تسر بنسائک وصبیتک فواللہ انی لخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ و نساؤہ وولدہ ینظرون الیہ۔

(ص۲۱۶ ج۶ طبری، ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ۔ ص۱۱۱ مقاتل الطالبین)

پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ بخدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی حالانکہ اِن ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اِن کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے۔ انی واللہ لاعلم انک ناصح مشفق (ص۲۱۶ ج۶ طبری) ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں :-

تو پسر عم پدر منی و ہموارہ پدر مرا برای امر زین و اندیشہ متین در کارہا متفق بودہ ناصحی مشفق گشتہ۔

(ص۱۶۱ ج۱ از کتاب دوم)

آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی دقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔

اِن ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ اِن کو

اُس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کے گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال (الحسین) لایبعد اللہ ابن عبّاس فظننا انہ انما قالھا حین سمع بکاؤھن لانہ قد کان نھاان یخرج بھن۔ (صفحہ ۲۳۳ جلد ۲ طبری۔ ص۱۶۹ ج۸ البدایہ والنہایہ)

(حسینؓ) نے کہا۔ خدا کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی، یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہلِ حرم کی گریہ وبکا سنی۔ کیونکہ ابنِ عباسؓ نے اِن کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت حسینؓ کے حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اِس بناء پر نہ تھی کہ امیرالمؤمنین یزیدؒ ان کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اِس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اِس سلسلہ میں اِن کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اِن کی زوجہ سیّدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرفدار تھیں اور اُن کی اولاد سے بڑی محبّت کرتی تھیں وہ ان کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ اِن دونوں میاں بیوی میں اِس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہونچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیّدہ اُمِّ کلثومؓ سے جو اِس وقت بیوہ تھیں نکاح کرلیا۔ علّامہ ابن حزمؒ اِس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اُمِّ کلثوم بنت علیؓ بن ابی طالب وبنت بنت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اوّلاً (حضرت) عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد

عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں۔ یہ وفات پاگئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا، اِن کے فوت ہوجانے پر عبداللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا"

ثم خلفت علیھا بعد عبد اللہ بن جعفر ابن ابی طالب لجد طلاقہ لاختھا زینب۔

ان کے بعد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۳۳)

سیّدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے دو اولادیں تھیں ایک فرزند علیؒ جو حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ کے داماد تھے اور دوسری ایک صاحبزادی اُمِّ کلثومؒ تھیں جن کو حضرت عبداللہ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمّد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ ان کے فوت ہوجانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۱) حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادہ علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؒ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے تین دو بیٹے عون و محمّد جو دوسری بیویوں سے تھے ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آگے آتا ہے قافلہ کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے۔ غالی راویوں نے حضرت ابن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کے لئے روایتیں وضع کی ہیں جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیقِ مزید

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی اِن گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور

کچھ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول وقرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ اِن لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ اِن سے دُور ہی رہیں۔

مرۃ یرید ان یسیر الیہم ومرۃ یجمع الاقامۃ عنہم

(ص۱۶۱ البدایہ والنہایۃ)

اطمینانِ مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؓ کو جو دوسرے رشتے سے بہنوئی بھی تھے تحقیقِ حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول وقرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تکن الاخری فعجل الانصراف (ص۲۲۳ اخبار الطوال) مسلم کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ قدیم راوی ابو مخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اُس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کر لیا انہوں نے اِس واقعے سے شگون لیا اور کہا کہ انشاءاللہ دشمن ہمارا مارا جائے گا۔ فقال مسلم یقتل عدونا انشاءاللہ۔ (ص۱۹۹ ج طبری)

اِن کے کوفہ پہنچنے کے بعد لوگوں نے حضرتِ حسینؓ کی خلافت کے لئے انکے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اِس کام میں اِن کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبایعوہ علی امرۃ الحسین وحلفوا لینصرنہ بانفسہم واموالہم۔

(ص۱۵۲ ج البدایہ والنہایۃ)

طبری اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہلِ کوفہ کی آمادگی کا یہ حال

دیکھ کر حضرتِ حسینؓ کو حسبِ ذیل تحریر ارسال کی :۔

امّا بعد فان الرائد لا یکذب اھلہ وقد بایعنی من اھل الکوفۃ ثمانیۃ عشر الفا فعجل الاقبال حین یاتیک کتابی فان الناس کلھم معک لیس لھم فی آل معاویۃ رای ولا ھوی والسلام۔

(ص۲۱۱ ج طبری)

اما بعد۔ پیشامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لئے اٹھارہ ہزار اہلِ کوفہ نے بیعت کرلی ہے میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جیئے۔ کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں آلِ معاویہ (یعنی امیر یزیدؒ) ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اِس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ اِن کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ وفساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی :۔

امیر الکوفۃ النعمان بن بشیر خطب الناس ونھاھم عن الاختلاف والفتنۃ وامرھم بالائتلاف والسنۃ وقال انی لا اقاتل من لا یقاتلنی ولا اثب علی من لا یثب علی ولا اخذ کم بالظنۃ ولکن واللہ الذی لا الہ الا ھو

امیر کوفہ (حضرت) نعمان بن بشیرؓ نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان کو اختلاف و فتنہ وفساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سنّت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اس پر حملہ نہ کروں گا اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا

لئن فرقتم امامکم ونکثتم بیعته لاقاتلنکم مادام فی یدی من سیفی قائمة"۔

(ص۱۵۳ ج۸ البدایہ والنہایہ)

لیکن قسم وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہو گئے اور بیعت ان کی فسخ کر دو گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم ہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمانؓ صورتحال پر پوری طرح قابو نہ پاسکے۔ خلیفۂ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے مامور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر سپرد کر دی۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد نے بعجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہونچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کر لیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبیداللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ مجتمع کیا ۔ یا منصور امت" شعار (WATCH WORD) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے انھیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمٰن بن کریز الکندی علی کندة و ربیعة وعقد لمسلم بن عوسجة علی مذحج واسد وعقد لابی ثمامة الصیداوی

پس مسلم نے عبدالرحمٰن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابی ثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو

علی تمیم وھمدان وعقد للعباس بن جعدة بن هبيرة علی قریش والانصار فتقدموا جمیعًا حتی احاطوا بالقصر واتبعھم ھولاء فی بقیة الناس وتحصن عبیداللہ بن زیاد فی القصر مع من حضر مجلسه فی ذلك الوقت من اشراف اھل الکوفة والاعوان والشرط وکانوا مقدار مائتی رجل

(ص۲۵۳ اخبار الطوال)

قریش اور انصار پر متعین کیا اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اسکو گھیر لیا ان کے بقیہ لوگ بھی پہونچ گئے عبیداللہ بن زیاد مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دو سو اشخاص سے زیادہ نہ تھی محصور ہو گئے۔

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہو کر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:-

یا اھل الکوفة اتقوا اللہ ولا تستعجلوا الفتنة ولا تشقوا عصا ھذہ الامة ولا تورِدوا علی انفسکم خیول الشام فقد ذقتموھم وجربتم شوکتھم۔

(ص۲۵۳ اخبار الطوال)

اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ و فساد کو دعوت مت دو اور اس امت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔

ان باتوں کو سن کر اور قوی آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سنکر جس میں اطاعتِ امیر کے وجوب اور خروج وبغی کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کئے گئے تھے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جو لوگ قصرِ امارت کو گھیرے ہوئے تھے ان کے اعزہ واقربا آن آن کر اُن کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ :-

وتجئی المرأۃ الی ابنھا وزوجھا واخیھا فتتعلق بہ حتی یرجع

(ص۲۵۲ اخبار الطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہونچیں اور ہٹ جانے کے لئے منتیں کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں۔

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہوکر بغاوت کی پاداش، نیز قصرِ امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی تلوار چلانے کی سزا میں قتل کئے گئے۔ ان کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی تو کوئی حکومت یا اس کا عامل ملک کے نظم ونسق کو ہرگز قائم وبرقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کئے جانے سے پہلے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا، میری لاش کی تدفین کرنا اور حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کردینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا

قصد نہ کریں۔ راستہ ہی سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مؤرخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :-

ابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصدًا من قبلك یعلمہ حالی وما جرت الیہ من غدر ھولاء الذی زعموا انھم شیعتہ واخبرہ بما کان من نکثھم بعد ان بایعنی منھم ثمانیۃ عشر الف رجل لینصرف الی حرم اللہ فیقیم بہ ولا یغتر باھل الکوفۃ

(ص۲۵۲ اخبار الطوال)

حسین بن علیؓ کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو ان سے میرا یہ سب حال بتائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے کو ان کا شیعہ کہتے تھے وہ ان کو یہ بھی اطلاع دے دے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر ان کے لئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا وہ حرم اللہ (مکۂ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرّہ نہ کریں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

عمر بن سعدؓ نے مسلم بن عقیلؓ کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مؤرخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کو مسلم کا پیغام قاصد کے ذریعہ پہونچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کے بجائے عمر بن سعدؓ کو اجازت دی فاجاز ذلك کلہ (ص۱۵۷ ج البدایہ والنہایۃ) اور کہا کہ اگر حسینؓ یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں اُن سے کوئی تعرض نہیں۔

کوفہ کو روانگی :- اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیلؓ کی کوفے سے یہ رپورٹ

موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعتِ اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں۔ حضرت حسینؓ کو کوفیوں کی وفاداری وجاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ وتذبذب باقی نہ رہا۔ عزمِ سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباسؓ سے اُٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ سامانِ سفر اور اسلحہ کی درستی ہونے لگی۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو ان ہی ایام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائگی کے لئے مکہ پہونچا تھا:۔

دخلتُ الحرم فی ایّام حج و ذالك فی سنة (۶۰) اذ لقیتُ الحسین بن علیؓ خارجاً من مکّہ معہ اسیافہ واتراسہ فقلتُ لمن هذا القطار فقیل للحسین بن علیؓ۔

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علیؓ کو مکہ کے باہر پایا تلواریں اور ڈھالیں ان کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار (اونٹوں کی) کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علیؓ کے ساتھ ہے۔

(ص۲۱۹ ج طبری، وص۱۶۶ ج البدایہ والنہایہ)

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا۔ لیکن ان راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مورخین نے نقل کر دیا ہے۔

بر خلاف ان کے علامہ ابن کثیرؒ نے ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ:۔

فخرج (الحسینؓ) متوجہا الیھم (اھل الکوفة) فی اھل بیتہ وستین شخصاً من اھل الکوفة صحبتہ وذٰلك یوم الاثنین فی عشر ذی الحجہ۔

پس حسینؓ اپنے اہل خاندان اور ۶۰ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہونچ جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ کی دسویں تھی۔ دن سوموار یعنی پیر

عبدالغنی

(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ)

معمولی حالات میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابلِ لحاظ نہ ہوتا۔ لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور ان کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد سئو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ فریضۂ حج ترک کر کے مسافتِ بعیدہ پر یکایک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہو سکتا تھا اس لئے فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کر کے غالی راویوں نے حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیل سفر کی وجہ یہ بیان کرائی ہے۔

سوال فرزدق — ما اعجلك عن الحج ؟

ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ آپ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں ؟

جواب حسینؓ — لو لم اعجل لاخذت۔

میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔

(ص۲۱۸ ج طبری ص۱۶۶ ج البدایہ والنہایہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیل سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابلِ قیاس ہے یا نہیں، اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:۔

اولاً : حضرت حسینؓ اور ان کے اعزہ و اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار توسب پر روشن ہے، اِن ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اور اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزتِ نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا۔ ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزورِ طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضۂ حج بھی ترک کر دیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا صرف ایک رات ہی تو درمیان تھی۔

ثانیاً : جملہ مؤرخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہ شعبان و رمضان و شوال و ذلقعدہ نیز ماہِ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام۔ اور اِس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے اِن کے پاس آتے جاتے اور بیعتِ اطاعت کے حلف اٹھاتے رہے۔ ساٹھ کوفی معیت میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت پوری طرح باخبر تھی با ایں ہمہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا نہ خط و کتابت پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً : حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدحام نہ رہا تھا۔ شہر کی محدود آبادی اپنے معمول پر تھی عاملِ مکہ کو حکم بھیج کر بآسانی ان کے خلاف کارروائی کی

جا سکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت اوراقِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً : جبر و تشدد کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المؤمنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ کیونکہ عراق کے لوگ اِن کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً : جب اِن چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ بہ ایامِ حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں حدودِ حرم کے اندر، جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود رہا۔ حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذباتِ محبت قدرتاً وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جانا ممکن ہو سکتا تھا۔ جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعتِ ثانیہ تھا۔ زمانۂ اسلام میں تو حدودِ حرم کے بارے میں صریح احکامِ شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمران یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً و حتماً اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے یہ کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد

دمشق ہر گذار اور طویل سفر کی صعوبتیں اُٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بسہولت و بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردار خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اسکو معزول کرنا یا ان کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیساکہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظمہ میں تھا جہاں مملکتِ اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحراو بیابان کی تیس منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ ان کے والد اور برادر بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضکہ تعجیل سفر کی جو وجہ اِن راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابلِ پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مولف کتاب "مقتل حسین بن علیؓ" یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے روانگی کوفہ کی صحیح تاریخ کے تعین کا مزید ثبوت بہم پہونچتا ہے۔

تاریخ روانگی کوفہ کا مزید ثبوت

واضح ہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لئے حضرت علیؓ کو صحابہ کی

ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا اکار مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلۂ اموال ایام حج کے ایام میں مکہ معظمہ پہونچ گئے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری نیز اسد الغابہ جزو اول ص ۱۶۶ و مسند امام احمد بن حنبلؒ جزو ۵ ص ۳۵۰-۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعے سال تمام پہ اس اہتمام اور پروگرام سے مستقر خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظمہ پہونچ جاتا اور اہل قافلہ حج ادا کر لینے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر دمشق جاکر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال و خلیفہ وقت کو پیش کر دیتے، محاصل و اموال میں یمنی چادریں، حلّے و پوشاکیں و دیگر اشیاء نفیسہ ہوتیں علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبویؐ میں کیا تھا اس میں دیگر شرائط .... کے علاوہ دو ہزار حلّے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی، دیگر کتب تاریخ و سیر کے علاوہ مورخ مسعودی نے بھی لکھا ہے۔

وصار الیہ راعنی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذہ السنۃ السید والعاقب وافدا اھل نجران یسئلانہ الصلح فصالحھا عن اھل نجران علی الفی حلۃ فی السنۃ وغیر ذالک -

(ص ۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ برلن ۱۸۹۴ء)

اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے ان کے مذہبی سرداروں نے جو السید اور العاقب کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپؐ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں

پس آپؐ نے ان کے ذریعے اہلِ نجران کی
طرف سے دو ہزار حلّے سالانہ کی ادائیگی پر معاہدۂ
صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے خلیفہ بلا فصل اور امام اوّل حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے تجدیدِ معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا تھا۔ وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق یعنے ان پر واجب ہے کہ (اسلامی حکومت کے) خیرخواہ رہیں اور ہمارا جو حق (جزیہ کا) ان پر واجب ہے ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہلِ نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سباء بھی تھا معاہدہ کے مطابق اموالِ جزیہ میں حلّے (پوشاکیں)، بردِ یمانی و دیگر اشیاءِ نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عاملِ یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفۂ وقت کو سال تمام بہار رسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحۂ کربلا کے اوّلین راوی (مؤلف "مقتل حسین بن علیؓ") نے بیان کیا ہے اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل را چہ عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ اخبار الطوال، ابو الفدا، ابن اثیر، ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے۔ جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے را نگریست کہ مبلغ بردِ یمانی و پارہ ورس و بعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد و این جملہ را بحیر بن یسار حمیری کہ عاملِ یمن بود بنزدیک یزید انفاذ داشتہ بود۔ حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آن احمال را ماخوذ داشت و شتربانان را فرمود اگر خواہید با ما سفر عراق میکنید و شتران خود را بہای کری از ما می ستانید و اگر نہ بہای کری تا این جا کہ حمل دادہ اید بگیرید و باز شوید جماعتے ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند و گروہے بہای کری بگرفتند و باز شدند۔

(مشتق از کتاب دوم ناسخ التواریخ ۲۰۹
مطبوعہ ایران)

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہونچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ ورس (خوشبو بوٹی) اور کچھ نفیس اشیا لئے جا رہا تھا اور ان سب کو بحیر بن ریسان حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالےٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا ان اموال کو ماخوذ کر لیا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر میں چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری کا جو کرایہ تمہارا ہوتا ہے وہ لے لو۔ شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک

گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور
لوٹ گئے ۔[۱]

مؤرخین میں سے کسی نے بھی ابو مخنف یا سانحہ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و روایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی، بے چون و چرا نقل در نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہ کوفہ (جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے) یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں، یمن سے جو قافلہ مکہ سے گذر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔ جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہونچ سکتا۔ اِلّا یہ کہ مکے سے چار میل چل کر تنعیم جائے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے۔ پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مؤرخین نے ابو مخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے یمنی قافلہ نظر پڑا جو امیر المؤمنین یزید کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔

---

[۱] یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا۔ جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہونچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔ مگر ان مؤرخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

"لما فصل الحسین بن علی من مکۃ سائراً وقد وصل الی التنعیم لحق عیراً مقبلۃ من الیمن علیہا ورس وحناء ینطلق بہ الی یزید بن معاویۃ فاخذھا و ما علیہا وقال لاصحاب الابل من احب منکم ان یسیر معنا الی العراق الی آخرہ۔"

(ص۲۴۵ اخبار الطوال)

(جب حسین بن علیؓ سفر پر جاتے ہوئے مکہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے تو انہیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا جس (کے اونٹوں) پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ (مال) یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے (اس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا وغیرہ وغیرہ)۔

ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بنا پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے ان علامۂ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

---

[۱] ذ یہ کتابت کی غلطی ورنہ لفظ "حلل" کی خرابی ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم نے "حلل" (پوشاکیں) کو "حلی" سمجھ کر "زیورات" ترجمہ کیا ہے۔

ان الحسين اقبل حتى مر بالتنعيم
فلقي بها عيرًا قد اقبل بها
من اليمن بعث بها بحير بن
ريسان الحميري الى يزيد بن
معاوية وكان عامله على اليمن
وعلى العير الورس والحلل ينطلق
بها الى يزيد بن معاوية
فاخذها الحسين فانطلق بها
ثم قال لاصحاب الابل لا اكرهكم
من احب ان يمضي معنا الى
العراق - (الى آخره)

(ص۲۱۸ ج۶ طبری)

جب حسینؓ (سفر عراق) پر روانہ ہوئے یہاں
تک کہ مقام تنعیم پر پہنچے تو ایک قافلہ
ملا جو یمن سے آ رہا تھا اور جسے بحیر بن ریسان
حمیری نے یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا
تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا اور
اس قافلہ کے پاس ورس اور حلے (پوشاکیں)
تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جا رہے
تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ کو) ماخوذ کر لیا
اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ
والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا
تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق
چلے اس کو کرایہ وغیرہ دیا جائیگا وغیرہ)

اب ایک اور علامہ وقت امورخ و محدث ابن کثیرؒ کا ارشاد بھی ملاحظہ
ہو جنہوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار
نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے اس لئے ہم بھی
نقل کئے دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایات کو
نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے
مقام پر پہونچے ان کو عامل یمن بحیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر ورس
حلل کثیرۃ" یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان

یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ اس کو حضرت حسینؓ نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب
الجمال علیها الی الکوفة ودفع علیهم اجرتهم (یعنی اونٹ
والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور ان کی اجرتیں بھی ادا کر دیں۔
یمن کے صدر مقام صنعاء سے مکہ معظمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے۔ (ص۱۶۶ ج۸ البدایہ والنہایہ)

من مكة الى صنعاء احدى وعشرون مرحلة۔

مکہ سے صنعاء (یمن کا صدر مقام) اکیس منزلوں پر ہے۔

(ص۱۰۲ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ بریل ۱۸۹۲ء)

یمنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظمہ
وارد ہوا تو اہل قافلہ کو جن میں عامل یمن کے فرستادہ اہل کار بھی شامل تھے جو اموال
بیت المال کو بحفاظت خلیفۂ وقت کے پاس لے جا رہے تھے۔ ایسا کیا خوف
دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافات شہر
میں سے تنعیم کے مقام پر پہونچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل
کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے قطعاً ثابت ہے کہ حسب معمول و دستور
قدیم یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے
گذرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے تو ظاہر ہے کہ
حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی
ایام تشریق میں سے ۱۳ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔

مدینہ منورہ
راہ بطرف مدینہ
عسفان
تنعیم
مکہ معظمہ
جعرانہ
وادی نخلہ
بستان ابن عامر
ذات عرق
راہ بطرف یمن
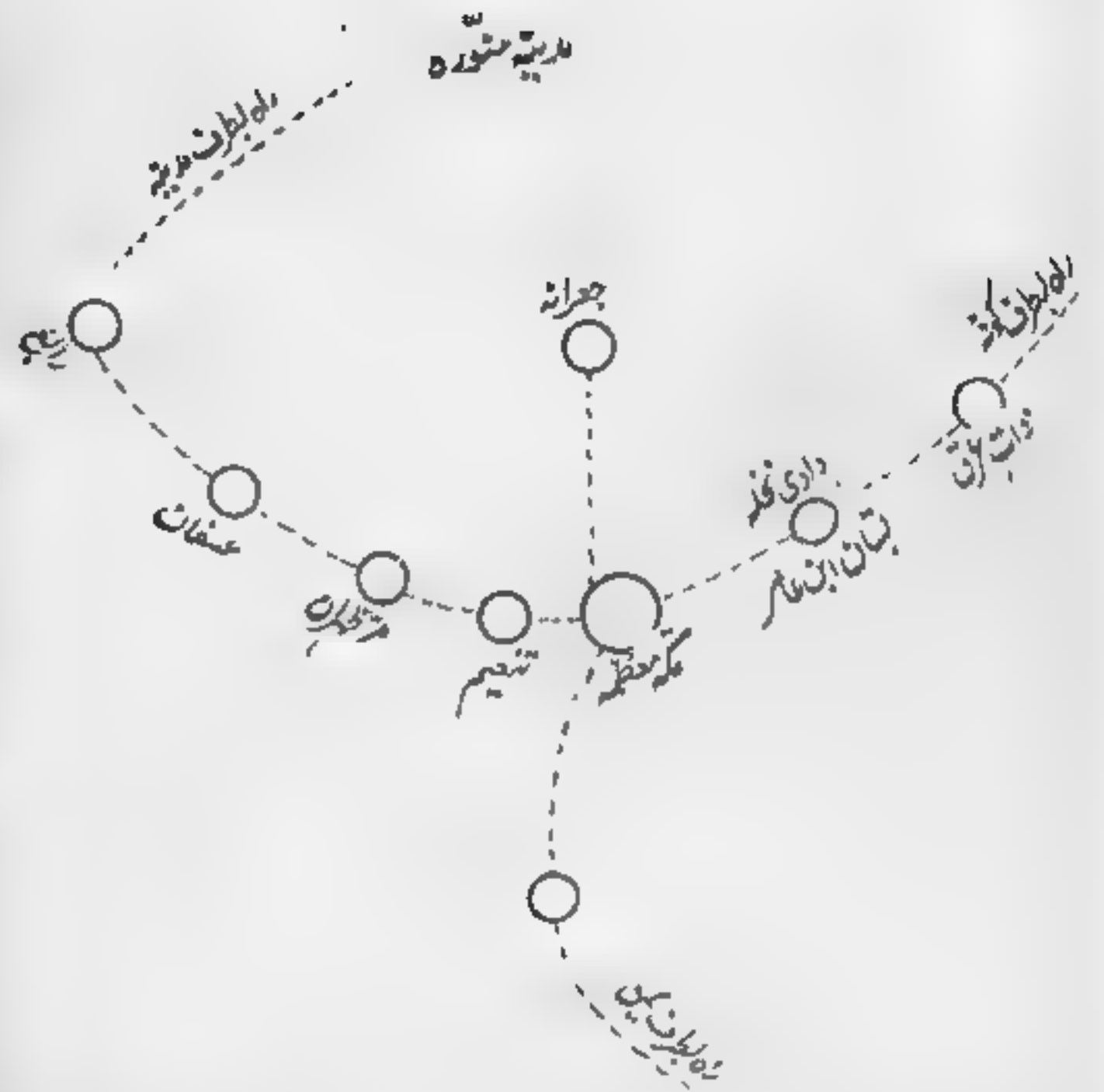
تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ صلوٰت اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد بھی "مسجد عائشہ" کے نام سے یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح سے کیا ہے۔

التنعیم۔ موضع بمکة فی الحل و هو بین مکة وسرف علی فرسخین من مکة وقیل اربعة وسمی بذلك لان جبلا عن یمینه یقال له نعیم واخر عن شماله یقال له ناعم والوادی نعمان وبالتنعیم مساجد حول مسجد عائشه وسقایا علی طریق المدینه منه یحرم المکیون بالعمرة۔

تنعیم۔ مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے اترنے کا مقام ہے اور مکہ و سرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور دوسرا شمال کی جانب جس کو ناعم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہ مدینہ پر ہیں اہل مکہ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔

(ص ٤١٦ ج ٢ معجم البلدان یاقوت حموی۔ مطبوعہ لیپزگ سنہ ١٨٦٨ء)

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مولفین کتب بلدان و جغرافیہ نیز مسلم و غیر مسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے متصل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گذر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام سے ہوا تھا اپنے رحلہ (حصہ اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

التنعیم وهو علی فرسخ من مکة ومنه یعتمر اهل مکة وهو ادنی الحل الی الحرم ومنه اعتمرت ام المؤمنین عائشه رضی الله عنها

التنعیم جو مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے یہ وہ مقام ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حدود حرم سے قریب ترین زون کا ہے اور یہیں سے ام المومنین

حين بعثها رسول الله صلى الله عليه وسلم تسليماً فی حجة الوداع مع اخيها عبد الرحمٰن رضی الله عنهٗ وامرهٗ ان يعمرها من التنعيم وبنيت هنالك مساجد ثلاثة على الطريق انتسب كلها الى عائشة رضی الله عنها وطريق التنعيم طريق فسيح - (الی آخرہ)

(ص۸۵ رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت احرام باندھا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع میں ان کے بھائی عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ ادائے حج کے لئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہیں تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔

(الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہل مدینہ سیر و تفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں مسٹر رچرڈ برٹن جنہوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین (مکہ و مدینہ منورہ) کا سفر کر کے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے تنعیم کو العمرہ بھی کہتے ہیں - اس کے نواح میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پکنک کے لئے جایا کرتے ہیں۔

(حاشیہ ص۲۴۳ سفر نامہ سر رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہر گرونج نے اپنی تالیف "مکہ انیسویں صدی میں" تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہل مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں (ص۲۴۵) زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جا کر کی ہے اور اس سلسلہ میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی پوری تغلیط و تکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسینؓ قبل حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہونچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جا رہا تھا ماخوذ کیا اور شتر بانان قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مورخین نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکان حج کلیتہً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نماز ظہر بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ (حج صغیر) سے فارغ ہو کر سفر پر روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

خرجنا حاجين من الكوفة حتى قدمنا مكة فدخلنا يوم التروية

حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل ہوئے

فاذا نحن بالحسین وعبد اللہ بن الزبیر۔ انهما اخفیا کلامهما دوننا فما زالا یتناجیان حتی سمعنا دعاء الناس رائحین متوجهین الی منی عند الظهر قال فطاف الحسین بالبیت وبین الصفا والمروة وقص من شعرہ وحل من عمرة ثم توجه نحو الکوفة وتوجهنا نحو الناس

(ص۲۱۶ ج طبری۔)

(ص۱۶۷ ج البدایہ والنہایہ)

تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہمارے ان کے قریب پہونچنے پر وہ چپکے چپکے باتیں کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ظہر کے وقت کہ لوگوں کو منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے بیت اللہ کا طواف کیا، صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرہ سے محل ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے اور ہم ان لوگوں کی طرف جو (منیٰ کو جا رہے تھے)۔

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرہ سے فارغ ہو کر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانب شرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانب غرب راہ کوفہ پر نہیں بلکہ راہ مدینہ و دمشق پر آتا ہے کیونکر پہونچ گئے اور یمنی قافلہ کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گذرتا۔ دو دن پہلے ہی کیسے ماخوذ کر لیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا مرکز تنعیم پہونچنا اور یمنی قافلہ کا اسی دن ماخوذ کر لینا صحیح نہیں یا پھر

وہ بھی ۸ رکے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے کوفہ روانہ ہوئے پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مورخین اخبار الطوال، طبری، ابو الفداء، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے نیز ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرون شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ بآسانی ماخوذ کیا جا سکتا تھا۔ فرزدق[1] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان ہی مورخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کر لینے کے بعد میں اپنے اہل و عیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا عسفان جانے کا راستہ تنعیم ہی ہو کر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسین سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی ان کے پاس "پوشاکیں اور ڈھالیں" تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے درمیان مشاش سے مضافات مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔ فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی

---

[1] فرزدق بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ کا خسر اعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا حضرت عثمانؓ کے تابعین میں شامل تھا اعانا علی قتل عثمانؓ ص۲۱۹ جمہرہ بن ابن حزم فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کہ وہ بھی شاعر تھا سبائی پارٹی کے لوگ تھے اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبطہ بھی اسی قماش کے تھے لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ المحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا یہ بیٹے غیر معقب ہے۔ فرزدق مقطوع النسل ہے۔

قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونیکا ذکر آیا ہے
فرزدق کہتا ہے ؎

لقیتُ الحسین بارض الصفاح	ارض صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات
علیه الیلامق والدرق -	کی انکے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں تھیں

(ص۳۶۶ ج ۳ معجم البلدان)

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

الصفاح: موضعٌ بین حنین و	الصفاح : یہ ایک موضع وادی حنین
انصباب الحرم علی سیرۃ الداخل	اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم)
الی مکة من مشاش وھناک	کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخل
لقی الفرزدق الحسین -	کے راستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی
(ص۳۶۶ ج۳ معجم البلدان یاقوت حموی	ملاقات حضرت حسینؓ سے ہوئی تھی -

مطبوعہ لیپزگ ۱۸۶۶ء)

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغۂ جمع آیا ہے
اس کا واحد "یلمق" ہے جو ایک دھاریدار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی
بُرد، ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی ۔ شاعر کی مراد اگر حضرت حسینؓ
کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغۂ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے
اور یلمق کے بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد ان ہی
(حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہوسکتی ہے جو سرکاری قافلہ یمن سے
مع دیگر اشیائے نفیسہ براہ مکہ و مدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جا رہا تھا۔

اونٹوں کی قطاروں تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ (الیلامق) کا ہونا اس امر
کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے فریضۂ
حج ہوئی تھی - اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوذ کر لیا
گیا تھا - اور قافلہ کے ساتھ عامل یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں تھیں -

اجتہادی غلطی

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات
کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت
پیش آیا جب مسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہو چکی تھی
کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کر لی ہے اور ال
"معاویہ" سے ان کو اب کوئی سروکار نہیں رہا - ان حالات میں حضرت موصوف
کا یہ موقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہو جاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے
سلسلہ میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہو گیا آپ کی یہ رائے اور
اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہ
ضرور محل نظر ہے کہ "حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب
خدائی خاص او بود آن احمال را ماخوذ داشت" اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما
المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب
مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں، رشتہ اور نسبی تعلقات کی
کوئی تخصیص نہیں ۔ سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نسباً ہاشمی و
مطلبی ہیں لیکن قرآن حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ کو صرف
رسالت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے - آپ کا تعلق براہ راست ہر امتی

سے ہے اور آپ کے فیضان میں رنگ و نسل اور زبان و ملک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔
(قرآن الحکیم)

محمد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے:۔

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
(قرآن الحکیم)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔

آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جاسکتا اور آپ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ اُمت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔ آپ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نبی ہیں اور باقی سب اُمتی۔ اُمتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ

اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قومیں اور قبیلے بنادیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو

عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔
(سورۃ الحجرات ۱۲)

پہچان سکو یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک وہ ہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

کان اللہ تعالٰی قد حکم بان الاکرم ھو الاتقی ولو انہ ابن زنجیۃ لخبیثۃ۔
(ص جمہرہ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بنے نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ ہے ازواجِ مطہرات کی حیثیت کا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات تمام اُمت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر اُمتی ان کا فرزند ہے۔ یہی ازواج اہلبیت رسولؐ (رسولؐ کی اہلِ خانہ و اہلیہ) ہیں ان ہی کی شان میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ازواج صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب اُمتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں یعنی ابوت و اموت کا۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۔
(سورۃ الاحزاب)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کر دیا کہ حقوق و فرائض میں ہر اُمتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے جن کی پاسداری آپؐ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت ممکن ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپؐ کی زندگی میں ہوتا۔ آپؐ کو چونکہ اس اُمر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرور ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جا سکے گا۔ اس لئے آپؐ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپؐ کے خاندان کا اُمت پر مسلط نہ ہونے پائے۔

عہد نبویؐ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ثابت ہے کہ حکومت اسلامیہ کا کوئی ادنٰے ترین عہدہ بھی آپ نے خاندانِ نبوت (بنو عبد المطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔

آپؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، آپؐ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ و حضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا جسے آپؐ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ ۲۸ مرتبہ آپؐ غزوات کے سلسلے میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائب کا تعین کیا ان نائبین کی فہرست میں اموی و کلبی و انصاری و غفاری و مخذومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی و ہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہو گا۔

نمبر شمار	نائب مدینہ بایام غزوۂ نبی صلعم	تعداد نیابت
۱	عثمان بن عفان اُموی رضہ	۲
۲	زید بن حارثہ کلبی رضہ	۲
۳	ابو سلمہ عبد الاسد مخذومی رضہ	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاری رضہ	۳
۵	سعد بن معاذ " رضہ	۱
۶	سعد بن عبادہ " رضہ	۱
۷	عبد اللہ بن رواحہ " رضہ	۱
۸	سباع بن عرفطہ رضہ	۳
۹	ابارہم غفاری رضہ	۴
۱۰	عمرو بن قیس (ابن ام مکتومؓ)	۹
		۲۸

آپؐ کا آخری غزوہ تبوک تھا۔ جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرون حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لئے حضرت علیؓ کو متعین کیا۔ مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا ان کی اکثریت جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپؐ نے اپنے

رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔ اقوامِ عالم کا شعار ہمارے
سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام کے صدقات کو اپنا "حق" سمجھتے ہیں۔
اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصوّر کی جڑ
کاٹ دی گئی تھی۔ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل ذرائعِ آمد میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی
حصّہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقاتِ جاریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن
خزانۂ عامرہ کی کوئی مد ان کے لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غربا، اور حاجت مند افراد
کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل وہ مدیں ہیں جن میں ان کا حصّہ رکھا گیا
یعنی خمس اور فے۔ فقہا کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ اُمّت کی
اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو حصّہ غنیمت اور فے میں متعیّن
کیا گیا تھا وہ اوائلِ اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے
بعد جس طرح آپؐ کا حصّہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفا) کی طرف منتقل ہو گیا
اسی طرح بنو ہاشم کا حصّہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہدِ راشدین سے لیکر اموی
اور عبّاسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مالِ غنیمت
بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حلیف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت
جو مال وزر پیش کرتی تھیں ان سب کی مقدار ضروریاتِ عامّہ سے بہت زیادہ
ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو انکے نقیبوںؓ کے ذریعے
تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث

ؔلہ خلافتِ ہاشمیۂ عبّاسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے کو اس
نام سے موسوم کر کے جلبِ منفعت کے کاروبار میں لگ گئے۔

سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح ان رقوم کے علی السویہ تقسیم میں
دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر
عمل ہوتا تھا۔ چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں)
نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرزِ عمل کسی درجے میں بھی مستبدانہ قرار نہیں دیا
گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصّہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب
اسے اپنا ایسا حق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ مثلاً برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام
میں امتیازِ پست و بالا کا تصوّر نہیں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپؐ
نے سیاساتِ اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سدِّ باب
کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے
لوگ حجّت پکڑ سکیں۔ نیز یہ کہ آپؐ نے بطور طبقہ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل
مالیہ پر ان کا کوئی حق نہیں رکھا۔ یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپؐ صرف اللہ کے
رسول اور خاتم النبیّین ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اخوّت کے داعی
کی حیثیت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو روئے زمین پر
اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہو۔ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم
کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں پہونچائی جا سکتی کہ آپؐ کے نجی اور شخصی
وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپؐ کے رشتہ داروں کو اُمّت پر مسلط رکھنے کا
خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی
شخص کو "رتق و فتق امورِ مسلمانان کے لئے خدائے تعالےٰ کی جانب سے خاص حق
رکھا ہوا تھا"۔ حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا

ہو سکتا تھا کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا۔ لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد وطرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عاملِ مکہ کی کارروائی سے واضح ہو جاتا ہے۔

عاملِ مکہ کا اقدامِ مزاحمت

مورخین نے ابو مخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکہ سے جب حضرت حسینؓ سفرِ کوفہ پر روانہ ہوگئے تو عاملِ مکہ نے انھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی اِن کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے اِن لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابو مخنف کی یہ ہے۔

لما خرج الحسين من مكة اعترضه رسل عمرو بن سعيد نائب مكة عليهم اخوه يحيى بن سعيد فقالوا له انصرف، اين تريد؟ فابى عليهم ومضى وتدافع الفريقان وتضاربوا بالسياط والعصى، ثم ان حسينا واصحابه امتنعوا امتناعا قويا ومضى الحسين على وجهه ذلك فنادوه يا حسين الا تتقى الله تخرج من الجماعة وتفرق بين الامة بعد اجتماع الكلمة

(ص۱۶۶ ج۸ البداية النهاية۔ ص۲۱۸ ج۶ طبری)

جب (حضرت) حسینؓ مکہ سے (سفرِ کوفہ پر) روانہ ہوگئے عمرو بن سعیدؓ عاملِ مکہ نے اپنے بھائی یحییٰ بن سعیدؓ کی سرکردگی میں اپنے کچھ آدمی ان کے پیچھے بھیجے تاکہ انکو (سفر سے) روک لیں۔ ان لوگوں نے (حسینؓ کے) پاس پہونچ کر کہا کہ لوٹ چلو، کہاں جاتے ہو مگر انہوں نے اس سے انکار کیا اور چلے گئے (فریقین میں دھکا پیل اور کوڑوں اور لاٹھیوں سے مار پیٹ بھی ہوئی حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے شدید مقاومت کی اور حسینؓ یہ اپنے عزم جدھر جا رہے تھے چلے گئے ان لوگوں نے ان سے پکار کر کہا۔

اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جماعت سے نکلے جاتے ہو اور امت جب ایک بات پر متفق ہو چکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو

عاملِ مکہ عمرو بن سعیدؓ کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں

لہ عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ حضرت حسینؓ اور ابن الزبیرؓ کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے سے وہاں کے عامل تھے جب مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ پشتینی عامل تھے بنی امیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف و امتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض نے حبشہ کو ہجرت بھی کی۔ عمرو بن سعید کے تین چچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ حکم بن سعید بن العاص بن امیہ کو جن کا نام آپؐ نے عبداللہ رکھا قری عرینہ کا۔ ان کے بھائی خالد بن سعیدؓ کو صنعا کا اور ابان بن سعید کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ فتح مکہ کے زمانہ میں بچے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی ان کی حضرت کی پوشاک یعنی جو بعد میں ان کے نام کی نسبت سے سعیدیا پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے متکلم سخی اور خطیب شخص تھے ان کے اور ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحبِ تصنیف ہوئے۔ خود سیدنا سعیدؓ بن العاص آتنے بڑے عالم

بیان کیا گیا ہے، اس کے پیشِ نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب اِن چہ ہفتیوں کے دوران حکومت کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آ جا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی اس پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکایک اور بالخصوص اس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عاملِ مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیاراتِ تمیزی میں داخل ہو۔ ابو مخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور اِن کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا یہ تھا یا ہو سکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعتِ اطاعت و خلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت و خلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہو گیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے

---

۳ تاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کی نقلیں بلادِ اسلامیہ کے لئے تیار کرائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کر دیں۔ اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

جن میں اکابر صحابہ و تابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اِس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفۂ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو

۴ صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اِس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے جب تک کہ خود ان ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آ جائے چنانچہ بلاذری نے عاملِ مدینہ کے یہ فقرے نقل کئے ہیں جو انہوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

ليت حلمنا عنك لا يدعوا جهل غيرنا اليك فحنا به لسانك مغفور لك ما سكنت يدك فلا تخطر بها مُخطرُ تلكَ۔	ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہماری نرمی اور بردباری کا برتاؤ ہمارے سوا دوسروں کو جہالت پر آمادہ کر دے بس آپ کی زبان کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب تک آپ کا ہاتھ رُکا ہے آپ نے آپ اپنے آپ کو اس طرح ہلاکت میں نہ پڑنے دیجئے۔
(ص۱۵ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)	

یہ بیان بھی اِن ہی راویوں کا ہے کہ عاملِ مکہ کے علاوہ حضرت حسینؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ اِن میں سے ایکسٹرنگ کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کر کے ان کے پاس پہونچے یہ بزرگ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اِس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے ان کو اور حضرت ابن زبیرؓ کو جماعت سے

وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

فلحقه على مسيرة ثلاث ليال۔	(حضرت ابن عمرؓ تین راتوں کی مسافت طے کر کے انکے (حسینؓ کے) پاس پہنچے۔
(ص۱۶۰ ج البداية والنهاية)	

اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کر کہ آپ کو دنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ اُن کی ذریت ہو دنیاوی حکومت و خلافت کی طلب سے علیحدہ رہو یہ تم کو حاصل نہ ہوگی انك بضعة منه ولاتنالها۔ یعنی الدنیا (ص۱۶۳ ایضاً) حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی یہ کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص۶۱ جمہرۃ الانساب) ان کے سترہ بیٹے تھے بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ الطالب)۔ مؤلف عمدۃ الطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ ان کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص۶۱ جمہرۃ الانساب ابن حزم و ص۱۷ عمدۃ الطالب)

یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جعفر بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس الخثعمیہ سے آٹھ بیٹے تھے یعنی عبداللہ، عون و محمد الاکبر و محمد الاصغر و حمید و حسین و عبداللہ الاصغر و عبداللہ الاکبر (ص۳) یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ اِن کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسين عليه السلام يوم الطف۔	لیکن عون اور محمد الاصغر یہ دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ یوم طف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔
(ص۳ عمدة الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ)	

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر و عون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (ص۱۱ جمہرۃ ابن حزم) بہر حال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد قتیل کربلا حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ جمانہ بنت المسیب الفزاریہ کے بطن سے تھے

اور اِن کے سوتیلے بھائی محمد مقتولِ کربلا کی والدہ الخوصا بنت خصفہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۹ مطبوعہ مصر)۔

راقم الحروف نے یہ تفصیل اِس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابنِ جعفرؓ جب اِس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں جدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی انکی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جانے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبداللہ بن جعفرؓ عاملِ مکہ کے بھائی یحیٰی بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں ان کا بھیجا جانا حسینی قافلہ کی شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اِسی غرض سے تھا جس کے لئے فرستادگانِ عاملِ بھیجے گئے تھے۔ اور اگر یہ دو فرزندانِ ابن جعفرؓ بھی عاملِ مکہ کے فرستادگان کی طرح اپنے مشن

لہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب انکے والدین ابتدائے بعثتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے ان کے والدِ ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندانِ رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے نوجوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہد نبوی صلعم میں عرب سے باہر

میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولینِ کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبداللہ ابن جعفرؓ کے بھائی تھے اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ اِن کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابو مخنف نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی اِن کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادرِ نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کو ان کی روانگی کے بعد بھیجی تھی اس میں

غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا حضرت اصحمہ نجاشی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان کے بھی ایک بیٹا اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبداللہؓ تولد ہوئے تھے اس کا نام بھی عبداللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبداللہؓ اور اِن کے دوسرے بھائی آنحضرت صلعم کے ظلِ عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے آپؐ نے حضرت جعفرؓ کے اِن بچّوں کے بارے میں فرمایا تھا: انا نعم عوضًا من ابیہم یعنی میں اِن بچّوں کے باپ کے بجائے ہوں حضرت عبداللہ جعفرؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سنِ تمیز میں شرفِ صحابیت حاصل تھا تیرہ حدیثیں اِن سے مروی ہیں۔ وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے۔

لکھا تھا :-

ان هلکت الیوم طفی نور اسلام
فانک علم المھتدین ورجاء
المؤمنین۔

اگر تم یوں ہلاک ہوگئے تو نورِ اسلام جاتا رہے گا کیونکہ تم اہلِ ہدایت کے رہنما ہو اور اہلِ ایمان کا سہارا ہو۔

(ص۲۶ ج البدایۃ والنہایۃ و ص۲۱۹ ج طبری)

طبری نے "نورِ اسلام" کے بجائے "نور الارض" کے الفاظ لکھے ہیں ہر کیف "نور الاسلام" کے لفظ ہوں یا "نور الارض" کے یہ فقرے ان راویوں کے ذہنی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نور ہو یا دنیا کا کسی فانی انسان کا موت و زیست پر نہ نورِ اسلام کا مدار ہے نہ نورِ ارض کا۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے اِن کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں۔ جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے نورِ اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ اِن بزرگ ترین ہستیوں کے دارِ فانی سے گذر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نورِ ارض کی درخشانی میں، سرورِ عالم و عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے زیادہ اور کون دن مسلمانوں کے لئے غم واندوہ کا ہوسکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرتناک سماں ابن جعفرؓ کا اپنی آنکھوں کا دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں نہوں نے بعد رسول صلعم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ کے یارِ غار حضرت ابوبکر الصدیقؓ صفی النبی صلعم کے منہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سُنے تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ مَنْ کَانَ
یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا
قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ
فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے، محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود جانتا ہے تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد صدیقِ اکبرؓ کا قرآن مجید کی اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا۔ دیگر صحابہ کی طرح جو یہاں موجود تھے ابن جعفرؓ کو بھی یاد رہا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ
وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ
فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی
اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ۔

اور محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل کردیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائیگا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچا ئیگا اور اللہ شکر گذاروں کو عنقریب جزا دیگا

اِن حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ تو جیسا ذکر ہو چکا ہے سن وسال میں حضرت ابن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادرِ خورد کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر کے تھے[1]۔

---

[1] ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص۶۹) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب [illegible] میں ہوئی تو یہ [illegible] میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اسوقت تین چار سال کی ہوگی۔

ادرك الحسين من حياة النبی صلی اللہ علیہ وسلم خمس سنين او نحوها۔

(منٹ۱۵۰ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی البعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جو ان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے، زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روی صالح بن احمد بن حنبل من ابیہ انہ قال فی الحسن بن علی انہ تابعی ثقہ وھذا غریب فلان یقول فی الحسین انہ تابعی بطریق الاولی۔

(منٹ۱۵۰ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے، یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجۂ اولےٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے (صحابہؓ کے زمرہ میں شامل نہ تھے)۔

اِن تمام حالات کے پیشِ نظر یہ کیسے باور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابنِ جعفرؓ نے اپنے ایک خورد کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ساختگی ہے۔ اِن ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنیٰ و مطالب حقیقت سے قطعاً بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت ابنِ عمرؓ اور فرزندان ابنِ جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے

پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ کے بجائے جیسا کہ یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا۔ ورنہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضۂ حج ترک کر کے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابلِ پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کر لیں یعنی پہلی منزل بستانِ ابنِ عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جا کر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:-

واقبل الحسين مغذا لا يلوی شئ حتی نزل ذات عرق

(منٹ۲۱۹ ج۶ طبری)

اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شئے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا یہاں تک منزلیں چھوڑتے ہوئے ذاتِ عرق جا کر اُترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن ایک ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دو سو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو یا خاص حالات میں ڈھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو ۵۰-۴۰ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کر لینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور اطفال بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا آگے تفصیلی بیان آتا ہے پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸ انگریزی میل کے فاصلہ پر بستانِ ابنِ عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور

۲۶ - انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذات عرق ہے اِن دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۶ عربی اور ۵۴۰ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ - انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ "کسی شئے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے" بالفاظِ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلا توقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لئے یا کھانا کھانے اور نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اترا۔ عاملِ مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرام لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف دامن گیر اس غیر معمولی طریقِ سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا۔ مؤلف ناسخ التواریخ کے اِس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

یزید بن معاویہ سی تن از شیاطین بنی امیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسینؓ را ماخوذ دارند و اگر نتوانند مقتول سازند چون حسینؓ بر مکیدت اعالم بود ناچار سفر عراق را تصمیم عزم داد۔

رفتہ جلد ۶ - از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسینؓ کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسینؓ چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انہوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت حسینؓ کے سفرِ عراق کی یہ وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اس نے

یہ سوچا کہ حضرت موصوف اور ان کے ساٹھ کوفی ساتھیوں نیز ان کے بعض اہلِ خاندان کی دلیری اور شجاعت و شہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ "تیس شیاطین بنی امیہ" کے خوف سے سفرِ عراق کا عزمِ صمیم کر لیا اور فریضہ حج بھی ترک کر کے سفرِ کوفہ پر روانہ ہو گئے۔ راویوں نے جس مقصد کے پیشِ نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے وہی غرض در مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ذہنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہنچا دینا جو بعد مسافت و تعددِ منازل و مراحل رہ گئے۔ ثابت سے کسی طرح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے جیسا ذیل کی تفاصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ "طریق الاعظم" سے جو حسینی قافلہ کو نہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہِ العذیب و قصرِ مقاتل اختیار کیا تھا آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کاروانی راستہ چلا آتا تھا۔ اِس راستے کی منزلیں، مرحلے اور پڑاؤ اور رات گذارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی اِن سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے۔ مستند کتب بلدان و جغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم و جدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے اِن تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل ہے کہاں فرودگاہیں

ہیں، کہاں کنوئیں اور حوض و تالاب ہیں، پانی اِن کا وافر اور شیریں و لطیف ہے یا نہیں، کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ خورد و نوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا ابھی ذکر ہو چکا ۲۴ عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بُستان ابنِ عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تمیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اُموی سے منسوب کرتے ہیں (ص۵۸ فتوح البُلدان بلاذری) یہاں سے ایک راستہ صنعاء (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق ۲۲ عربی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا اسید ھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔ معدنِ نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزلِ قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے اس مقام سے تین میل پہلے ہی حسبِ روایت جناب ابُوجعفر محمد (الباقرؑ) حضرت حسینؑ نے کوفیوں کی غداری کا حال سُن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصرِ مقاتل و قریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہِ قادسیہ کربلا تک پہونچنے کے لئے تیس ۳۰ درمیانی

منزلیں طے کرنا لازم و لابُد تھیں۔ اکتیسویں منزل پیش آمدہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریۃ العقر کے مضافاتی و متصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبداللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں "منقاةٌ من الحصی والدغل" تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکاڑ سے صاف تھا۔ راویوں نے اِن تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور وہ بھی اِس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بُستان ابنِ عامر کا نام ترک کر کے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا اِس کے بعد آٹھ نو منزلیں ترک کر کے زرود (الخزیمیہ) اور ثعلبیہ کا ذکر علی التوالی سب یا اکثر منزلوں کے نام طوالت کے خوف سے ترک کئے گئے یا عدمِ واقفیت یا عدمِ مبالاۃ کی بنا پر یا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دوسری محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے آٹھ دن پہلے ہی پہونچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط و تردید ہو جاتی ہے بہرحال جو وجہ اور سبب بھی عدمِ اظہار و اخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردۂ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور اِن کے فاصلے باعتبار عربی میل اِس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ آٹھ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلا ناغہ

سفر کرتا رہا تو کس کس تاریخ کو کس کس منزل سے اس کا گذر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کر کے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہونچا، یا پہونچ سکتا ہے۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے جیسے پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان وجغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کر کے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء (صفحات ۹۶-۹۹) میں "المنازل من الکوفة الی المدینة ومکة" کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ ومکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور ان کے فاصلے دوسری کتب بلدان وجغرافیہ میں بھی اسی سلسلے سے پائی جاتی ہیں مثلاً "تاریخ گزیدہ" کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حُر ریاحی کو اپنا جدِ امجد بتلاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہۃ القلوب جو ۷۴۰ھ میں تالیف کی۔ اس کا مقالہ سیوم جغرافیہ عالم کے بیان میں ہے اس میں بعنوان "در صفت بلدان وولایات وبقاع" یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد وکوفہ ونجف سے مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے مثلاً کتاب الخراج وصنعة الکتابة کے مؤلف الفرج قدامہ بن جعفر

[1] ابوالفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے امیرالمؤمنین المکتفی باللہ عباسی کے ہاتھ پر اسلام لائے دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے مدینۃ الاسلام

نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہۃ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے اس کے زمانے سے پانسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے اسی طرح اور متعدد قدیم وجدید تالیفات میں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات اور جدید نقشہ جات میں۔ دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہو گئی ہے مثلاً القاع کو حرف "گ" سے القاگ کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمیہ نے یہاں حوض وغیرہ تعمیر کرائے تھے۔ کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے۔ الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کر کے ان منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

[2] بغداد سے اطراف واکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے اُن سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے: منزل	فاصلہ	تاریخ آمد و روانگی قافلہ: آمد	روانگی	طبریوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۱	مکہ معظمہ	۰	۰	۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ	۰	
۲	بستان ابن عامر	۲۲ عربی میل	۱۰ر	۱۱ر 〃	×	
۳	ذات عرق	۲۲ 〃	۱۱ر	۱۲ر 〃	ذات عرق	
۴	الغمرہ	۲۶ 〃	۱۲ر	۱۳ر 〃	×	
۵	المسلح	۱۸ 〃	۱۳ر	۱۴ر 〃	×	
۶	الفیعہ	۳۴ 〃	۱۴ر	۱۵ر 〃		
۷	العمق	۳۲ 〃	۱۵ر	۱۶ر 〃		
۸	سلیلہ	۲۱ 〃	۱۶ر	۱۷ر 〃	×	
۹	معدن بنی سلیم	۲۶ 〃	۱۷ر	۱۸ر 〃	×	
۱۰	ربذہ	۲۴ 〃	۱۸ر	۱۹ر 〃	×	
۱۱	مغیثۃ الماوان	۲۴ 〃	۱۹ر	۲۰ر 〃	×	
۱۲	معدن نقرہ	۳۳ 〃	۲۰ر	۲۱ر 〃	×	
۱۳	الحاجر	۳۴ 〃	۲۱ر	۲۲ر 〃	الحاجر	
۱۴	سمیراء	۳۴ 〃	۲۲ر	۲۳ر 〃	×	
۱۵	توز	۲۰ 〃	۲۳ر	۲۴ر 〃	×	
۱۶	فید	۳۱ عربی میل	۲۴	۲۵ ذی الحجہ ۶۰ھ	×	
۱۷	الاجفر	۳۳ 〃	۲۵	۲۶ر 〃	×	
۱۸	الخزیمیہ (زرود)	۲۴ 〃	۲۶	۲۷ر 〃	زرود	پہلے الخزیمیہ کا نام زرود تھا
۱۹	ثعلبیہ	۳۳ 〃	۲۷	۲۸ر 〃	ثعلبیہ	
۲۰	قبر العبادی	۲۹ 〃	۲۸	۲۹ر 〃	×	اس کو بطان بھی کہتے ہیں
۲۱	الشقوق	۲۹ 〃	۲۹	یکم محرم ۶۱ھ	×	
۲۲	زبالہ	۲۱ 〃	یکم محرم	۲ر 〃	زبالہ	
۲۳	القاع	۲۴ 〃	۲ 〃	۳ر 〃	×	
۲۴	عقبہ	۲۴ 〃	۳ 〃	۴ر 〃	×	[illegible]
۲۵	واقصہ	۲۹ 〃	۴ 〃	۵ر 〃	شراف	[illegible] میل کے [illegible] شراف ہے
۲۶	القرعا	۲۴ 〃	۵ 〃	۶ر 〃	×	
۲۷	المغیثہ	۳۲ 〃	۶ 〃	۷ر 〃	×	
۲۸	قرب بیرہ العذیب اور وادی سپی	۳۳ 〃	۷ 〃	[illegible]ر 〃	قادسیہ	
۲۹	ذوحسم		۸ 〃	۹ر 〃	×	
۳۰	قصر مقاتل	۴[illegible]	۹ 〃	۱۰ر 〃	×	
۳۱	کربلا		۱۰ 〃	—	×	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ———— ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ———— ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی، میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ مسٹر جے ڈائیف برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[1] ہوتی ہے ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑ سکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں"۔

(حاشیہ ص۲۴۴ ج سفرنامہ برٹن)

برٹن کے اس قول کی تائید محمد لبیب البتنونی مؤلف "رحلۃ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے خدیو مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیر سرپرستی یہ کتاب نہایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین و حسن طباعت و نقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعۃ الواحدۃ اربعۃ کیلو مترات۔ (ص۴۷)

(ایک اونٹ تخمیناً چار کلو میٹر کی مسافت) ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔

[1] ایک جغرافیائی میل = خط استوا پر طول البلد کا ایک دقیقہ = تقریباً ۱ ۹/۶۰ یا ۲۳۱/۲۰۰ انگریزی میل۔

ایک کیلو میٹر ۵/۸ میل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنی ۲½ میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی عدقہ۔ ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر ہی پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد و بُعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا، اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہوں گی، سفر جتنا طویل ہوگا۔ سامان قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے۔ خواتین و اطفال کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے ان سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا ہے تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کے اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدت سفر ضرور ہونی چاہئے اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات سے ہے غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہونچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

واقعاتِ دورانِ سفر

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مؤرخین اخبار الطوال وطبری و ابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؑ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہونچے یا بالفاظ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۲۸ عربی میل کا فاصلہ طے کرکے جب اس منزل پر پہونچے انہوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہل کوفہ کو بھیجی :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من الحسین بن علی الی اخوانہ من المؤمنین والمسلمین سلام علیکم۔ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الہ الا ھو۔ اما بعد، فان کتاب مسلم بن عقیل جاءنی یخبرنی فیہ بحسن رأیکم و اجتماع ملئکم علی نصرنا والطلب بحقنا فسألت اللہ ان یحسن لنا الصنع وان یثیبکم علی ذلک الاجر وقد شخصت الیکم من مکۃ یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ فاذا قدم علیکم رسولی فاکمشوا امرکم وجدوا فانی قادم علیکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسین بن علیؓ کی طرف سے انکے برادر مومنین و مسلمین کے نام سلام علیکم میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق[1] کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم لوگوں کو اس پر اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کے لئے مکہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں جب میرا قاصد تمہارے پاس پہونچے تو تم

[1] یہ طلب حق" طلب خلافت" ہی تو تھا۔ جس کسی نے یہ مکتوب وضع کیا ہے وہ بھی اس سفر کے مقصد کو طلب خلافت و حکومت ہی جانتا تھا سچ ہے حق برزبان جاری۔

فی ایامی ھذہ ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(ص ۲۲۳ ج ۶ طبری) و

(ص ۱۶۸ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

لوگ اپنے کام میں کوشش اور جدوجہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہونچ جاؤں گا۔ ان شاء اللہ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ ر ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو حضرت حسینؓ کے قلم سے یوم الثلاثاء یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ ر ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو منگل کا نہیں اتوار کا دن تھا۔ یعنی یکشنبہ۔ کون صحیح العقل باور کر سکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہونی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ جن کی مدد سے سنہ ہجری سے موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون دن تھا۔ اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔ ابو مخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برآمد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ ر ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل ہی قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ ر ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۰ھ کے ماہ ذی الحجہ کے عشرہ اول میں

منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے
کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہٰذا الیوم ونحج
مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت
حسینؓ اور اِن کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا
دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضۂ حج روانہ ہوئے اور تیس منزلوں کی
مسافت بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا
کے مقام پر پہونچے یا پہونچ سکتے تھے اِس سے پہلے نہیں۔ ابو مخنف اور اسی
قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی
کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر منع آب اور طرح
طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ
روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ر
محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلا سکیں گے اِس مشکل کا حل
یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اول تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے
پھر پہلی دو منزلوں کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا اس کے بعد تیس منزلوں کے
ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی
تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹ر کے
۸ر ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اِس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضۂ حج ترک
کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا ازالہ اشتباہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت
حسینؓ ہی کے قلم سے اِس کی بھی تصدیق کرا لی جائے چنانچہ مندرجہ بالا

تحریر یا خط کو حضرت موصوفؓ سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون
بیان ہوا اور مورخین نے روایت پرستی کی بنا پر اسے اپنی کتابوں میں من و
عن نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر "یوم الثلاث لثمان مضین من ذی الحجۃ
یوم الترویہ" (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو جو منگل کا دن اور یوم
ترویہ تھا) اِن تشریحی الفاظ نے راویوں کی اِس غلط بیانی کو بالآخر روز
روشن کی طرح آشکارا کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸ر ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ
کو منگل ہی کا دن نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار کا تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا
نے ہمارے متقدمین کو اِس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی
جانب متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی
اِس طرح کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی موجودہ زمانہ میں ایسی
کتب تقویم اور جنتریاں موجود ہیں اور بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں جن کی
مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس
تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابو مخنف کی اِسی قسم کی غلط
بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش
ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

ابو مخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب
حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کوفہ پہونچنے سے
پہلے ہی راستہ میں مقام قادسیہ پر گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیجا گیا
جس نے انھیں (اعانت جرم کی پاداش میں) مروا ڈالا ایسی حالت

میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہونچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور کے پاس اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمّالِ حکومت کے قبضے میں آگیا ہوگا۔ کوفیوں کے پاس تو پہونچنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستر اسّی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدّت منقضی ہو جانے کے بعد ابو مخنف کو کیسے دستیاب ہو گیا مدّتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو اِن راویوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من الحسین بن علیؓ الی اخوانہ من المؤمنین والمسلمین سلامٌ علیکم" سے لے کر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بہ حرف نقل کر دیا۔

ابو مخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اِس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں بلکہ عبداللہ ہی گرفتار ہو کر گورنرِ کوفہ کے پاس بھیجے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے بھی اِسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن یقطر، مکتوب حسینؓ را بر آورد و پارہ پارہ کرد چناں چہ کسے از آن بہرہ نتوانست یافت۔	عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو (اپنی جیب سے) نکال کر پارہ پارہ کردیا اور ایسا چور چور کردیا کہ اِس سے

(ص ۲۱۳ ج ۱ از کتاب دوم)	کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

یہی عالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کردیا جواباً کہا:-

از بہر آنکہ تو ندانی در آں چہ نگاشتہ اند۔ (ص ۲۱۴ ایضاً)	اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر تھا۔

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دم زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور اِن ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزدق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاعات مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہونچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں توی اندیشہ تھا کہ پکڑے جانے کی صورت میں عمّالِ حکومت کے ہاتھوں نہ پڑ جائے اور اگر بفرضِ محال خط لکھا بھی تھا تو اِس میں مکّے سے اپنی روانگی کی یہ غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ ہم جب مکّے سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ انھوں نے ایسا خط بھیجا یہ ساختگی اِن ہی راویوں کی ہے۔ کیونکہ اِنھی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی

تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ ہی کی کسی تحریر سے کرادی جائے وہ اِس طرح پوری کرلی گئی مگر "یوم الثلاثہ" (منگل کے دن) سے جیسا عرض کیا گیا اِن کی اِس ساختگی کو عرصۂ بعید وقتِ مدید کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا۔ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

اِن راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اِس کا قیاس بھی اِسی سے بآسانی کیا جاسکتا ہے ؎

تیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

اِن مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں۔ تاہم چند امور مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار

مورخین کا بیان ہے کہ مسلمؒ کے قتل ہوجانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:۔

واتّصل بہ خبر قتل مسلم بن عقیل فی الطریق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذٰلک۔
(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہوجانے کی خبر جب راستہ میں ملی انہوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول ہوجانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لاخیر فی العیش بعد ھٰؤلاء (ص۱۶۸ ج البدایہ والنہایہ) یعنی اِن لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوشِ انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مورخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال لہ (ای الحسین) بنو عقیل: لا نرجع واللّٰہ ابدًا او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا۔
(ص۷۱ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوشِ انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہوگئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اِس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابنِ عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کر کے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مورخین نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ دو اسدیوں نے مسلمؒ کے مقتول ہوجانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیشِ نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے لیس لک بالکوفۃ ناصرٌ ولا شیعۃ (ص۲۲۵ ج طبری) یہ سنتے ہی برادرانِ مسلمؒ جوشِ

انتقام میں اُٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذلک بنو عقیل بن ابی طالب (صـ۲۲۵ ایضاً) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے وقد خذلتنا شیعتنا (صـ۲۲۶ طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ حزینہ ہی پیش نہ آتا۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے۔

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگران شد و فرمود مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چندکہ تو ایم در طلب خون او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود از پس ایشان تن آسانی در زندگانی نیست۔
(صـ۲۱۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
(مطبوعہ ایران)

حضرت حسینؓ نے فرزندانِ عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو تو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کر لیں گے جو انہوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابو مخنف، طبری اور البدایہ والنہایہ میں بھی ہے۔ اخبار الطوال جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے بعد ہی پہونچ گیا تھا جنہوں نے

قتل مسلمؓ کی خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؓ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری لعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں:-

فقال بنو عقیل دکانوا معہ مالنا فی العیش بعد اخینا مسلم حاجۃ ولسنا براجعین حتی نموت فقال الحسین فما خیر فی العیش بعد ھولاء وسار فلما وافی زبالۃ وافاہما رسول محمد بن الاشعث وعمر بن سعد بما کان سألہ مسلم ان یکتب بہ من امرہ وخذلان اھل الکوفۃ ایاہ بعد ان بایعوہ (صـ۲۳۱ اخبار الطوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو ان کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہ لوٹیں گے حتیٰ کہ اپنی جانیں دیدیں حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہونچے تو محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے اپنے قتل ہو جانے سے

بھلے) اِن لوگوں سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہلِ کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کرکے غدّاری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادران مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہلِ خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی بن الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ اِن دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنی۔

ان بني عقيل قالوا: والله لا نبرح حتى ندرك ثارنا او نذوق ما ذاق اخونا۔ (ص۲۲۵ ج۴ طبری) و (ص۱۶۹ ج۸ البدایہ والنہایہ)

فرزندانِ عقیلؓ نے کہا۔ واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائیگا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم کی ضد تو جذبۂ انتقام کے تحت تھی لیکن جب اِن ۶۰ کوفیوں نے جو آپ کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہونچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ ساتھ آرہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مؤرخین نے اِن کا یہ قول نقل کیا ہے :-

---

؎ طبری کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

فقال له بعض اصحابه انك والله ما انت مثل مسلم بن عقيل ولو قدمت الكوفة لكان الناس اسرع اليك۔ (ص۲۲۵ ج۴ طبری)

ان سے (حسینؓ) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے کُجا آپ کُجا مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کردینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا "حق" لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے۔ مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو پھر ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گی۔ حصولِ مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پا لیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ مشوروں کو نظر انداز کردیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کرکے مکہ سے روانہ ہوگئے تھے۔ وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ اِن کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر انھیں اِتنا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مورخ دوزی کا یہ فقرہ

یہاں نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

"مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؓ بمعیت عبداللہؓ ابن الزبیرؓ مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب اُن کو موصول ہوئے تو ان کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی۔ ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر قیادت کریں ... کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کریں گے، اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد پر قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اُس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید و مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنہوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؓ نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ کہتے ہیں

کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قضا کے سامنے بالآخر انہوں نے سر جھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ قتل مسلم کے مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسینؓ کو اس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے۔ ان کے ساتھ مشکل سے ... نفوس تھے جن میں زیادہ تر ان کے اہل خاندان تھے۔ بایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے ان کا کبھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کو یقین تھا کہ جیسے ہی شہر کوفہ کے پھاٹک پر جا موجود ہونگے اہل شہر ان کے مقصد کی خاطر ہتھیار سنبھال لیں گے۔"

(صفحہ ۴۲ تاریخ مسلمانان اسپین۔ مولفہ رینہارٹ ڈوزی مترجمہ فرانسس گرفن۔ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

نئے گورنر کوفہ کو احکام و ہدایات

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے وہ دو سر کا رخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے۔ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے عبیداللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ انھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجد کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں :۔

اما بعد۔ فان امیر المومنین (حمد و ثنا کے بعد کہا) امیر المومنین یزید

اصلحه الله ولانی مصرکم وثغرکم وامرنی بانصاف مظلومکم واعطاء محرومکم وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم وبالشدة علی مریبکم وعاصیکم وانا متبع فیکم امرہ ومنفذ فیکم عهده فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البر وسوطی وسیفی علی من ترك امری وخالف عهدی فلیبق امرء علی نفسه الصدق ینبی عنك لا الوعید۔

(ص۲۰۱ ج طبری)

نے اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کرے۔ تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سُنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں میں اِن کے فرمان کو نافذ کرونگا تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجالائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے آدمی کو چاہیئے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات جب سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہا ہے وہ میں کر گذروں گا اور تم دیکھ لوگے)۔

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے اِن تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں و باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔ سرداران قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ اِن تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہوگیا۔ مورخین نے امیرالمؤمنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع و برید نہیں کی گئی تو وہ فرمان یہ تھا۔

قد بلغنی ان الحسین قد توجه الی نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس واحبس علی الظنة وخذ علی التهمة غیر ان لا تقتل الا من قاتلك واكتب الیّ فی كل ما یحدث من خبر. والسلام۔

(ص۲۱۵ ج طبری) و (ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ)

مجھے اطلاع پہونچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کردو جن سے بدگمانی ہو انھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو اُسے گرفتار کرلو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔

والسلام۔

مضمون درست ہے، گو الفاظ میں کچھ رد و بدل بھی کیا گیا ہو جیسا کہ ابو مخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کریگا کہ ایک باخبر، مدبر و نیک نفس حکمراں اپنی مملکت میں بہبودِ عامہ کی خاطر

امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظِ ماتقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ وجدال میں سبقت یا پہل نہ کرے۔ دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ "غیر ان لا تقتل الا من قاتلک" سے ان تمام وضعی دلگداز روایتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو امیر المومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا امیر المومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائد ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کر کے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں۔ اور منشا یہ تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم واحتیاط سے کام لیں مورخین نے حضرت مروانؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی رد و بدل نہیں ہوا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

فکتب مروان الی ابن زیاد: امابعد۔ فان الحسین بن علی بن فاطمۃ توجہ الیک وفاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتاللہ ما احدٌ یسلمہ اللہ احب الینا من الحسین فایاک ان تہیج على نفسك ما لا يسده شئ ولا تنساه العامة ولا تدع ذكره آخر الدهر۔

والسلام

(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایۃ وص۲۰۲ ج از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروانؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ امابعد۔ تمہیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمہاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) وہ بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خدا کی قسم حسینؓ سے زیادہ (خدا ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ وغضب میں ایسا کوئی فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام امت فراموش نہ کرے اور رہتی دنیا تک ذکر نہ بھولیں۔

والسلام۔

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؓ کو کیسی الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروان ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو ان کی گردن اڑا دو ان کی الفت ومحبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؓ نے ان کو دیا تھا ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے شاید وضعی روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت مروانؓ کے اس خط کو امیر المومنین یزیدؒ کے چچیرے بھائی ولید بن عقبہ بن ابوسفیانؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ حضرت مروان کی اولاد واحفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علیؓ وحسنؓ وحسینؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ وہ بین ثبوت ہیں آپس کی محبت

مودت کا نہ کہ عناد و مخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا

بعض ثقہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا۔ حضرت حسینؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مورخ و نساب مولف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں۔

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذلك ومنا حتی قارب الكوفة فلقيه الحر بن يزيد الرياحی فی الف فارس فاراد ادخاله الكوفة فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویة[1]... فلما صار الی کربلاء منعوه من المسیر واراده علی دخول الکوفة والنزول علی حکم عبید الله بن زیاد.... فامتنع واختار المضی

(مسلم کے قتل کی خبر سنکر حسینؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندان عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہونچے وہاں حر بن یزید الریاحی سے جن کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے۔ مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے جانے کا ارادہ کیا آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہونچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ

---

[1] لعن کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔

نحو یزید .... بالشام۔

(عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ۔ طبع اوّل)

لے جانے اور عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور یزیدؒ کے پاس ملک شام چلا جانا پسند کیا۔

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

اذا خرجت من القادسیة تريد الشام ومنه الی قصر مقاتل ثم القريات ثم السماوة

(۳۲۵؍۲ مطبوعہ یورپ ۱۸۶۶ء)

جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کیجیے تو وہاں سے قصر مقاتل جائیے پھر قریات (الطف) پھر سماوہ

ابو مخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ و العذیب کے راستے سے مڑ کر آپ ذو حُسم و قصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے حضرت ابو جعفر محمد (الباقر) نبیرۂ والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اگرچہ اس وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہو گی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنے ہوں گے۔ حضرت موصوف سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے

یہ واقعات دیکھ رہا تھا) حدثنی مقتل الحسین حتی کانی حضرۃ (ص۲۳۰ ج طبری)

حضرتِ موصوف نے مقتلِ حسینؓ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

فاقبل الحسین بن علی بکتاب مسلم بن عقیل کان الیہ حتیٰ اذا کان بینہ وبین القادسیۃ ثلاثۃ امیال لقیہ الحر بن یزید التمیمی فقال لہ این ترید قال ارید ھذا المصر قال لہ ارجع فانی لم ادع لک خلفی خیرا ارجوہ فھم ان یرجع وکان معہ اخوۃ مسلم بن عقیل فقالوا واللہ لا نرجع حتی نصیب ثارنا او نقتل فقال لا خیر فی الحیاۃ بعدکم فسار فلقیہ اوائل خیل عبید اللہ فلما رای ذالک عدل الی کربلاء (ص۲۳۱ ج طبری)	حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہونچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہوکر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں حر نے کہا کہ آپ لوٹ جایئے وہاں آپ کے لئے کسی بہتری کی مجھے امید نہیں ہے۔ اس پر آپ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مسلمؓ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے انہوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لیں یا ہم بھی سب قتل نہ ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہو گئے اتنے میں عبید اللہ کے لشکر کا ہراول سامنے آگیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔

حضرت جعفر محمد الباقرؒ کی اس روایت سے بھی صاحب عمدۃ الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مڑ گئے تھے جو کربلا ہوکر دمشق جاتا تھا آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں کہ:-

حسینؓ از طریق عذیب و قادسیہ راہ بگردانید وبجانب چپ روان شد۔ (ص۲۲۲ ج از کتاب دوم)	حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔

قادسیہ و عذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طف ہوکر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا۔ جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماعِ اُمّت کی اہمیّت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہونچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ امیر المؤمنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمّت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب

ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لئے باگ موڑ دی، جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالک اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیجا جائے تاکہ ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں۔ (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ) طبری اور دوسری کتب تاریخ جیسے کہ سیوطی کی ادنے تاریخ الخلفا اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابۃ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں۔ شیعہ مورخین ومولفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص۲۳۶ ج ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے۔

(ویاتی امیر المومنین یزید	یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین
فیضع یدہٗ فی یدہ	یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ
فیما بینہ وبینہ وتیری	ان کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں
رایہ وفی ھذ الک رضیٰ	کہ وہ کیا فرماتے ہیں اس میں صلاح امت
وللامۃ صلاح۔	بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

(ص۲۳۶ ناسخ التواریخ جلد ۶ ازکتاب دوم مطبوعہ ایران)

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔

آج کل کے بعض مورخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہا ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع کرلینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہوجاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔ اقدام خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر اکسانے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادر بزرگوار (حضرت حسنؓ) کے منشا کے مطابق، خیرخواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب و سنت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بفرض یہ ثابت کردیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی نقطۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں اُن کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمت کی بہت بڑی اکثریت اُن کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ پھر

ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے خروج کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) جیسی ثقہ اور مقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجۂ مطہرہ حبیبۂ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جا سکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہوں اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ نہیں بنا یا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم آل البیت سے۔

یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس وراثہ کو ثابت کرنے کے لئے ازواج مطہراتؓ وعصبات کی موجودگی میں وراثہ کا حقدار بیٹی

کو بنا دیتے ہیں۔ بلکہ داماد کو جو اسلامی قانون وراثت میں ہرگز درست نہیں اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن ہے لیکن اپنے زعم باطل کے جائز "حقداروں" کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزیدؒ کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ و قلق تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ہے ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسینؓ کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہار تاسف و تعزیت کیا تھا۔

"پھر یزیدؒ نے ابن الحنفیہؒ کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

حسینؓ کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسینؓ کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے ہے اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا گو کہ انہوں نے

میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسینؓ کی کرتے ہیں بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندانِ علیؓ کو عزت و حرمت حاصل نہ ہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت خلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں سُنکر ابن الحنفیہؒ نے کہا:۔

"خدا تمہارا بھلا کرے اور حسینؓ پر رحم فرمائے اور ان کے گناہ کو معاف کرے۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے حسینؓ اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔۔۔۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسینؓ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزیدؒ نے جواب دیا:۔

"میرے چچیرے بھائی! میں حسینؓ کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دُکھے۔"

(انساب الاشراف بلاذری ج ۳)

حضرت حسینؓ کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی۔ موافقین نے انکو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن ان کے اہل خاندان خاص کر ان کے سجاد (؟) حضرت

علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کا اس بارہ میں جو رویہ رہا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ انکے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع

عربی زبان کے یہ دو لفظ کَرْبَل و کَرْبَلَۃ معنی و تلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں کربلاء ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں:۔

کَرْبَلَاء بالمد۔ فاما اشتقاقہ فالکَرْبَلَۃ۔	کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلۃ سے ہے۔

(ص ۲۲۹ ج ۴ معجم البلدان)

غَرْبَل اور غَرْبَلَۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطۃ (ص ۵۴۰ المنجد طبع بیروت) اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:۔

یحملن حمراء رسوبا للمثقل	قد غربلت وکربلت من القصل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلاء کہلاتی تھی جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی۔ نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر کربلاء کہلاتی تھی۔

ان تکون ھذہ الارض منقاۃ من الحصی والدخل فسمیت	اور یہ زمین، روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ

ذالك ۔ (ص۲۲۹ ج۴ معجم البلدان)

نام بھی پڑا (کہ غلہ پھوڑنے کی زمین تھی)۔

فصلِ غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پھوڑنے یعنی بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کے لئے بھی تکربلا کہا جاتا ہے جیسے جاء یمشی متکربلاً (ص۶۲۰ المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے ہوئے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلاء کی وجہ تسمیہ بتلاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے :۔

ویقال کَرْبَلْتُ الحنطة اذا هَزَّبْتَها ونقیتها فی صفة الحنطة ۔ (ص۲۲۹ ج۴ معجم البلدان)

گندم کی طرح سے جب غلہ پھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطة۔

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحماض کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عشبہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے ان کے کاسنی جیسے :۔

وکربل اسم نبت الحماض فیجوز ان یکون هذا الصنف من النبت یکثر نبته هناك فسمی به ۔ (ص۲۲۹ ایضاً)

اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اُگتی تھی اس لئے بھی اس کا (کربلاء کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔

غرضکہ ارضِ کربلاء جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلاء کے بجائے طف ہی کا نام

آیا ہے۔ ابو رمیل الجمحی[1] نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہو جانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے :

الا ان قتلی الطف من آلِ هاشم
أذلّت رقاب المسلمین فذلّت

یوم کربلاء کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل و شہید الطف" مثلاً :۔

واما عون و محمد الاصغر فقتلا مع ابن عمهما الحسین یوم الطف (ص۲۰ عمدة الطالب فی انساب آلِ ابی طالب)

لیکن عون و محمد الاصغر پہنے چچیرے بھائی حسینؑ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندانِ علیؑ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند ان کی حیات میں فوت ہو گئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ بمقام طف بہ ہمراہ حضرت حسینؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدة الطالب کہتے ہیں کہ :۔

وقتل منهم بالطف ستة ۔ (ص۲۵)

اور ان میں سے چھ طف کے مقام پر قتل ہوئے

عباس بن علیؑ کے ذکر میں کہتے ہیں :۔

والعباس شهید الطف ۔ (ص۴۵)

اور عباسؑ (مقام) طف کے شہید۔

---

[1] اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں :۔

وان قتیل الطف من آلِ هاشم
اذل رقاباً من قریش فذلّت

علامہ ابن حزم محمد بن عبد اللہ بن جعفرؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

قتل بالطف

(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

(ص۶۹ جمہرۃ الانساب)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

كان مقتل الحسين بمكان من الطف يقال له كربلاء۔

یعنی حسینؓ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

(ص۱۹۸ ج۸ البدایہ)

غرضیکہ فصل غلہ پھوڑنے کا میدان (کربلاء) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز و شاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔ صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :-

والطف۔ ارض من ضاحية الكوفة في طريق البرية فيها كان مقتل الحسين بن علي وهي ارض بادية من الريف فيها عدة عيون ماء جارية منها الصيد والقطقطانة والرهيمة وعين جمل وذواتها

(ص۳۶ ج۶ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۶ء)

اور الطف کوفہ کے پاس کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے جہاں حسینؓ بن علیؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز و شاداب زرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید والقطقطانہ و رہیمہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل و عریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لا سکیں (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کرتے تھے۔ "وسميت عين الصيد بكثرة اسماكها الذي كان بها" (ص۵۸ معجم البلدان) اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے بماو قادسیہ والعذیب ہوتے اور ملک شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گزرتا گیا تھا۔ ارض الطف کو "طف الفرات" ای شاطئ" کہتے تھے (ص۵۸ معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم و ملائم زمین تھی۔

ان تكون ارض هذا الموضع (كربلاء) رخوة فسميت بذلك

(صفحہ ۲۲۹ ج۷ معجم البلدان)

اس مقام (کربلاء) کی زمین چونکہ ملائم تھی۔ اس لئے اس نام (کربلاء) موسوم ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ کربلا کی زمین غلہ پھوڑنے کے کام آتی تھی کنکروں روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بنا پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلاء مشتق ہے اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مولف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسینؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر و معین

مددگار نہیں رہا مسلم اور ان کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم میں ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں۔ وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسینؓ) ملک شام کی طرف مڑ گئے یزید بن معاویہؓ کے پاس جانے کے لئے۔ قادسیہ و کوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا۔ یہی شیعہ مولف لکھتے ہیں کہ جب انھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد کا حکم ماننے کو کہا گیا تو انھوں نے منع کیا اور یزیدؒ کے پاس چلا جانا پسند کیا فامتنع و اختار المضی نحو یزید (ص۱۷۹ ایضاً) اب دیکھئے اسی بات کو ابو مخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے۔ اور کیسی مسخ صورت واقعہ کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"جب حسینؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اس نے بھی ایک قدم بھی نہ اٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا، اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اترتے رہے مگر ان سب کا یہی حال ہوا کوئی بھی آگے کو نہ چلتا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے، تو لوگوں نے کہا غاضریہ۔ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا نینوا۔ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا

شاطی الفرات پوچھا اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے، کہا کربلا۔ یہ سن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب و بلاء اب یہیں اتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے یہیں ہمارا خون بہے گا، یہیں ہماری عزت و حرمت لٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے، یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا، آپ کا قول غلط نہیں ہو سکتا" (مقتل ابی مخنف ص۴۹)

کربلا سے کرب و بلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ و برتر علام الغیوب کے کسی نبی و رسول کو بھی عطا نہیں ہوئی کس طرح حضرت حسینؓ سے منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ماقبل تاریخ میں تہ آب رہا تھا بمرور دہور دلدل میں تبدیل ہو کر خشک ہوتا گیا تھا، جس کے بعد تین مشہور شہر اس نواح میں ابھرے اور بسے، جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدانیوں کا بابل، بنو کندہ کے الحارث کا انبار اور لخم کا الحیرہ جس کے نواح میں یہ قریہ عقرقوف تھا جس کی مضافاتی زمین کربلا تھی۔

"عرب و مشرق بعید"[1] کے لائق مولف نے مسٹر ہرتھ (HIRTH) ایک محقق

---

[1] ایس۔ اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔

کے حوالہ سے عہدِ عتیق کے ایک بندرگاہ (TIAOCHI) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداءً عربوں سے سابقہ پڑا تھا اہلِ ایران عربوں کو "تاجر" کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو "تاچی" کہنے لگے شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (TA-CHI) شامل تھا۔ عہدِ عتیق کے بعد جب الحیرہ آباد تھا، ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مورخ المسعودی نے دریائے فرات کے رُخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ پر جو بعد میں خشک ہو کر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ کی مشہور جنگ[1] حضرت سعد بن ابی وقاص رض کی سرکردگی میں ایرانیوں

---

[1] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۴ھ میں ہوئی تھی۔ ایرانیوں کے افواج کثیر کی خبر سن کر حضرت فاروق اعظم رض نے بذاتِ خود محاذِ جنگ پر تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عباس رض بن عبدالمطلب اور بعض اکابر صحابہ نے مستقرِ خلافت چھوڑ کر جانے کو منع کیا حضرت علی رض نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا شورہ قبول کیا اور حضرت علی رض کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی "دعرض علی علی الشخوص فاباہ" یعنی علی کو محاذِ جنگ پر (اسلامی افواج کی سپہ سالاری) پیش کی اس پر انھوں نے انکار کیا اس پر حضرت فاروق اعظم رض نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعد رض بن ابی وقاص کو مامور کیا کہ وہ مردِ شجاع اور بڑے تیرانداز ہیں "انہ رجل شجاع مرام" (ص ۲۶۳ فتوح البلدان بلاذری) ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعد رض بن ابی وقاص بھی

کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلا ۶۱ھ کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواح سے جہاں حیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلا ۶۱ھ کا میدان بھی تھا کوسوں دور ہٹ گیا تھا کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے، جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مولف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے "آب زلال وگوارا" یہاں بآسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسین رض کا زمین کھود کر "آب زلال" نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مورخ فرماتے ہیں :-

آنحضرت تبرے برگرفت واز	آنحضرت (یعنی حسین رض) نے ایک
بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب	کدال اٹھالی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر
قبلہ برفت آنگاہ زمین را با تبر بخست	کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے

ہیں ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعد راوی حدیث اور صاحبِ نسل ہیں گویا حضرت علی رض کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا عمر رض، سیدنا خالد رض، سیدنا سعید بن عاص، سیدنا سعد رض اور ان کے فرزند عمر بن سعد رض سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

حفر کردند ناگاہ آبے زلال وگوارا بجوشید	اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال
اصحاب آنحضرت بنوشیدند و مشکہا	گوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے
پُر آب کردند	نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھریں۔

(ص۲۳۵ ج از کتاب دہم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشور میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھوئے گئے، اور غسل بھی کئے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابو مخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے، جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مُشک گھولا جائے (ثم امر بمسك فميث في جفنة عظيمة)

جب مُشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمہ کے اندر نورہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے، (دخل الحسين ذلك الفسطاط فتطلى بالنورة) اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں۔۔۔ (دخلنا فاطلينا) یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔ اول تو یہ "نورہ"[1]

[1] یعنی چونۂ قلعی ..... چیزیست کہ برائے دور کردن موئے بدن بکار بُرند و آں آہک و زرنیخ بہم سائیدہ است (غیاث اللغات)

لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا، ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم کے بالوں کو "نورہ" مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہڑتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا، بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے۔ پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مُشک کا بڑے کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابو مخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ منہ پر چھینٹے مارنے کے لئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے منہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لئے قحطِ آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

پچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محلِ وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات و حالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو قحطِ آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور ان کے راوی

یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور پر مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں، اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں میں سے کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں، سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابو مخنف لوط بن یحیٰی دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ایمہ رجال نے انھیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل و صفین و نہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابو مخنف" ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور طبری سے دوسرے مورخین نے نقل کیا اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابو مخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا، ان کا سنہ وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۲۶۰) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد۔ اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے چنانچہ ایمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلئے۔

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (صفحہ ۹۲) کہتے ہیں "لوط بن یحیٰی

ابو مخنف کذاب۔ اسی طرح صاحب تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر "کذاب" کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (صفحہ ۲۸۶) سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (صفحہ ۳۸۹) میں ابو مخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط والکلبی کذابان"۔ امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:-

لا یوثق بہ	کسی اعتبار کے لایق نہیں
ترکہ ابوحاتم وغیرہ	ابوحاتم وغیرہ (ایمہ جرح و تعدیل نے) اسے متروک قرار دیا ہے۔
قال الدارقطنی ضعیف قال ابن معین لیس بثقۃ قال مرّہ لیس بشئ قال ابن عدی شیعیؓ محترق صاحب اخبارھم	دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن معین کہتے ہیں کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں۔ مرّہ فرماتے ہیں کہ وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابل اعتماد، دروغ گو بتایا ہے حتیٰ کہ تاج العروس شرح القاموس (جزء ۶ فصل ہ صفحہ ۱۰۵) میں ابو مخنف کا "اخباری شیعی تالف متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ج ۲ صفحہ ۴۱) ان کے بارے میں ایمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے "ھو کوفیؒ ولیس حدیثہ بشئ یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں

کسی کام کی نہیں ۔ اب ابو مخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے
ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ہشام۔

محمد بن السائب الکلبی ابو النضر الکوفی کے بارے ابن حبان فرماتے ہیں کہ

کان الکلبی سبائیا من اولئك الذین یقولون ان علیا لم یمت وانه راجع الی الدنیا ویملأھا عدلا کما ملئت جورا۔

یہ الکلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم سے بھری ہوئی ہو۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۳)

دیگر ایمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے :۔

قال ابن معین الکلبی لیس بثقة قال الجوزجانی وغیرہ کذاب قال الدارقطنی وجماعة متروك قال الاعمش ۔ اتق هذہ السبائیة انی ادرکت الناس یسمونهم الکذابین

یحیی بن معین کہتے ہیں کہ الکلبی لائق اعتماد نہیں جوزجانی وغیرہ (ایمہ رجال) کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا ۔ دارقطنی اور ایمہ رجال کی ایک جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی) سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے

ایسے اشخاص کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے ۔

اس الکلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل و کتابوں کا مولف بھی ہے، اس کا پورا نام ہے "ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر" ایمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں :۔

قال الدارقطنی وغیرہ متروك قال ابن عساکر رافضی لیس بثقة۔

دارقطنی وغیرہ (ایمہ رجال نے) اس کو متروک قرار دیا ہے ۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ رافضی ناقابل اعتماد ہے ۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے فرماتے ہیں :۔

ابو مخنف وهشام بن محمد بن السائب وامثالهما من المعروفین بالکذب عند اهل العلم۔

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں مشہور و معروف بات ہے ۔

(منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۳)

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع و قماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی ۔ عقیدت و توہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایۂ زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ کچھ

کذب وافترا ہے کچھ کذب حق نما۔ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان و کما زادوا فیما یراد تعظیمه من الحوادث وکما زادوا فی المغازی و الفتوحات وغیر ذلك والمصنفون فی اخبار قتل الحسین منهم من هو من اهل العلم کالبغوی وابن ابی الدنیا وغیرهما ومع ذلك فیما یروونه آثار منقطعة وامور باطلة واما یرویه المصنفون فی المصرع بلا اسناد فالکذب فیه کثیر۔

اور جن لوگوں نے حسین کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جیسے کہ قتل عثمانؓ کے بیان میں یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے بڑھا دیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں۔ مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انہوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزنیہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔

(منہاج السنہ ج۲ ص۲۴۸)

یہاں داستان کربلا کی وضعی ومن گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقعہ نہیں، زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں کہ:۔

"صدہا باتیں طبعزاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصۂ دراز کے بعد ہوئی .... رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا .... ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی .... کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی لکھے ہیں لہذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔"

مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتداء سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں، اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا،

---

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم

فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہوتا ....
شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاشِ مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعشِ مطہر کا لگد کوبِ سمِ اسپان کیا جانا، سرادقاتِ اہلبیت کی غارت گری، بنی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا .... وغیرہ وغیرہ
نہایت مشہور اور زبان زدِ خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔"

(مجاہدِ اعظم۔ ص ۱۲۸)

کتبِ تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مؤلف خود ہی "غلط و مشکوک و ضعیف و مبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے ہی ابو مخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔ اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سُن لیجئے:۔

ابن جریر طبری

ابن جریر جن کا پورا نام و سلسلہ نسب یہ ہے، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے، اپنے مولد و منشاء آمل کی نسبت

سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک غالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجہ محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب و ہجوگو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح غالی رافضی تھا۔ باپ اس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مورخ طبری کی بہن جریر کے گھرانے کی تھی وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے ؎

بآمل مولدی وبنو جریر	فاخوالی ویحکی المرء خاله
آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے	میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے
فها انا رافضیٌ عن تراث	وغیری رافضیٌ عن کلاله
تو سُن لو میں وراثتہً رافضی ہوں	اور میرے سوا جو رافضی ہے وہ دور کے لگاؤ سے ہے۔

(معجم البلدان یاقوت حموی)

ابن جریر نے بہت سے سنی علماء سے استفادہ کیا تھا، طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک ــ خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں

---

[1] ابن اُخت الطبری توفی ۳۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین) کان الخوارزمی رافضیاً غالیاً وفی مرتبۃ الکفر غالیا (الوافی للصفدی)

مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلہ کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔
(البدایہ ج۱۱ ص۱۴۵)

امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا، اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مُضر نہیں ....
میزان الاعتدال (ج۳ ص۳۰) جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے، ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ان کا "ظن کاذب" ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں۔ چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ

كان يضع للروافض یعنی ابن جریر طبری رافضیوں کیلئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔
ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انہوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص، آخر ان وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ " فيه تشيع وموالاة لا تضر " یعنی ان میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مُضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔ ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں

کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر "لعن" تک تحریر ہے۔ ان کی تاریخ کی جلد ۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے " من تاريخ الصحابة والتابعين تصنيف ابی جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبری " اس کے ص۲۲ سطر ۲۵ پر " فی وسط خلافة معاوية لعنة الله " لکھ مارا ہے اور ص۲۹ سطر ۱ پر " فی خلافة يزيد بن معاوية لعنهما الله " درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم لنڈن میں عربی مخطوطات کے منتظم C. Rieu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر طبری کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سنی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظر استحسان نہیں دیکھتے کہ مورخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ و فاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام و صلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔ (ص۱۰ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم) ان کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو ان کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔

خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمۃ الاسلام" کہتے ہیں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال سنہ ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہلسنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

ودفن فی داره لان بعض اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں

عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الى الرفض ـ	دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی، یعنی رافضی بتایا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۶)

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھیں، آج بھی ان کی تالیفات کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت و تفضلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذّابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہ کا سیاسی اختلاف رہا ان کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر و بیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؓ کی تنقیص بلکہ سب و شتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابو مخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوّے فیصد روایتوں کا راوی ہے، اس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مورخین نے بلا کسی استناد کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کر کے نقل اور نقل در نقل کیا ہے ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا کہ مکہ سے روانگی

کی تاریخ اور دن جو ابو مخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری و عیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ س + ل + د

یعنی جس سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو، اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو 'س' سے ظاہر کیا گیا ہے 'ل' لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک آئے ہوں 'د' سے مراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔

مثال :- کربلا کا واقعہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء[1] کو پیش آیا۔ کلیہ میں 'س'

---

[1] تمام مورخین نے یہی تاریخ اور سال، ۱۰ محرم ۶۱ھ کی مطابقت میں بیان کیا ہے اور یہی تقویم اور فارمولے کے اعتبار سے بھی بلا شک و شبہ صحیح ہے۔

ل اور د کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹، اور ۲۸۴ درج کرکے ان کے مجموعہ کو (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۱۶ اور باقی (۵) آتا ہے یعنی سے (۵) دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے یہی ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم ۶۱ھ کا دن ہے، یعنی سہ کا دن (ملاحظہ ہو نیوار تھیٹک ل محرم ۶۱) روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا لیکن اب جو صدی (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں

مندرجہ ذیل جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار خروج کے سلسلہ میں جو جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ و سال درج ہیں ان میں ایسی ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ نہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی تقویم ہجری و عیسوی نیز کلیہ حساب کی رو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ کا جو دن آتا ہے آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں۔ مورخ طبری اور دوسرے مورخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں:۔

وکان خروج الحسین من	حسینؑ مدینہ سے یکشنبہ کے دن ۲۸ر
مدینۃ الی مکۃ یوم الاحد	رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات

لیلتین من رجب سنۃ	میں ۳ر شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے
ستین ودخل مکۃ لیلۃ	پھر بقیہ ماہ شعبان و رمضان و شوال
الجمعۃ لثلاث مضین من شعبان	ذیقعدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ر ذی الحج
فاقام بمکۃ بقیۃ شعبان ورمضان وشوال	سہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے
وذیقعد وخرج من مکۃ لثمان مضین	روانہ ہوئے
من ذی الحجۃ یوم الثلاثا یوم الترویہ۔	

(طبری و تاریخ البدایہ والنہایہ)

ناسخ التواریخ کے مولف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:۔

"حسین علیہ السلام یکشنبہ بست و ہشتم رجب از مدینہ...
بیرون شد و روز جمعہ سیم شعبان وارد مکہ گشت ....
یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ہشتم ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود
ہماں روز کہ مسلم با ابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ یوم عرفہ بود
شہید گشت (ص ۲۰۴ ج از کتاب دویم مطبوعہ ایران)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ر محرم بتاتے ہوئے ص ۲۲۵ پہ لکھتے ہیں کہ "این واقعہ در روز پنجشنبہ دوم شہر محرم الحرام بود" مورخ طبری بھی حضرت حسینؑ کے

لہ راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اردو (ہند۔ دہلی) کی شائع کردہ تقویم ہجری و عیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابو النصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ایڈورڈ ملطے کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی، یہ بڑی کارآمد و مستند تقویم ہے۔

قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

ثم نزل الی العقر، وذلک یوم الخمیس وھوالیوم الثانی من المحرم سنۃ ۶۱ھ (ص۲۳۲ ج جری)

پھر العقر کے مقام پر اتر پڑے ا۔ یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔

مورخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب معازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ مختلف و متضاد ہیں کہ کسی طرح لایق وثوق و قابلِ یقین نہیں، بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسی نوے برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ورنہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ واقفان حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مولف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ "مردان اہلبیت" سے کوئی واقعہ مروی نہیں"۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ان سے کوئی واقعہ مروی نہیں ..... جس شخص نے جیسا سنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا، بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرزِ بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط تفریط سے مسخ کر دیا (ص۱۶۱) سچ ہے حق بر زبان جاری۔ کسی کا کوئی چشم دید واقعہ نہیں ہے۔

جدول تاریخ و دن

نمبر	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح یا غلط	صحیح دن از روئے تقویم کلیہ و حساب (دن)	عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق
	تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابو مخنف کی روایت سے بیان کی ہیں					صحیح دن از روئے تقویم کلیہ و حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق	
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	۶۰ھ	۲۸ رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ	۴ مئی ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ	۹ " "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ ستمبر
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ "	چہارشنبہ	"	دوشنبہ	۱۰ " "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ " "	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ " "
۶	معسکر کربلا پہنچنے کی وضعی تاریخ	۶۱ھ	۲ محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ	۲ اکتوبر ۶۸۰ء
۷	حادثہ کربلا	"	۱۰ محرم	جمعہ	"	چہارشنبہ	۱۰ " "

کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سُنے اور معلوم کئے ہوتے جسے ان کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاحش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو بڑی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے اوراق پُر ہیں وہ کیونکر قابل وثوق و لائق یقین ہو سکتے ہیں، خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ "شدید تعصب نے راہ اختیار کر لی ہو" وقد تطرق التعصب فی الواقعہ اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں بھی سب راوی متفق و

یک زبان نہیں ایک کچھ بیان کرتا ہے۔ دوسرا کچھ۔ مورخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا میں نہیں بلکہ نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں :-

(۱) قال ابن سعد اخبرنا محمد بن عمر قال قتل الحسین بن علی فی صفر سنہ ۶۱ھ وھو یومئذ ابن خمس وخمسین۔

(ص ۲۲۳ ج طبری)

ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا حسین بن علیؓ ماہ صفر ۶۱ھ میں قتل ہوئے اس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔

(۲) تقدم (الحسین) العراق فقتل بنینوی یوم عاشوراء سنہ ۶۱ھ

(ص ۲۲۳ ایضاً)

اور حسینؓ عراق میں آئے اور روز عاشورہ ۶۱ھ کو مقام نینوی میں قتل ہوئے۔

خود ابو مخنف نے بھی نینوی میں حضرت حسینؓ کے اترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے، مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پہ چلنے کے لئے، مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح بائیں جانب کو مڑتے ہوئے چلے، یہاں تک کہ نینوی پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اتر پڑے۔" حتی انتھوا الی نینوی المکان الذی نزل بہ الحسین۔ (ص ۲۳۲ ج طبری)

طبع اولیٰ مصر)

دوسری جگہ طبری کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے لفظ ہیں۔

فقالوا دعنا ننزل فی ھذہ القریۃ یعنون نینوی انھوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینوی میں اتر جانے دو۔ یہ نینوی جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے وہ قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سیکڑوں کوس دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں کربلا کے قرب میں نینوی نام کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں۔ قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے۔ اسی کے مضافاتی میدانِ کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا تو عموماً مشہور ہے خصوصاً اس وقت سے کہ معزالدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس بعد اسی نے ڈالی تھی۔ شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "ماتم حسین" کا بانی مبانی معزالدولہ ہی تھا، وہ اس کے حال میں کہتے ہیں :-

"معزالدولہ :- یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قایم اور مقرر کی تھی"۔

(ص۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیریسنز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

"مجاہد عالم" کے شیعہ مولف بھی عزاداری کی ابتدا ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معزالدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا، اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قایم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی"

(ص۳۳۲)

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

فی عاشر المحرم من ھذہ السنۃ	اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں ...
(۳۵۲ھ) امر معزالدولہ بن	معزالدولہ بن بویہ ....
بویہ ینعن علی الحسین بن	نے حسین بن علی بن ابی طالب پر
علی بن ابی طالبؓ	ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص۲۴۳ ج البدایہ والنہایۃ)

لہ حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں اسلام

اسلام کی تاریخ میں بویہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا

مصر پر تسلط تھا جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کی او دوسری

بہرحال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلاء میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر

طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انھوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے انھیں عضو معطل بنا دیا تھا نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم زدن نہ تھا، سب اختیار اور تمام قوت معزالدولہ کی تھی۔ ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا "لعنت ہو معاویہ پر لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا اور انھیں فدک نہ دیا نیز اس پر جس نے حسن کو ان کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت ہو اس پر جس نے ابوذر کو شہر بدر کیا۔"

رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معزالدولہ نے اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے صرف اتنا لکھوا دیا گیا "خدا کی لعنت ہو ان پر جنھوں نے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور لعنت ہو معاویہ پر۔"

یہ ابتدا تھی پھر ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا کہ "عاشوراء کے دن بازار بند رہیں' نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں منہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں۔"

پھر اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے

مشہور ہیں لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سَو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ:-

"جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے، اکابر و وزراء اور سلاطین میں سے جو جو اپنے اپنے زمانہ میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو اس پر قادر نہ ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ اور موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، پھر تو اس واقعہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو دور دراز شہروں اور قدیم زمانہ میں گذرا ہو پس کیونکر اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔

نوٹ نمبر ۲۲ یعنی محرم کی تمام بدعات اور خرافات کا بانی یہی معزالدولہ تھا۔ عاشوراء کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا، جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

جس پر چار سو[1] برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے جہاں حُسن ظن کے قرائن ممکن ہوں (الی آخرہ)"

(ص۴۶۵ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں فہذا الامر لا یعلم حقیقۃ اصلا یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا"

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپردقلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی لفظی تصویرکشی کے لئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوا تاہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابو مخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابلِ اعتبار، حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں، کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی

---

[1] امام ابو حامد الغزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کے زمانے سے واقعہ کربلا کو چار سو برس کی مدت گذر چکی تھی۔

تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابلِ تردید طریقہ پر ہو جاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس[950] انگریزی اور آٹھ سو[800] عربی میل کی مسافت بعیدہ دشوارگذار مراحل سے طے کرکے کسی حالت میں بھی بیس[20] بائیس[22] دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ ۲ر محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت کے وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کونسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔ جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آمائیوں کی بڑے آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر ہے اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے راوی کو اپنے معہود ذہنی سے پیش کرنا تھا۔ ولندیزی محقق دُے خوُے DEGOEJE نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:۔

"کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ، علی (رض) کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق اور شمول چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں (دعوت ناموں) کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انھوں نے بعد میں) اس کو ایک

المیہ بنالیا اور واقعات نے تدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار
کرلیا۔ عمر بن سعد (رض) اور اس کے فوجی افسروں کو عبید اللہ
(ابن زیاد) کو حتیٰ کہ یزید (رح) کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔"
(ص۲۹ ج انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

کذب وافترا کی بدترین مثال

دے خوسے جیسے آزاد اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے
میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا
رنگ اختیار کرلیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی
وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانہ
میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی وہ حضرت
سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں اور حضرت سعدؓ آنحضرت صلعم کے رشتہ میں ماموں
سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے، سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ اسلام
لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہ میں سے جنھیں حضرت فاروق اعظمؓ نے
خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔
جنگ احد میں اُن کی تیر اندازی پر نبی کریم صلعم نے ان سے فرمایا تھا:-

ارم فداك ابی وامی وقال هذا
خالی فلیبات کل رجل بخاله
(ص۱۰۱ المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

(یعنی اے سعد) تیر پھینکے جاؤ میرے
ماں باپ تم پر فدا۔ پھر فرمایا۔ یہ میرے
ماموں ہیں اور اب لائے کوئی آدمی
اپنا ایسا ماموں۔!

فاتح ایران تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے
مرتبت میں ممتاز رہے ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی، حضرت علیؓ جب
حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ
لے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار
سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمانؓ کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً
بے تعلق رہے ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت
کے قایم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے
یہ فرزند عمر بن سعدؓ امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بزمرہ صغار صحابہ
ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزهری
انه ولد فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم
(ص۱۷۳ ج ۳)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔
یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد
ہوئے۔

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی...
آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنھوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی
کی گود میں پرورش پائی، جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت
سے قایم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہیب نبی کریم صلعم کے چچا سید الشہدا
حمزہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں، جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاصؓ اُن
صحابیوں میں تھے، جنھوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہؓ

اور ان کے فرزند حضرت المسورؓ نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاصؓ
سب صحبت یافتگان نبوی میں وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطنیہ ایسی قوی
تھی کہ مابعد کے اولیاء بھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے ان ہی بزرگوں
کی گودوں میں، ان ہی کے آغوشِ محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں
عمر بن سعدؓ نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں، خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل
تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندانِ نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے
تھے معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد
تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو اہلِ عرب کا نسلی خاندانی
شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم صلعم کے تعدد ازدواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے، جن میں
بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازدواج مطہرات کے
خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیشِ نظر
حضرت حسینؓ یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعدؓ کی موجودگی میں
جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت
میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی
وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے
امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں جس کی یہ خاندانی
اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو جس کی یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان
سے ہوں جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ

ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبیداللہ
عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعدؓ کے لئے لکھدیا
تھا فکتب الیہ ابن زیاد عہدہٗ علی الرّی (ص ۲۳۲ ج ۶ طبری و دیگر
کتب تاریخ) اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستبی پر فرقہ
دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعدؓ کا تقرر کیا اور چار ہزار
سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسینؓ کے کوفہ آنے کی
جب خبریں ملیں ان کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ پہ بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا
تھا ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کر دو یا اس کام کو انجام دو[1]۔ رے
کی حکومت کے لالچ میں آکر منظور کر لیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے ان کے
منہ سے ہی کہلوا ڈالے۔

---

[1] ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے
درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر مقتل ابو مخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے،
اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسین کا سر جو کوئی (کاٹ کر) میرے
پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔
من یاتینی براس الحسین ولہ ملک الرے عشر سنین (ص ۰) پھر
امیر عمر بن سعدؓ پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور
کہنے لگے کہ یہ کام میں انجام دوں گا، انہیں حکم ملا کر جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پہ پانی بھی
بند کر دو۔ انجام دہی کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت

أأترك ملك الري والري منيتي ام اصبح وما ثوما بقتل حسين وفي قتله النار التي ليس دونه حجاب و ملك الري قرة عيني۔

کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسین رضی کے قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں لیکن ان کے قتل کرنے میں دوزخ میں جاؤنگا جس کا کوئی مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے منہ سے کہلوا دیئے، لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

طلب کی نامنظور ہوئی تو اٹھ کھڑے ہوئے، گھر پہنچے تو مہاجرین وانصار کی اولاد میں لوگ ابن سعدؓ کے گھر میں داخل ہو کر ملامت کرنے لگے کہ میاں تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے، بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے اور تم حسینؓ سے لڑنے جا رہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتلِ حسینؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں۔
ابو مخنف نے تو آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کئے ہیں۔ جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند شعر کہلوا دیئے ہیں۔ "واجابه هاتف" آخر کا شعر ہے ؎

فلا تحسبن الري يا اخس الورى   تفوز به من بعد قتل حسين

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا، ایک عجمی شاعر نے اصفہان، ہمدان و قم و رے ان چار شہروں کو دنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو "شاہِ بلاد" کہا ہے:۔

معدنِ مردمی و کانِ کرم و شاہِ بلاد   رے بود رے کہ چو رے در ہمہ عالم نبود

کیا تعجب "شاہِ بلاد" کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو۔ اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مورخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا؎۔ پھر ابو مخنف لوط نے ان کی اس تقریر کے فقرے

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسین کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہو گا۔ الغرض یہ ہے واہی روایت جس سے حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے (منہ)

؎ وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہے کہ امیرالمومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام "سرجون رومی" سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سُن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا اس نے عبیداللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجس تھا محکمۂ مالیات کا کارکن تھا شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا لغو و مہمل ہے۔ بیان ہو چکا ہو کہ امیرالمومنین جو اپنے دہ سالہ زمانہ ولیعہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبارِ خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی

جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر پر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انھوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔ فان امیرالمومنین اصلحہ اللہ ولانی مصرکم وثغرکم (ص۲۰۰ ج طبری) یعنی امیرالمومنین نے خدا ان کی بہتری کرے، مجھے تمہارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔ جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) کے معاملات سے اس کا کیا تعلق اور واسطہ۔ ایک علاقہ کا والی یا عامل گورنر) دوسرے علاقے کے والی و عامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجرا کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر و تبادلہ و برطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت کو ہوتا ہے۔ خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیرالمومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انھوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں میں سے کسی کا تبادلہ کیا، کسی کو مقرر کیا، کسی کو خدمت سے سبکدوش کیا غرضیکہ والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیرالمومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعۃً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں؟

کی قابلیت سے بذاتِ خود واقف تھے ان کو محکمۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی و عامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

کہاں کوفہ کا عارضی والی گورنر اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر کا با اختیار خود اجرائے فرمان! ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

امیرالمومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی، کسی فتنے نے سر اٹھایا ہوتا تب بھی اک بات تھی، امیر عسکر کو دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سیکڑوں کوس دور واقع تھا، درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے، رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی، اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا، وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار در ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اس زمانہ میں قیس بن الہیثم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیرالمومنین یزیدؒ نے سلم بن زیاد کو ان کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا انھوں نے بخارا کمکانج اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کئے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت

کو ارسال کیا (ص۵۵ و ۳۰، کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ اپریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ) ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریا دل امیر المومنین نے حضرت حسین رضؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضؓ کو اور ان کے جود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال ان اوراق میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کے لئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقع اور وقت۔ دستبی موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دنبا وند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے ان مواضعات کو قزوین کے علاقے میں بھی شمار کیا گیا (ص۵۳ ج ۸ معجم البلدان)

رے سے خراسان کے علاقے کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا ذالرے علی جادۃ طریق خراسان (ص۵۲ کتاب البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گذر ہوتا تھا بہر حال موضع دستبی میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیان کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم و نسق سلطنت استوار کرنے

کی ایسی موثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستبی کے لئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو رے کی حکومت کا فرمان بھی باختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسین رضؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سن کر چونک پڑا، دستبی والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا "پہلے حسین رضؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا" فسر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا و بینہ سرت الی عملک (ص۲۳۳ ج ۶ طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسین رضؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں لیکن کسی راوی یا مورخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ "حضرت حسین رضؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے" تو پھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جا کر اپنے جدید عہدہ کا چارج کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا بجائیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسین رضؓ کے معاملہ سے فراغت پائی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا "قرۃ عین"

تھا اور اتنا محجوب کہ "قتل حسینؓ" کا ارتکاب کرکے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی اس ٹھنڈک سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طرح گوارا نہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا یا اسے دیا گیا؟ کسی مورخ یا راوی نے یہ بھی نہ بتایا کہ جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا۔ کب ہوا، کیونکر ہوا اور کس ذریعہ سے ہوا، ان امور کے پیش نظر راویوں اور مورخوں کی یہ خاموشی کیا معنی خیز نہیں اور کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر فراہمی لشکر، موضع دستبی کے واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کی جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا ہے۔

کردار ابن زیاد امیر عبیداللہ بن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیرالمومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پرخاش تھی اور نہ بغض و عداوت، وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان ہی کے نام لیوا رہے، ابن زیاد کی نیک نیتی کا بیّن ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ مسلم

بن عقیلؓ نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعدؓ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرنے کے بعد بھی بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں۔ مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی عناد و مخاصمت ہوتی تو مسلم کا یہ پیغام ان تک کیوں پہنچنے دیتے، انھوں نے تو صاف کہدیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیرالمومنین کے فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھالی جائے وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے، یہ چند باتیں تو اس لئے پیش کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقعہ واردات پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بُعد مسافت اور منازلِ مراحل کی تعداد کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم کی یہ سب روایتیں ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؓ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسین" کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا۔ خود ابومخنف ہی کی روایت ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار

ملاقاتیں ہوئیں۔ انہما کانا التقیا مراراً ثلاثاً او اربعاً حسین و عمر بن سعد (ص۲۳۵ ج۶ طبری)

ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:۔

فان اللہ قد اطفاء النائرۃ و جمع الکلمۃ و اصلح امر الامۃ۔	خدا نے آتش (اختلاف) کو بجھا دیا اور اتفاق پیدا کر دیا اور اُمت کی اس سے بہتری چاہی۔

(ص۲۳۵ ایضاً)

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مورخین نے نقل کی ہیں، گذشتہ اوراق میں جن کا ذکر آ چکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:۔

ھذا الکتاب رجل ناصح لامیرہ و مشفق علی قومہ نعم قد قبلتہ۔	یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔

(ص۲۳۶ ج۶ طبری)

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ

مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انھیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے کٹ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آ رہے تھے اپنے مشن کی ناکامی پر ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انھوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نووارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجا و سلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں، بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہوں گے۔ ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کئے کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت حیرہ اور اس کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے، حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر تحریص و ترغیب کی حرکتوں سے

باز نہیں آئے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؓ کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بھی بیعت کریں، تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔" آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبیداللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مرادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالہ کر دیئے تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیلؓ کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب

ہو رہے تھے مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے، اور جنھیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں جنھوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویسوں نے کہا ہے کہ:-

> "گورنر (کوفہ) عبیداللہ ابن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں سے کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔"
>
> (ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے، جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال و قتال میں

بدل گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہو جانے کا تصور تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن و ملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق بر زبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت حسینؓ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو گئی۔ ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے

قال فکانی انظر و موع عمر بن سعد وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ۔

(ص۲۵۹ ج طبری)

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر ابن سعد کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بہ سبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پہ بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا۔ حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ انھوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سبائیوں کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا، جس کا بیّن ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے ملتا ہے جہاں انھوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر ۷۲ مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار

رونے لگے۔ پھر انھوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پردہ دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں۔

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسینؓ واخواتہ وجاریہ وحشمہ فی المحامل المسترتہ علی الابل۔

(ص۲۶۰ سطر ۱۱۔ اخبار الطوال)

اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

ولندیزی محقق دے خوئے نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا اسی غرض سے یہ چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسین" پر ایسا رنج و قلق ہوتا ہے کہ زار و قطار رونے لگتے ہیں رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ خواتین اور پس ماندگان کو عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجتے ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویریں ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو بُعد مسافت (مکہ و کربلا) تعداد منازل و مراحل روانگی سفر کی صحیح تاریخ کربلا کے محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ و بلدان وغیرہ کے حوالہ جات سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں

اور مبالغات ہباءً منثوراً ہو جاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے، جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ طبقات ابن سعد میں بذیل الطبقۃ الاولیٰ من اھل المدینۃ من التابعین۔ تابعین کے زمرہ میں ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزھری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراھیم وابن ابنہ ابوبکر بن حفص وابو اسحاق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزھری ویزید بن ابی حبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقۃ۔

(ص۴۵۰ ج۷ تہذیب التہذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انھوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص نے نیز ابو اسحٰق السبیعی اور العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ والزہری و یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو "قتل حسین" سے جب متہم کیا جانے لگا متاخرین میں سے بعض کو ان کی مروی احادیث لینے میں تامل ہوا، ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہ تو غیر متہم تھے لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج۲ ص۲۵۰) علامہ ذہبیؒ کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے، جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کاذبہ عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جبکہ صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے وہ تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گذر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے باایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرہ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجرؒ نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں، ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحٰقؒ[1] عمرو بن عبداللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۰ سال و قتادہ بن دعامہ سدوسی و محمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ غالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاثرات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے موجود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

---

[1] یہ ابو اسحاق شیعہ اولیٰ میں ہیں اور روافض سے بیزار۔

محدث ابو بکر بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا[1] چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص ان اللہ فتح الشام والعراق فابعث من قبلك جندًا الی الجزیرۃ فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم وبعث معہ عمر بن سعد وھو غلام حدیث السن وکذ ارواہ یعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمہ بن الفضل عن اسحٰق

راوی نے بیان کیا کہ (حضرت) عمر بن الخطابؓ نے (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام و عراق پر مسلمانوں کو فتحیاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ نے) عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعدؓ کو بھی بھیجا جو اس وقت نو عمر تھے۔ اسی کو

---

[1] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ) میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحٰق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علی ابن فتحون بہتر تھے (وھما متعاصران وثانیھما احسنھما) کشف الظنون میں ابو بکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

وکان ذٰلك تسع عشرۃ قال ابن فتحون من کان فی ھذہ السنۃ یبعث فی الجیوش فقد کان لا محالۃ مولوداً فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن عساکر ھذا یدل انہ ولد فی عمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ۔
(ص۲۰۷ ج۳ الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ مصر)

یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انھوں نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سنہ میں فوج میں شامل کر کے بھیجا گیا ہو وہ لا محالہ عہد نبی صلعم کا مولود ہو گا ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ علیل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے انھوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہو گا۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا تو حجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا، اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ وہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ

---

[1] عمر بن سعدؓ کی ولادت عہد نبوی میں ثابت ہے جیسا کہ آگے آتا ہے لہٰذا وصیت کا یہ واقعہ پہلے کا سمجھنا ہو گا۔ اس کا مضمون بھی یہی بتاتا ہے۔ غالباً بنو قریظہ کے اموال جب مہاجرین پر تقسیم ہوئے تھے اس زمانے کی بات ہو گی۔

حدیث ہی اول تو محل نظر ہے۔ عہد نبوی میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو۔ قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر سعدؓ اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ نے تصریح کی ہے تو یہ بیّن دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کر سکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم از کم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعدؓ کو کسی طرح بھی متہم کیا جا سکتا ہے جو "قتل حسین" کے متعلق ان پر لگائے گئے ہیں۔ کفر و زندقہ کا الزام تو ان اعدؤں میں سے کسی نے بھی ان پر عاید نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکہ قابل قیاس ہو سکتی ہے کہ جس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوں جس ذات اقدس سے یہ قرابت قریبہ ہو کہ ان کی دختر — حضرت فاطمہ زہراؓ — رشتہ میں ان کی پھوپھی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں۔ ان ہی کے فرزند

دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسہ ہوں، ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کے لالچ میں!!

ان وضاعین نے خاص مقصد سے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں تو بھیانک سے بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ کی حسینؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کر کے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ سے مقاتلت کرنے میں ان کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دنیا میں "مطرود و ملعون" ہو جانے کے مرادف سمجھتے تھے۔ صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں :—

چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت	چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی .....

(ص۲۲۳ ج از کتاب دوم)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے :—

اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز د خود را مطرود ملعون دارین سازد	لیکن عمر بن سعد چونکہ حسینؓ سے قتال جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دنیا میں اپنے کو مطرود و ملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(ص۲۲۴ ایضاً)

ذاتحدث سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سلجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے

کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے خود امیرالمومنین کی اپنے اس عامل کو جنھیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا تھا۔ صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے۔ سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آ جانے پر بھی وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا حتیٰ کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انھوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا ان راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں ۱۷ جوان حسینی قافلہ کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنھیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساٹھ پینسٹھ کوفیوں اور برادران مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی نوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہو گئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادر کشی سے روکتے رہے مگر بے سود۔ ابو مخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے

ساتھ کربلا کے حالات ہیں۔ خصوصاً نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی، یہ روائتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط، بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو افسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے ابو مخنف نے اسّی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مولف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

علمائے اخبار و مورخین آثار در شمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت با حسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند ایں جملہ را من بندہ یاد کردم و با سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ و سہ ہزار در قلم آمد۔

(صـ۲۳ـج ۲ از کتاب دویم)

علمائے اخبار اور مورخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسین سے قتال و جدال کرنے کے لئے جمع ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعد کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار تعداد قلمبند کی ہے۔

ان ہی مولف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسّی ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔ ہمگان کوفی بودند و حجازی و شامی با ایشان نبود (صـ۲۳ـ ایضاً) یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انھیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہوتا

چاہیئے تھا مگر ان کو تو داستان سرائی کرنی تھی نہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ علاقہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا تو تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج وسپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہو سکتی تھی اس زمانہ میں تمام ایران و خراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا۔ ۵۳ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس کے ہمدان و رے وغیرہ کے علاقہ تھے، چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا از سر نو انتظام کیا گیا۔

بہرکیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کو فہی کے تحت تسلیم کرلئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مدت حادثۂ کربلا کے وقت تک عبیداللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ سنبھالنے کی ہوتی ہے، اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہو جانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسی ہزار فوجی اور ان کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کرکے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد علاوہ سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف عسیرالحصول تھا بلکہ ناممکن، علمائے اخبار و مورخین آثار" نے یہ نہ بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر مور شمار آخر کیوں۔ کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سو سوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لئے جن میں متعدد نو عمر تھے اور جدال و قتال

سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کہ ان کی ان سلخنگیوں کو بھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی ان کو تو امیر المومنین یزیدؒ ان کے عمال خلافت اور خاندان بنی امیہ کے خیالی ظلم وستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور فرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرتے تھے مثلاً یہ کہ

بالجملہ (حسین) میزد و بیکشت و می
افگند و لشکر از پیش روے او چوں گور خر
از شیر و گلہ از گرگ می رمیدند و در ہمین
وقت حرب گاہ می پراگندند تا ایں
وقت بہ روایت ابن شہر آشوب و
محمد بن ابی طالب ہزار و از صد و پنجاہ
کس از آں کفار را بیرون زخمداران
با تیغ در گذرانید۔

(ص ۲۹۹ ج از کتاب دویم)

خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے۔ اٹھا پھینکتے تھے اور لشکری ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدان جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ایکہزار نو سو پچاس کفران کفار میں سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نو سو ۱۹۰۰ سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان نذم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں لکھتے ۲۵ شعر اسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

بعلی الطہر من بعد النبی — والنبی الھاشمی الوالدین

خیرۃ اللہ من الخلق ابی — بعد جدی فانا ابن الخیرتین

والدی شمس و اُمی قمر — فانا الکوکب وابن القمرین

اُمی الزہراء حقاً و ابی — وارث العلم و مولی الثقلین

بھلا ان حسبی و نسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمکدار ستارہ ہوں اسوقت موقعہ ہی کیا تھا حاشا جنابہ یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لے کر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثیر کو قتل کر ڈالا " قتل منھم خلقاً کثیراً " (ص۸۸) ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی مولف " مجاہد اعظم " نے آپ کے اور آپ کے رفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانا ہے " پھر کہتے ہیں کہ " اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اور دوسروں کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے " (صفحہ ۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر باری ہونے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بیہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اٹھا نہ گیا، دھاڑیں مار کر بین

فریاد کرنے لگے " فبکی بکاء شدیداً ونادی (ص۸۹) ابو مخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں :-

واجداہ، وا محمداہ، وا ابتاہ، وا علیاہ، وا اخاہ، وا حسناہ، وا غربتاہ، وا عطشاہ، وا غوثاہ، واقلۃ ناصراہ، اقتل مظلوماً وجدی مصطفیٰ، واذبح عطشاناً وابی علی المرتضیٰ، واترک مھتوکاً و اُمی فاطمۃ الزہرا۔

(مقتل ابی مخنف مطبوعہ نجف ص۸۹)

ہائے نانا، وائے محمدؐ، ہائے ابا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی، وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفیٰ ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے باپ علی مرتضیٰ ہیں۔ ہائے مجھے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مرد مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ بین و واویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا " ناسخ التواریخ " کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریان ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھئے۔

عمر بن سعدؓ اور ان کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں ان کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، بچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے (۱۹۵۰) لشکریوں کے لئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گذرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید حالانکہ طبری و دیگر تمام مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا، جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی، قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بُعد مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعی وضعی اور بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ بہ دوران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر عاقبت نااندیشانہ، اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

ان راویوں کا ایک حرف تو بیان یہ ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا، نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ "یہ مریض لڑکے ہے" کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ

وہ اس وقت ۲۳ برس کے سن و سال کے صاحب اولاد تھے اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی "خوشخبری" سنانے کو ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتحمند کیا۔ لا بشرھم ۔ ۔ ۔ ۔ یفتح اللہ علیہ (مت ۲۶۳ ج طبری، حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں، یعنی اُن کے چچا حضرت عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ماموں سابقون اولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارہویں تھے اور وہ صحابی تھے جنھوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی ان ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت کے جہادوں میں ملک شام میں وفات پائی حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں جن کو یہ "خوشخبری" پہنچانے کے لئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو صحابہ کرام اور ان کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کے بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی ۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے دو بیٹیوں کے نام حضرت موصوف کی دختر ام المومنین حفصہؓ کے نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابو حفص سے موسوم کیا۔ شاید ان کے نام "عمر" کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور قرین بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب بنا ہو

ان تمام مبالغات، وضعی و اختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؓ اور آپ کے اہل خاندان کے موقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیرالمومنین یزیدؒ اور بنی امیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں اور ابن سعدؓ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے۔

موقف علی بن الحسینؓ

حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اپنے جذبات خیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا، سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ ان کے دھوکہ میں نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک آپ نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا، لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو جاتا ہے کہ یہ امت حضرت علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اول سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت سے

مودت کی ۔۔۔ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ برتاؤ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑ سکا آپ نے دمشق میں امیرالمومنین یزیدؒ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمرو و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی، اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیرالمومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدینؒ) (ص۲۱۸ البدایہ والنہایہ) اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیرالمومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المرّیؓ کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی کہے تھے (انساب الاشراف بلاذری جلد ۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری	واشرف القوم علی وادی القری
یعنی جب فوج روانہ ہو کر وادی القری	پہنچ جائے تو ابوبکر (ابن الزبیرؓ کی کنیت) سے کہہ دینا
اجمع سکران من الخمر تری	ام جمع یقظان اذا حث السری
کیا تم ایک شراب پرست کی جماعت سمجھتے ہو	یا سرگرم ہوشمندی کی جو بغاوت فرو کرنے کو فوج بھیجتا ہے
واعجبا من ملحد وا عجبا	مخادع فی الدین یقفو بالقری

افسوس و تعجب ہے اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر — جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے۔

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں، اور حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی اور فرمایا۔

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ تو قیر کے ساتھ بٹھانا وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔" (طبری ج ۲ ص ۳۰۰)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:۔

ان امیرالمومنین امرنی ببرہ واکرامہ (صفحہ ۳۹ جلد ۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیرالمومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیرالمومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ان کو دعائیں دیں اور کہا۔ "وصل اللہ امیرالمومنین" یعنی اللہ تعالیٰ امیرالمومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے۔"

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابوجعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

سال یحییٰ بن شبل ابا جعفر یوم الحرۃ۔ ھل خرج فیھا

احد من اھل بیتک؟ فقال ما خرج فیھا احد من آل ابی طالب ولا خرج فیھا احد من بنی عبد المطلب، الزموا بیوتھم فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبۃ) وقتل الناس وسار الی العقیق سأل عن ابی علی بن الحسین احاضر ھو فقیل له نعم فقال ما لی لا اراہ فبلغ ابی ذلک فجاءہ ومعه ابو ہاشم عبد اللہ والحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیۃ) فلما رای ابی رحب به واوسع له علی سریرہ ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد اللہ الیک فقال مسرف ان امیرالمؤمنین اوصانی بک خیرا فقال ابی وصل اللہ امیرالمؤمنین۔

"یحییٰ بن شبل نے ابوجعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعۂ حرّہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد مدینے نکلا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابوطالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبدالمطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادیٔ عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن الحسینؒ) کو پہنچی وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور حسن فرزندان محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ)

بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انھوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا۔ مسرف نے کہا کہ امیرالمومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد علی زین عابدین نے کہا: وصل اللہ امیرالمومنین یعنی اللہ امیرالمومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے: طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۵

حضرت ابوجعفر محمد (باقرؒ) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ السیاسۃ کے غالی مولف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

وسال مسلم ابن عقبۃ قبل ان یرتحل من المدینۃ عن علی بن الحسین احاضر ھو؟ فقیل لہ نعم، فاتاہ، علی بن الحسین ومعہ ابناہ، فرحب بھما وسھل وقربھم وقال ان امیرالمومنین اوصانی بک فقال علی بن الحسین: وصل اللہ امیرالمؤمنین واحسن جزاءہ۔ (ج ۱ صفحہ ۲۳)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں۔ اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں علی بن الحسین اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے فرزند بھی تھے مسلم نے انکو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیرالمومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی وصیت فرمائی ہے یہ سن کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے کہا کہ وصل اللہ امیرالمومنین یعنی اللہ تعالیٰ امیرالمومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور

ان کو جزائے خیر دے۔

حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدینؒ) کی زبان سے امیرالمومنین یزیدؒ کو . . . امیرالمومنین کہنے ان کو دعائیں دینے سننا ناواقفوں اور "یزید دشمنی" کے ہزار سالہ پروپیگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے کچھ نئی سی بات معلوم ہوگی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ

"یزید کو امام و خلیفہ (امیرالمومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱ - ۶۴ھ) میں با اختیار حکمراں تھے۔ صاحب سیف تھے طاقتور تھے عزل و نصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے، حدود شرعی قائم کرتے تھے، ______ کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمراں ہونے سے انکار کرنا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کردے کہ (حضرت) ابوبکرؓ (حضرت) عمرؓ (حضرت) عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی!

(ملخصاً منہاج السنۃ و رسالہ حسین و یزید)

زمانہ خلافت میں تو "امیرالمومنین" سے مخاطب ہونا یا سرکاری کاغذات میں نام کے ساتھ امیرالمومنین لکھا جانا عام بات تھی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ انساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہوچکا ہے جس میں انھوں نے اسی

لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیرالمومنین لکھتے تھے۔ مثلاً علامہ ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"وولد معاویۃ امیرالمومنین ۔۔۔۔ یزید امیرالمومنین۔"

(صفحہ ۱۰۳)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابوالحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنہیں امام ذہبی نے "احد الاعلام اور قدوۃ روایۃ" اور ائمہ احادیث میں سے "ثقۃ حجۃ بلا نزاع" لکھا ہے (میزان اعتدال: جلد ۲ صفحہ ۲۶) یہ قول نقل کیا ہے یعنی وہ فرماتے تھے کہ:۔

"توفی امیرالمومنین یزید فی تاریخ کذا۔"

یعنی امیرالمومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں "فسماہ اللیث۔ امیرالمومنین بعد ذھاب ملکھم وانقراض دولتھم" یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی "امیرالمومنین" کہتے تھے۔ جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا نام ولقب اس طرح لکھا ہے۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان بن حرب بن امیۃ بن عبد شمس امیرالمومنین ابوخالد الاموی (البدایہ ج ۸ صفحہ ۲۲۶)

کذا بین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر

بن عبد العزیزؒ امیر یزیدؒ کو امیرالمومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے، اس کی تکذیب میں باسناد صحیح بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔

(لسان المیزان)

حضرت علی (زین العابدینؒ) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ انھوں نے جرأت کے ساتھ بنی امیہ کے بعض اکابر کی امداد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؓ کی اہلیہ سیدہ عائشہ بنت حضرت عثمان ذی النورینؓ کی، ان کے گھر کے ساز و سامان اور ان کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ ان سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے، ان کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہ جب طائف جانے لگیں، اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو جو حضرت محمد باقرؒ کے سگے بھائی تھے۔ آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیجدیا تھا (طبری) حضرت علی (زین العابدینؒ) ان کے اہل بیت دیگر بنی ہاشم یعنی ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) ان کے دادا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ان کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر کمزور طبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رخ دیکھا کرتے، جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن الزبیرؓ سے بیعت کرکے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا۔ مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا عشر عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ ان

سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدّم (قصاص خون لینے والے) تھے امیر المومنین یزیدؒ کے مخالف اور مدِ مقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی۔ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن الزبیرؓ کی بیعت انکار کرنے پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؓ۔ امیر المومنین عبدالملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہو گئے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اُموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملّیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوگا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ اس بغاوت کو ملی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انی سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول یُنصَبُ لکل غادرٍ لواءٌ یوم القیامة وانا قد بایعنا هذا الرجل علی بیع الله و رسوله وانی لا اعلم احداً منکم خلعه ولا تابع فی هذا الامر الا کانت الفیصل بینی و بینه۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن۔ جلد ۲ جزو ۲۹)

"حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ

کی بیعت توڑ دی، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ہر غدار کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا (کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں) ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں: "باب اذا قال عند قوم شيئاً ثم خرج فقال بخلافه"۔ یعنی باب: جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہو کر اس کے خلاف کہنے لگے"۔ غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا۔ اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیمان توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشتے تھے۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے: کہ جب ابن الزبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انھیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انھیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا:۔

فقال ابن عمرؓ: انی لم اتک لاجلس اتیتک لاحدثك حدیثا سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من خلع یداً من طاعة لقی الله یوم القیامة لا حجة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔

"ابن عمرؓ نے فرمایا، میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا۔ بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت (زین العابدینؒ) اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا تھا۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ وفساد اور تفرقہ سے مجتنب۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) نے امیرالمومنین یزیدؒ کے زمانہ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی امیہ کا زمانہ پایا یعنی امیرالمومنین مروانؓ کا۔ ان کے فرزند امیرالمومنین عبدالملکؒ کا اور ان کے فرزند امیرالمومنین الولید بن عبدالملکؒ کا۔ دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح وہ بھی ان تمام خلفائے بنی امیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت وخلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے۔ طبری جیسے شیعی مورخ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علی (زین العابدینؒ) میں قدیم سے دوستی تھی اور رشتہ داری بھی حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیرالمومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروان حضرت علی المرتضیٰؓ کے داماد تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحہ ۸۰ والبدایۃ والنہایۃ، جلد ۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسین زین العابدینؒ کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو ان سے ادا نہ ہوسکا تھا۔ حضرت مروانؓ نے (بھی) وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں۔ (البدایہ والنہایۃ: جلد ۹ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس محبت ومودت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی زین العابدینؒ کے ساتھ تھی۔ وہ لکھتے ہیں:- واحبھم الی مروان وابنہ عبد الملکؒ (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹۔ البدایہ والنہایہ)

امیرالمومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے بنی اُمیہ کے بارے میں بھی کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے۔ وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (صفحہ ۲۵۷۔ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروانؓ) صحابی تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیب وعروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علی (زین العابدینؒ) نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ وقد کان مروان من سادات قریش وفضلاءھا۔ (صفحہ ۲۵۷، جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ) یعنی (حضرت) مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے۔ امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے اس زمانہ میں

حضرت حسنؓ و حسینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت جعفر (صادق) بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی (زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں:۔

عن جعفر بن محمد عن ابیه ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان (صفحہ ۲۵۸، جلد ۸ - البدایہ والنہایہ)

یعنی، جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد علی (زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسن وحسینؓ (حضرت) مروانؒ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔"

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کیلئے "یا ثارات الحسین" (یعنی خون حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کرکے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علی (زین العابدینؒ) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیرالمومنین عبدالملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا۔ "ان المختار بعث الی بمائة الف فکرهت ان اقبلها وکرهت ان اردها فابعث من یقبضها"

یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آکر لے لے۔

امیرالمومنین موصوف نے جواباً لکھے:۔ "یا ابن عم اخذها فقد طیبتها لك فقبلها" (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ - البدایہ والنہایہ) یعنی اے ابنِ عم آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے، پس آپ نے اس کو قبول کر لیا۔[1]

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہلِ فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ اگر حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا، اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں امویوں کی دین دشمنی کا نتیجہ تھا تو امیرالمومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدان عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی امویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ خود اگر کسی قدر کمزور تھے تو انھیں چاہیئے تھا کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تاکہ ابن الزبیرؓ کے ہاتھوں امویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع ظاہر ہو جائیں تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا، مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علی (زین العابدینؒ) حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ)

---

[1] امیرالمومنین عبدالملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحب اقتدار ہے اور نیاز مندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیرالمومنین عبدالملکؒ اسے لینے کی اجازت نہ دیدیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ اُلٹی بات کیوں کی کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ نہ دیا مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا۔ امیرالمومنین مروانؓ و امیرالمومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے[1] جس کے نتیجے میں ایک صدی تک کے لئے تمام عالم اسلام اُمویوں کے زیرنگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روزبروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علی زین العابدینؒ اور ان کے اہلِ خاندان کے اس موقف سے روز روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور اُمویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم بتیہ کو پورے کا ملانے کے دنحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی و اُموی سادات ایک ہی خاندان (بنوعبدمناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت و مودت تھی اور تعلقات مصاہرت تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی اُمیہ و بنی ہاشم مشہور مستشرق دے خوے De Goeje نے اپنے عالمانہ و محققانہ مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی اُمیہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک موقع پہ لکھا ہے:۔

---

[1] سیدنا ابن عباسؓ اگرچہ امیرالمومنین عبدالملک کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

- تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی اُمیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی بُرائی و معصیت کو جو تصور کی جا سکتی ہے بنی اُمیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ و مصئون نہیں، اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ بنی اُمیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات و تاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جا سکتا ہے

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ ج۔ گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ و ادبیات وغیرہ کی کثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تصنیف ہوئیں اور ہم تک پہنچیں، بہ کثرت روایات بنی اُمیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے بنی اُمیہ کو ظلم و ستم، فسق و فجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے مگر ان کتابوں کے مؤلفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں نہ علوی۔ نہ ان کی سرپرستی میں [illegible] ہیں۔ لیکن جو تھیں، نہ [illegible] سے ان کا کوئی واسطہ جو کثر و بیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کیلئے قلق کے قوال موجود میں ثابت [illegible] کذابین کی چھان بین کرتے تو معلوم ہوتا کہ علویوں عباسیوں کا ذکر بنی اُمیہ

کے مخالفانہ پروپیگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے۔ اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنیوالے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مولفین ہیں، جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلا کسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ اور طبری سے اس کے بعد والے مورخین نے۔ ابو مخنف لوط وغیرہ سبائی راویوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عمار الدھنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ ان کے علاوہ اسی وضع و قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ بنی اُمیہ اور شامیوں کے خلاف سب و شتم و تہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کر دیا تھا جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا:۔

> "ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمانؓ کی بابت اختلاف ہوا۔" (نہج البلاغۃ، جز ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔ اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مؤلفین نے جو کتابیں تالیف کیں۔ اور راویوں نے روایتیں وضع کیں۔ اُن میں سب و شتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ حتیٰ کہ ان ہی اہلِ شام کو (یعنی حضرت

معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو) جنھیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر و کافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت معاویہؓ اور بنی اُمیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں، جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی و کاتب وحی کو جنھیں قرآن پاک میں "کرامٍ بررۃ" فرمایا گیا ہے، یعنی بڑی عزت والے اور بڑے پاکباز۔ "اہل النار" میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا "ولکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً۔" (صفحہ ۵۶۰۔ خطبہ ۱۹۵، نہج البلاغۃ)

سب و شتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ خود کو ہوا، لیکن بنی اُمیہ کے خلاف کذب بیانی و افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور امویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں۔ اُموی خلفاء اگر ویسے ہی تھے۔ جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں فاسق و فاجر تھے، منافق و کافر، ظالم و سفاک تھے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے[1]

صفین و کربلا کے بعد کی قرابتیں حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی

---

[1] دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اموی خلافت

اُمیّہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل :-

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؓ کے عقد میں آئیں، جو امیر المومنین عبد الملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

(جمهرة الانساب ابن حزم : صفحہ ۸۰)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبد الملکؒ کے عقد میں تھیں۔ (البدایہ والنہایہ : ج ۹، صفحہ ۶۹)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؓ بن کریز اُموی کے فرزند عبد الرحمٰن کو بیاہی گئیں۔ (ص ۷۱ جمهرة الانساب ابن حزم) یہ امیر عامر اُموی بصرہ کے

کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں۔ سب سے اہم چیز یہ حدیث و فقہ کی تدوین جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی۔ ان کتابوں میں اموی صحابہ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاویٰ مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے، موطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک امویوں کی خلافت امت کے نزدیک متفق علیہا رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ میدان میں اس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خوں ریز معرکے ہوئے۔ ادھر خود عربوں میں تلوار چل پڑی حتیٰ کہ خود امویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

گوشہ تھے اور جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اُموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی :

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؓ کی شادی امیر المومنین ولیدؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اُموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اُموی و مروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسینہ و علویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے، مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس سخیفانہ طرز میں لکھا ہے "خرجت الی الولید" (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی) اصل عبارت ان شیعہ مؤلف کی یہ ہے :-

وكان لزيد ابن حسين بن علیؓ ابنة اسمها نفيسة خرجت الى الوليد بن عبد الملك بن مروان فولدت له منه وماتت بمصر وقد قيل انها خرجت الى عبد الملك بن مروان وانها ماتت حاملا منه والاصح الاول وكان زيد يفد على الوليد بن

یعنی زید (بن حسن بن علیؓ) کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو ولید بن عبد الملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی، اس سے اولاد بھی ہوئی، مصر میں فوت ہوئی، یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبد الملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبد الملک

عبدالملك ويقعده علے	کے پاس جایا کرتے تھے، وہ ان کو اپنے
سريره ويكرمه لمكان ابنته	پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ
ووهب له ثلثين الف دينار	سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے کو یک وقت
دفعةً واحدة۔	تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں۔

(عمدة الطالب: صفحہ ۴۴ طبع اوّل مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ)

یہ زیدؔ بن حسن بن علی وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

ان جناب مؤلف نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر "خرجت الی" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں سیدہ ام کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالۂ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے "داول فرج غصبت منا" (یعنی یہ پہلی شرم گاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ معاذ اللہ۔

معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداءً اسی نے ڈالی تھی لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالۂ عقد میں آنے کا حال اس کو تحقیق ہو گیا تو وہ حیرت زدہ ہو کر کہتا تھا: ما سمعتُ هذا قط (ص۲۶۳ ج البداية والنهاية) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعت کے عقائد سے تائب ہوا...

ورجع الی السنة ومتابعتها (ص۲۶۳ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کے درمیان محبت و اتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اموی و مروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمهرة الانساب ابن حزم صفحہ ۳۶) یہ زینب حضرت محمد الباقرؒ کی ساس اور عبد اللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؒ مثنیٰ واقعہ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے اور معرکۂ قتال و جدال میں شریک ہو کر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے اور زخم مندمل ہو کر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی اُم قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؒ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسن کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؒ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؒ (زین العابدین) کے عقد میں آئیں (جمهرة الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ وکتاب المحبر صفحہ ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروانؒ بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسے ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ و صفحہ ۱۰۰ جمهرة الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے ایک بھتیجے کے فرزند، اسماعیل بن عبد الملک بن الحارث بن الحکم کو

بیاہی گئیں، ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے۔ یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید، فرزندان اسمٰعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)۔

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبد الملک مذکور سے ہوئی تھی، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے محمد الاکبر و حسین و اسحٰق و مسلمہ پیدا ہوئے۔ (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب۔ ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازدواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس ۳۶ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے اس عرصہ میں ۹ خاتونوں اور ام ولد کو زوجیت میں لائے، وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ ام ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم) شیعہ مورخ و نسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

کلامیر مؤمنین فی اکثر الروایات	یعنی امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات
ستۃ وثلٰثون ولداً ثمانیۃ عشر	کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں، جن میں سے
ذکراً وثمانیہ عشر انثیٰ (صفحہ ۴۴)	۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں (صفحہ ۴۴)

دختران علی زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباس اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۳)۔ وتزوج منھن ایضاً عبد الملک بن مروان (صفحہ ۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان میں (بنات علیؓ میں) سے اسی طرح عبد الملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان

رشتوں سے جو بنی امیہؓ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی امیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی و سماجی و معاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم و عمل و سیرت و کردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور "امام" زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔ اب تصویر کا وہ رخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے:-

سنہ [illegible] میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے خود تصنیف کر کے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کر کے شامل کتاب کئے ہیں ان میں سے متعدد خطبات میں عبد الملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص میں، نیز ان لشکر کشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبد الرحمن بن الاشعث کے مقابلہ میں خلیفہ اموی نے کیں حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت موصوف کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس اموی خلیفہ عبد الملکؒ کو حضرت علیؓ کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کئے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۰ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے :-

"کَاَنِّی اَنظُرُ اِلٰی ضلیل قد نعق بالشام - الخ یعنی : گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اس نے نواحِ کوفہ میں اپنے عَلَم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا مُنہ درندوں کی طرح کُھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں۔ وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں، لڑائی کی موجیں جنبش کریں دنوں میں اس کے ظلم و ستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جَور و اَلَم کی گزندگی۔ میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں اس کا گلو شقشقہ شترِ مست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں۔ اس کے فتنے شب تیرہ و تار اور بحرِ متلاطم و مواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر ہو۔ تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بنی مروانؓ) دوسرے گروہ (یعنی بنو عباسؓ) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیرِ خاک پنہاں ہو جائیں۔" [۱]

---

[۱] اہلِ تاریخ نے زوالِ خلافتِ امویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتحمندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چن چن کر اموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر نصیب عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے امیر عبدالرحمٰن الداخل

حضرت علیؓ کی وفات سے تیس [۳۱] اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی۔ آپس میں محبت تھی

وقد کان عبد الملک یحب مُصعَباً حباً شدیداً وکان خلیلا لہ قبل الخلافۃ (صفحہ ۳۱۶ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

(یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے)

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؓ جدال و قتال سے

جنھوں نے ہسپانیہ میں اموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں و اعیبوں کی دست بُرد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے انھوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا وہ اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہیں کہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہسپانی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپیگنڈا کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں اُمویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

ہ راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم و مصاحب تھے اور تعلقاتِ مصاہرت بھی امویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

باز آجائیں۔ اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کر دیئے جائیں، مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکر کشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکن میں سخت رَن پڑا۔ اُموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزیدؒ کے فرزند عبداللہ کر رہے تھے اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن امیر یزید بن امیر معاویہؓ۔ مصعب کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن امیر یزیدؒ نے سخت حملہ کر کے قتل کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعب ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؓ کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر ان کو امان دیں۔ مگر انھوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی۔ ان مثلی لاینصرف عن هذا الموضع اِلّا غالباً او مغلوباً۔ یعنی "مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا" پھر ان کے بیٹے عیسیٰ بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے ان سے کہا:۔

"اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے"

ان کے باپ نے بھی یہ سن کر ان سے کہا کہ: "تمھارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کر لو ہٹ جاؤ!"

بیٹے نے جواب میں کہا۔ لا یتحدث نساء قریش انی اسلمتك للقتل (صفحہ ۳۰۵) یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر کہا: واللہ لا یتحدث قریش انی فررت من القتال (یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہی ذہنیت سادات قریش و شجاعانِ عرب کی۔ نبرد آزمائی اور جدال و قتال کے عین وقت بھی مصعب جب قتل ہو گئے، عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا:۔ لقد کان بینی وبین مصعب صحبة قدیمة وکان احبّ الناس الیّ ولکن هذا الملك عقیم (صفحہ ۳۱۶، ایضاً) یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی۔ مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت و سلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس۳۰ اکتیس۳۱ برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی اُمیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلم الاخلاق کی تعلیم و صحبت سے مستفیض رہے جن الفاظ میں بیان کرایا گیا ہے، وہ کس بات کا ثبوت ہے؟ ایک اور خطبہ جو ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنة بنی اُمیة الخ۔ یعنی "آگاہ ہو جاؤ تمھارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی اُمیہ ہیں۔ بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ"

• خطبہ ۷۱ میں حضرت مروانؓ کے لئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسا کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار بھینسوں کا باپ ہے، اور قریب ہے کہ اُمت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سُرخ موت نصیب

ہو شارح نہج البلاغہ کے نزدیک ان چار سے مُراد یا تو بنی عبدالملک ہیں۔ یعنی الولیدؒ و سلیمانؒ و یزیدؒ و ہشامؒ یا بنو مروانؒ ہیں، یعنی عبدالملکؒ، عبدالعزیزؒ، بشرؒ و محمدؒ۔ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا پھر ایک اور خطبہ نمبر ۲۳ میں بنی اُمیّہ کے۔ جن میں سے بہتوں کو خود ان کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا اور ان کے لئے باقی رہا تو میں انھیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔"

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالےٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا علم نہیں۔ سورۂ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ۔

(اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے)

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ تو فرضاً حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبدالملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؒ

شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہوں گے اور عبدالملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب یہ ہے کہ بنی اُمیّہ اور بنی مروان میں سے اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی اور کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروانؒ کے حبالۂ عقد میں دختران علی مرتضیٰؓ دی گئیں، کیوں بنی مروانؒ اور ان کی اولاد و احفاد سے "امام زادیوں" کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبّت و مودت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تختِ خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ "امام زادے" جو اُن کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو اُن کی وفات کے تین سو برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے ان کا کلام ہے جو تبدل اور تحریف کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ امویوں اور ہاشمیوں میں نسلی و خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۶ء میں جو مقالہ بعنوان "نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں" لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۶ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات سے پیش کی تھی جو "مولدہ" کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات کے سیکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج

ہوئے، جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت ممدوح کی زبان سے مولف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت اِن خطبات کے وضعی ہونے کا ہے اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایات کی تردید و تکذیب کے لئے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن میں سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولادِ حسینؓ کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنئے:۔

۱۔ حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اموی اور مروانی خاندان میں امیرالمومنین مروانؒ کے پوتے الاصبغ بن عبدالعزیز بن مروانؒ سے کیا جو امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابو زبّان تھی، وہ ان کی دوسری زوجہ امیرالمومنین یزیدؒ کی دختر امّ یزید تھیں۔ (جمهرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۹۶ و ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۲۔ سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمر بن عثمانؓ سے ہوا تھا، پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی۔ (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمهرۃ الانساب صفحہ ۹، کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ و کتاب المحبر صفحہ ۴۳۸)

۳۔ حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے تھیں، امیرالمومنین مروانؓ کے پڑپوتے العباس بن الولید بن عبدالملک بن مروانؓ کو بیاہی گئیں۔ (صفحہ ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری) [1]

۴۔ حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنّٰی کے بعد اموی خاندان میں عبداللہ بن عمر بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمهرۃ الانساب صفحہ ۷۶، و مقاتل الطالبین صفحہ ۱۸۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۵۔ حضرت حسینؓ کے ایک پڑپوتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن امیہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پڑپوتے محمد و عبداللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمهرۃ الانساب صفحہ ۵۰، و کتاب نسب قریش صفحہ ۴۰)

۶۔ حضرت حسینؓ کے ایک اور پڑپوتے اسحٰق بن عبداللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمر بن عاصم بن عثمان

---

[1] غور طلب ہے کہ اموی بزرگ کا نام عباس، اور ہاشمی بزرگ عبداللہ بن جعفر کے فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

ذی النورینؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پروتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۴۷ و کتاب نسب قریش صفحہ ۶۵)

(۶)

دیگر قرابتیں

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اُموی و مروانی خاندان میں ہوئیں اب ان کے بھائی عباس بن علیؓ اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سُنیئے۔

۷۔ حضرت حسین کے بھائی عباس بن علیؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبداللہ بن عباس بن علیؓ کی شادی امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبداللہ بن خالد بن یزید بن معاویہؓ سے ہوئی اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزیدؒ کے دو پروتے علی و عباسؒ فرزندانِ عبداللہ بن خالد بن یزیدؒ ہوئے۔

(جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۹)

ان میں سے ایک علی بن عبداللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ کے خلاف بادعائے خلافت خروج بھی کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علیؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تینؓ بھائیوں کے موجود تھے۔ معرکۂ قتال میں شریک ہوکر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علیؓ کو "سقائے اہلبیت" بھی کہا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس کا

اُمویوں کے یہ نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت امویہ ہیں

بندش کا کوئی امکان تھا، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیر المومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان "سقائے اہل بیت" کی پوتی یا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا، جب امیر المومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا آلِ معاویہؓ کے بجائے آلِ مروانؒ خلافت پر فائز تھے جن کے اپنے نانا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو، جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مار دیا گیا ہو، وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر دیتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی گنجائش نہیں۔ پس اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اسی قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں، یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابومخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ مؤلفین و وضاعین ہیں جنھوں نے اس بحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مورخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے، مجالس اور مراثی میں بیان ہو کر زبان زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کی ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و زینبی و عباسی اکابر اپنی بیٹیاں اُموی خلفاء کو اور ان کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پوتے سلیمان بن امیر المومنین ہشام بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروانؓ سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاحِ ثانی حضرت ابو سفیانؓ کے پوتے ابوالقاسم بن ولید بن عتبہ بن سفیانؓ سے ہوا۔ ان ابو القاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت حضرت عبیداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور ان کے اُموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ امیر المومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانۂ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابوالقاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے حضرت حسین کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیار کی صاحبزادی بیاہی گئیں۔ (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۰۲)

۲۔ حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ اُمِ کلثوم بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں، اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہو جانے پر طلحہ بن عمر بن عبیداللہ تیمی سے نکاح ہوا ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان اُمِ کلثوم کا نکاحِ ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہو جانے پر اُموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن

یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی پھر زوجین میں علیحدگی ہوگئی تیسرا نکاح اس ہاشمیہ و جعفریہ خاتون کا اُموی خاندان میں ابان بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۰ و جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحات ۶۱ و ۶۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳)

۳۔ حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی دوسری صاحبزادی سیدہ اُمِ محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ کے حبالۂ عقد میں تھیں اور ان اُمِ محمد کی حقیقی بہن اُمِ ابیہا امیر المومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں، طلاق ہو جانے پر حضرت علی بن عبداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔ یہ دونوں بہنیں اُمِ محمد و اُمِ ابیہا اور چار بھائی یحییٰ و ہارون و صالح و موسیٰ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔

(کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۲)

۴۔ حضرت علیؓ کے ایک نواسہ اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیارؓ جو سیدہ زینب بنت حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر بعد میں "علی الزینبی" کہلائے۔ اُن کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی تھی۔ ان کے فوت ہو جانے کے بعد پھر وہ اُسی اموی و

مروانی خاندان میں بکّار بن امیرالمومنین عبدالملک کے عقد میں آئیں اور بکّار اُموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المجر، صفحہ ۴۴۰)

۵ ـ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) کے فرزند ابوہاشم عبداللہ کی صاحبزادی سیّدہ لبابہ کی شادی اُموی خاندان میں سعیدؓ بن عبداللہؓ بن عمروؓ بن سعیدؓ بن العاص بن اُمیّہ سے ہوئی تھی ۔ یہ ابوہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں (ص ۷۶ کتاب نسب قریش)۔

یہ سب بیس۲۰ قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیرالمومنین یزیدؒ اور ان کے دوسرے اُموی عزیزوں سے ہوئیں ورنہ یوں تو بنوہاشم و بنواُمیّہ میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن اُمیّہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اُموی شوہر کے انتقال کے بعد عقدِ ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواریٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضا اُمِّ حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان کُریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذی النورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں نانا بھائی تھے ۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی اُمِّ جمیل (حمّالۃ الحطب) حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی

زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی، اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؓ و محمد الحنفیہؒ اور ان کی حقیقی بہن سیّدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اُموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام المومنین اُمِّ حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اس زمانہ میں کیا تھا جب مکّہ فتح نہیں ہوا تھا، اور یہ آیت نازل ہوئی تھی: عسى ان يجعل بينكم وبين الذين عاديتم منهم مودة (سورہ ۶۰: آیت ۷) یعنی شاید اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کردے۔

فكانت المودة تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم ام حبيبة بنت ابي سفيان فلانت ابو سفيانؓ لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتلك المودة -	پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر اُمِّ حبیبہ سے نکاح کیا جس کی وجہ ابوسفیان کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی پس یہی محبت کا موجب تھی

(صفحہ ۸۹ کتاب المجر علامہ جعفر محمد متوفی ۲۴۵ھ)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آکر سنائی ۔ انھوں نے کہا "اچھا ہو محمدؐ اس کے بہت اہل ہیں" یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد سے کفارِ قریش کی آمد و رفت اور میل جول مہاجرین و

بل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ ابوسفیانؓ اور ان کے بیٹے حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے۔ آپؐ سے اور ان سے دوران ملاقات میں گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں قبائل عرب کی علیحدگی کا ذکر تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابو حنظلہ (ابوسفیان کی کنیت) کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت صلعم سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے تم ان کے ہمنوا کیوں ہو۔ اسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم کے فرمانے سے ان کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تاکہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں۔ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اس نوید کے ساتھ ان کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ "من دخل دار ابی سفیان فھو امن" یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے صاحبزادوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ میں رکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لائے تھے۔ پھر ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ عہدۂ جلیلہ

ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح ان کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیماء کا والی مقرر کیا اور وحی الٰہی کی کتابت کے لئے بھی ان میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا جس کی عظمت ایمانی و طہارت قلبی مسلم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحھم اللہ کہتے ہیں کہ انھیں کتابت وحی کے لئے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کے لئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی یہ فرق ہے کہ اس کے لئے امانت و ایمان ضروری نہ ہو مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ان اموی خسر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کو مدینہ میں رکھا، عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ غزوہ طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا تخانہ انھوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہ خدا میں نذر ہو گئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں ان کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکر اسلامی کی حیثیت سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے داد شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی حضرت یزیدؓ کے طاعون عمواس میں فوت ہو جانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انھوں نے اس خوبی اور عدل و تدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدت خلافت میں صرف انہی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ حضرت موصوف نے کسی عامل کو جن میں صحابہ کبارؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت ام المومنین اُم حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ
کے ماموں اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایامِ
خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیرالمومنین یزیدؒ نے ان سے جو حسنِ سلوک
کیا، گرانقدر وظائف وعطایا مقرر کئے ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی
مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اٹھا اور نوبت جنگ وجدل کی پہنچی اور بعد میں صلح پر
منتج ہوئی، وہ سیاسی اختلافات تک محدود رہی، بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت
علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جو مخالفت پیدا ہوئی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی اولاد میں
بھی اُسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے، حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہے
صفین اور کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس دعوے
کے بطلان کے لئے کافی ہیں۔ ہاشمی و اموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح
کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں
مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی و سفیانی و مروانی
گھرانوں میں علوی و حسنی و حسینی، نواسے نواسی اور حسنی و حسینی گھرانوں میں اُموی و
مروانی نواسے نواسی صفین و کربلا کے بعد پیدا ہوتے بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔

جناب عباس بن علیؓ کے نواسے علی بن عبداللہ بن خالد بن امیرالمومنین
یزیدؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "میں شیخان (سرداران) صفین کا پوتا ہوں۔"

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت و
مودت کا اتحاد و اتفاق کا نہ کہ مخاصمت و عناد کا جس کے بارے میں وضاعین
نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں، کتابوں میں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی

خلافت کو مذہب کا جامہ پہنانے اور واقعاتِ تاریخ کو مسخ صورت میں پیش
کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ

حادثۂ کربلا کے بعد کی ان قرابتوں اور شادی بیاہ کے
رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہو چکی
ہیں اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں
مقتول ہوئے تھے، جیسے جناب عباس بن علیؓ یا مجروح ہو کر صحیح سلامت
واپس آئے تھے جیسے جناب حسن مثنّی داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی
اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین
اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی
شریک زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے
تایا چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ ان ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں
کو ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا
مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو، ان ہی خواتین کی دادیوں
نانیوں کو 'خاندانِ رسالت کی مخدرات' پردۂ عصمت و عفاف کو بے پردہ اور
مکشوف الوجوہ پھروایا ہو، مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کروا کر اپنے
پاس منگوائے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر قمچیاں ماری ہوں،
ان سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کر کے رکھا ہو، نعشوں کی اس درجہ
بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ و پشت چکنا چور کرا کے بے گور و کفن
ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو، غرضیکہ درندگی اور

بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور
ایسے سفاک و خون آشام خاندان والوں کے کیا یہ ہاشمیہ و علویہ و حسینیہ خواتین ، گو
ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت
میں بھی اپنے شادی بیاہ کے رشتوں کو ، مناکحت و مصاہرت کے خیال تک کو گوارا
کر سکتی تھیں ؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت و حمیت کو زمانہ جانتا
ہے ۔ جان جائے پر آن نہ جائے پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا
تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں باک نہ ہوا ، ان ہی
کے تو بزرگ تھے جو غیرت و حمیت کے مقابلہ میں زر و مال کو پشیز دنیاوی کے برابر
بھی نہ سمجھتے تھے ان ہی کی زبان حال سے تو کہا گیا ہے ؎

عرق غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال !
جیتتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستانہائے مظالم کی
ذرہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول و منظور نہ ہوتے ۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو
یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب و تاب سے بیان
کی جاتی ہیں محض کذب و افترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں
کی تفصیلات صحیح نہیں مگر ان کی صحت و صداقت و اصلیت کا واضح و بین
اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب و تاریخ کے وہ اولادیں ہیں
جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں ۔
ابھی آپ جناب عباس بن علی رض برادر حسین رض کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ

بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزید رح کے حقیقی پوتے عبداللہ بن
خالد بن یزید رح کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں ۔ ان کے بطن سے کئی
بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں ۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبید اللہ جو تقریباً
بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذات خود موجود تھے ، سب واقعات
ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت
ہوتی تو "سقائے اہل بیت" کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر
کیوں ، اور کس دل سے بھیج سکتے تھے جہاں ان کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا
گیا ہو ، جہاں ان کے چچا حضرت حسین رض کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو ، جہاں ان کے دوسرے
چچوں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو ! ان رشتوں کی اور ان
حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے ، سر کٹوا کر منگوانے کی
روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں ہیں ؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ
ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی وہ ایک حادثہ المیہ
تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت
اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکایک پیش آ گیا اور تھوڑے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین
کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ دفن کرا دیا گیا تھا ۔

سبائی راویوں نے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں ، اس حادثہ کے
حالات کا اپنے مقاصد کے لئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے دیانتاً
نظر ڈالی جائے تو بآسانی مستور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے ۔ علامہ شبلی رح نے
"موازنہ انیس و دبیر" میں ایک موقع پر واقعہ کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"کربلا کے واقعات جو میرانیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری ہیں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں ...... معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سروسامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔"

علامہ موصوف کے پیش نظر "قال ابومخنف" والی روایتیں ہوں گی جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ لبی کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ پڑنے کا۔ خود ابومخنف کی ایک وضعی روایت یزید امیرالمومنین کی خدمت حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے، کہا گیا ہے کہ "واللہ اے امیرالمومنین یہ معاملہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپک جائے" فواللہ یا امیرالمومنین ما کان الا جزر جزور او نومۃ قائل (طبری ج ص ۲۶۶) اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہو سکتا ہے۔

مؤلف ناسخ التواریخ نے "در ذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا" کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن و دفن کا انتظام ان کے صاحبزادے علی بن الحسین (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اس وقت سوائے

امام زین العابدینؓ کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو باعجاز امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر کے لوٹ گئے۔

ہنگام دفن پدر حاضر شد و بر آں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر ادر اکفایت کرد و مراجعت نمود (ج از کتاب دوم ص ۳۱۸)	اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔

بہرحال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازے میں شریک ہوئے۔ حضرت خالد[1] بن عقبہ بن ابی معیط اموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے کی نماز میں شریک تھے "شہد جنازۃ الحسین" (جمہرۃ الانساب ص ۱۰۶) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؟ انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔

---

[1] ان کی بہن ام کلثومؓ بھی صحابیہ مہاجرہ تھیں حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی رہے تھے حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہ ہوئے ان میں سے چند اندلس جا بسے تھے ان ہی میں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دس واسطوں سے حضرت خالدؓ کے پوتے ہوتے تھے اندلس کے الجزائر الشرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں مثلاً "تدفین" راس الحسینؓ کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کئے گئے ہیں، جن کی تصریحات..... ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کرکے ذیل کی جدول میں درج کی جاتی ہیں[1]۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں ہے اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

[1] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں ان سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائیگا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسین کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ کو ان کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انھوں نے چالیس دن بعد کربلا آکر دفن کئے (ص۳۴۸ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
۲	مدینہ منورہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیجدیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبر حضرت عباس عم رسول اللہؐ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیس دمشق میں دفن ہوا۔ (ناسخ التواریخ)
۴	عسقلان	دمشق کو جب یہ سر بھیجے جا رہے تھے تو وہاں کے عامل نے سر حسینؓ لیکر وہیں دفن کر دیا تھا۔ (ایضاً)
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے ایک غلام نے حضرت کا سر چھپا لیا۔ (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود (ص۳۴۷ ج ۲ ناسخ التواریخ) یہاں پہ کر علی کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں بیس برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا	سلیمان بن عبدالملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی امیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلعم جو خواب میں ملا تھا نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرادیا۔
۷	خزانہ بنی امیہ میں ۷۵ برس محبوس رہ کر کسی میدان میں دفن ہوا	۱۳۲ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی امیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور دیباچہ پر لکھا ہوا تھا "ھذا راس الحسین بن علی" اس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۸ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کرکے قاہرہ (مصر) میں دفن کر دیا جہاں اب مشہد حسینؓ کی عالیشان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں

سر حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات

کے ساتھ جناب محمد (الباقرؒ) کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ الراسُ مَعَ الجسدِ والجسدُ مع الراسِ (ناسخ التواریخ ص۲۷۷) یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا اس خوف سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ میں دفن کرا دیا چونکہ علی و حسین نورِ واحد ہیں، اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ رہا" پس آں سر ہمایوں با جسدِ خویش پیوستہ است" (ایضاً) مگر مولف "مجاہد اعظم" نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ ریمارک کرتے ہیں کہ " اس زمانہ میں جناب امیرؑ کے مزارِ پُر انوار کا حال سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی اور شخص کو معلوم نہ تھا[1] (ص۳۰۲) اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین سوا تین سو برس تک کسی کو بھی علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو

[1] مورخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر اور کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تا کہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ تبرا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گذرا رات

تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے، دراصل اس سے اس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے ایک غلام نے سر حسینؓ چرا لیا۔ (آں سر مبارک را دزدید (حیات القلوب ص۵۰۲) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چرایا بھی گیا ہو تو راہِ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا اسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اس زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مولف "مجاہد اعظم" اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ "جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرقِ منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے" (ص۳۰۲) نجف و مدینہ و عسقلان و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی

کوٹ کر پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ صندوق میں بھی مال ہے ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دی۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں لو علمت الرافضۃ قبر من ھذا لرجمتہ بالحجارۃ (رج ص۱۳۸) ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں فان علیاً لا یعرف قبرہ۔ صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس قبر کا حال معلوم ہو گیا انہوں نے قبر بنوادی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوایا مگر بقول دے خوئے جگہ نامعلوم ہے جہاں علیؓ دفن ہوئے۔ But the place of his burial is unknown (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارھواں اڈیشن)

روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؑ) نے دوبارہ کربلا آکر دفن کیا ہو کیونکہ بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں اس لئے مولف موصوف فرماتے ہیں کہ "ہم کو اس روایت کے کہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے کربلا بھجوایا مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" (صفحہ ۳۰۳) اب اس روایت کو بھی سن لیجئے جس کے "مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" وہ روایت یہ ہے :۔

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبدالعزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) تفحص نمود آں زمین را نبش کرد و آں سر مبارک را ماخوذ داشت وکس ندانست کہ باآں سر چہ صنعت کرد چوں گماں میرود کہ دیندار بود توانند شد کہ بہ کربلا فرستادہ با جسد مطہر ملحق ساخت

(ناسخ التواریخ ج ۶ از کتاب دویم صفحہ ۳۷۸)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سر مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا گیا چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دیندار شخص تھے ہو سکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔

امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز اُموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کُل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد پس اگر اس روایت کے "مان لینے کے سوا چارہ نہیں" تو ساتھ ہی یہ بات بھی ماننے کی ہے کہ اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو یوں کھدوا ڈالا جاتا۔

اور یہ کام بھی وہ اُموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔ مولف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انھیں یہ بات بھی ماننے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود ملا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ "در سر مبارک سید الشہداؑ اختلاف میان عامہ بسیار است وذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد" فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت رسولؐ آں سر گرامی را با خود بردہ در آں شکے نیست کہ آں سر و بدن با شرف اماکن منتقل گردیدہ در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد

(جلاء العیون صفحہ ۵۰۱)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سر گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن (دونوں) اشرف اماکن کو منتقل ہو گئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہو گئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔

ملا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ "حدیث" بھی پیش نظر رکھیئے جو ابو مخنف نے روایت کی ہے، یعنی طرماح کہتے ہیں کہ میں "کشتگان یوم طف" کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور ان کے آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا، میں نے سمجھا کہ یہ عبیداللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ "تن مبارک حسینؓ" کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس آکر گھوڑے سے اتر پڑے اور بیٹھ گئے اسوقت

کہ سرہائے شہداء کو کوفہ کی جانب لے جارہے تھے۔ ان صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سر حسینؑ آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہوگیا (سرِ حسینؑ دررسید و باتنش ملحق گشت (ص۳۱۱ ناسخ التواریخ) طرماح کا بیان ہے کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے یا ولدی قتلوک اتراھم ما عرفوک ومن شرب الماء منعوک (اے میرے بیٹے دیکھا تجھے قتل کردیا تجھے نہ پہنچانا اور تجھے پانی پینے کو بھی منع کردیا) یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ

یا اَبی آدمُ ویا اَبی ابراھیمُ	اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم
ویا ابی اسمٰعیلُ ویا اخی موسیٰ	اور اے بابا اسمٰعیل اور اے برادر موسیٰ
ویا اخی عیسیٰ اما ترون ما	اور اے بھیا عیسیٰ! دیکھا تم نے کہ
صَنعت الطُّغاۃ بولدی۔ لا اَنا	باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ
لھُم اللہُ شفاعتی۔	کیا کیا۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے
(ص۳۱۱ ایضاً)	محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہؐ ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیاؑ ہیں"۔ اب دیکھئے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ کے معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً بابا آدمؑ کی موجودگی میں سر حسین جسدِ حسین سے پیوست و ملحق ہوگیا تھا۔ اور ایک اور روایت کے بموجب امّ المومنین[1] امّ سلمہؓ سے خواب میں آنحضرتؐ نے فرمادیا تھا کہ میں حسین کو دفن کرکے

[1] امّ المومنین حضرت امّ سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے فوت ہوگئی تھیں۔

آیا ہوں نیز ملا باقر مجلسی کے ارشاد کے بموجب آنحضرتؐ جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہوکر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؓ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور "متصدی کفن و دفن" ہوکر اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھی تھی اور تدفین کرکے لوٹ گئے تھے علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہرا عراقی شیر "ابوالحارث" کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لئے لائیں تھیں اور اس ہیبتناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور ان کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔

"راہ لشکر را گردانید و ازیں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص۴۲۵)

جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علیؓ بصورت "شیرے ہائل المنظر و ہیبتے عظیم" حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص۳۰۳) تو بربدن سر مبارک کی اور مختلف دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ بریں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں:۔

"دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لئے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں" (ص۳۰۳)

مگر تعداد ان سروں کی دو چار دس پانچ تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھے (۸۶) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لد کر گئے تھے، بہر حال تعداد (۸۶) ہو یا (۷۲) غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اتنے اچنبے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، جوانان بنی ہاشم و نونہالان اہلبیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں، ان کے سروں کا آخر کیا ہوا، یہ سب کہاں دفن ہوئے، کس نے دفن کئے، کب دفن کئے۔ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے ان کے سر کو خلیفہ وقت اور ان کے اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا۔ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) و عباس و جعفر و عثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے ان کے رشتہ کا ماموں شمر بن الجوشن[1] ہی لے کر گیا تھا پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے

[1] شمر بن ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور ام البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرہ ابن حزم ص۲۶۵) کہا جاتا ہے کہ لڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر کہ اَینَ بَنُوا اُختِی عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس) انھیں امان دی تھی (ص۲۴۱ ناسخ التواریخ) شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات

کیا کیا، کہاں دفن کرایا۔ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مورخین کی خاموشی معنی خیز نہیں؟ سیدہ سکینہ[2] بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ، حادثہ کربلا کے (۵۷) بعد تک زندہ رہیں وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی ان کی بتائی جاتی ہے مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں چچوں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا۔ دفن ہوئے یا نہیں۔

لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں، درپایہ تحقیق کو نہیں پہنچے۔ جنگ صفین میں شمر حضرت علی کے کیمپ میں تھا۔ اس کی والد صحابی جلیل تھے (البدایہ ج ۸ ص۱۸۸) الصمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبت ہوا اور صاحب نسل۔ شمر ہی کے ددھیالی رشتہ کے دادا حضرت مولہؓ بن کنیف رسول اللہ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ "ذا اللسانین" کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے انھیں "سید العرب" کہا تھا۔

[2] سیدہ سکینہ اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین بنی ہاشمؓ میں سے تھیں۔ ان کے شوہر مرتے گئے، کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی امیہ کے خاندان میں کئے تھے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مزید برآں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کی مختلف دیار و امصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔ قیس[1] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ (۱۳) شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ (۱۲) جماعت بنی تمیم (۱۷) گروہ بنی اسد (۱۸) مردم مذحج (۷) دیگر قبائل (۱۶) میزان کل (۸۶)۔ یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد (۷۲) ہے۔

---

[1] ناسخ التواریخ میں قیس بن اشعث کو "قائد قبیلہ کندہ" لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعثؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا انھوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علیؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعثؓ زوجہ حسن بن علیؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو زہر دیکر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیسؓ جو حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص۱۲۲) اپنے والد ماجد حضرت اشعثؓ کے سنہ ۴۲ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے یہ وہی محمد بن اشعثؒ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیلؒ کو امان کا وعدہ دیکر گرفتار کرادیا تھا۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بد دعا سے مر گئے تھے ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور تھا

کوفہ و عراق والجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر

سبائی راویوں نے یہ اہتمام بھی کرایا ہے کہ۔

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سرہائے شہداء و اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر و دیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گیرند و از خلافت آل علی مایوس گردند و دل بطاعت

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تاکہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں

---

[1] قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعث کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنھوں نے اموی خلیفہ عبدالملکؒ اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں بالآخر دیر جماجم کے خونین معرکہ میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور بالآخر کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو

"the old royal family of Kinda"

(قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے ایسے عالی خاندان کے قائد و سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لیجانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یزید بندند لاجرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت و ذلت کوچ می دادند و بہر قریہ و قبیلہ در میبردند۔	اور یزید کی اطاعت دل سے کریں لہٰذا (حکومت کے) لشکری اہل بیت کو رسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے۔
(ناسخ التواریخ صفحہ ۳۴۳)	

ایک شیعہ اہل قلم مولف "مجاہد اعظم" ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ :-

"کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہوا خواہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کر سکتا تھا (صفحہ ۲۸۶)

مولف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی ان پر منکشف و ہویدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی اس طرح تشہیر حسین کی کیسی کچھ تفصیلات راویوں نے پیش کی ہیں، یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا

تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے خود روایتوں میں دیو مالائی انداز کی جو خرافات ہے وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ائمہ رجال کذّاب کہتے ہیں، ان داستانوں کو وضع کیا تھا مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا حسین رضؓ کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا، سورہ کہف کی آیتیں زبان پر جاری تھیں، اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقم رضؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گذرا انھوں نے اپنے کانوں سنا کہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا کی تلاوت کر رہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ

"اے پسر رسول خدا ای سر مبارک تو ہزار بار عجیب تر است۔

از قصہ اصحاب کہف والرقیم" (صفحہ ۳۳۳)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سر حسین سے آواز آئی یَا ابْنَ وُكَيْدَةَ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَئِمَّةِ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّنَا (صفحہ ۳۳۳ ایضاً)

یعنی "اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں" گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سرِ حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے حضرت زید بن ارقم رضؓ کو بھی وہاں موجود بتایا ہے تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرا لی جائے کہ

جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری حضرت زیدؓ نے
منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہؐ کو چومتے دیکھا ہے وہ باز نہ آیا بلکہ انہیں
" عدو اللہ " کہہ کر قتل کی دھمکی دی (ص۳۲۷) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (وبعویل
و نالہ فریاد برداشت واز نزد او بیروں شد) اور وہاں عرب باشندوں کے
سامنے تقریر کر کے انھیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا

" اے مردم عرب! اے عبید عباد! کشتید پسر فاطمہ را وبہ
سلطنت اسلام دادید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما۔ الخ " (ص۳۲۷ ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں
کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سرِ حسین کے تلاوت سورہ کہف اور تکلم
وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت
زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج
کر دیا پھر کیا تھا جو مورخ و مولف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے
آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے، درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ
کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے
یہ سن کر کہ وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا حسینؓ نے وہ راستہ اختیار کیا
جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کر کے معاملہ
ختم کریں (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی
و بینہ رایہ (طبری ص۲۳۵ ج۴) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ
میں دیدوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں "۔

وہ اس مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر دغا دینے
کی کوشش کی، صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے
کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی بیعت کریں ورنہ قافلہ کے
ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمیں سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا
سدباب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ تھے، چند اور بھی یہاں پہنچ گئے
تھے۔ طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً
ہدایت تھی کہ وہ اسوقت تک تلوار نہ اٹھائے جب تک اس کے خلاف تلوار
نہ اٹھے۔ اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا
جا سکتا تھا، برادران مسلم اور کوفی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت
اندیشی سے یکایک تلوار چل پڑی اور یہ حادثہ حزن انگیز پیش آ گیا۔ ان حالات
میں کون صحیح العقل یہ باور کر سکتا ہے کہ پس ماندگان کو کربلا سے پھر واپس
کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سران کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ ابن جریر طبری
اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زہیر بن قین کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں
جو کہا جاتا ہے انہوں نے اسوقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے
ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جا رہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتھیار
رکھ دیں :-

فخلوا بین ھذا الرجل وبین	ان صاحب (حسینؓ) کو ان کے
ابن عمہ یزید بن معاویۃ فلعمری	ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس
ان یزید لیرضی من طاعتکم	جانے دو (ان کا راستہ مت روکو) میری

بدون قتل الحسین۔ جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گذاری
(طبری ج ۶ ص۲۶۳) سے حسینؓ کے قتل کے بغیر راضی رہتے۔

مقتولین کے سروں کی اور پس ماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مولف "مجاہد اعظم" نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے! کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا وہاں سے ایک مقام "شرقی الحصاصہ" اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پر ہوتے ہوئے موصل وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین و قنسرین و حلب و حماۃ و حمص و بعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکیگا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پس ماندگان کی تشہیر کے عراق والجزیرہ و نواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنائے ہیں جنکی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، جنکی ایک دو مثالیں بھی سنتے چلئے، مثلاً پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا پچاس سواروں نے جو سر حسینؓ کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکایک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی آسمان کے دروازے کھلے " دیدم دیدکہ آدم و نوح و ابراہیم و اسمٰعیل و

اسحٰق و خاتم انبیاء محمد مصطفیٰؐ" آسمان سے نیچے اترے، جبریل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے آتے ہی جبریل نے سر حسین کے صندوقچہ کو کھولا اسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰؐ سے تعزیت کرنے لگے، جبریل نے کہا کہ کہئے تو میں زمین کو آپ کی امت پر اسی طرح الٹ کر دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی، آپ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو تو ہلاک ہی کردیں، چنانچہ فرشتوں نے ۴۹ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے وہ ایک بچ گیا جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ ص۳۴۲) اسی طرح کے اور متعدد لغو فسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کے اپنے نبی کی ذریت پر ظلم ڈھانے اور سر حسینؓ کے معجزے دیکھ دیکھ مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابو مخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں لوہے کے ایک ٹکڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں ہاتف "تک نے" بنی زیاد پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید کر سکتی ہے۔ پہلا شعر تو یہی تھا ؎

اَترجوا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْناً شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

اسی طرز و لہجہ میں اثنائے راہ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است۔ ان میں

سے دو ایک آپ بھی سنیئے، لکھتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سنی کہ سرِ حسین ان کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس و خزرج) کے چالیس ہزار سوار اکٹھے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا فی اربعین الف فارس	اوس و خزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع
من الاوس والخزرج وتحالفوا	ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ
أن یقتلوهم ویأخذوا منهم راس الحسینؑ	ان لوگوں کو قتل کر کے ان سے سرِ حسینؑ
ویدفنوه عندهم لیکون فخراً	چھین لیں اور اپنے یہاں لا کر اسے دفن
لهم الی یوم القیٰمة۔	کر دیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان
(ص۱۱۳ مقتل ابی مخنف)	کے لئے موجب عزّ و افتخار رہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرونِ شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عزّ و افتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو سیتبور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار دس

لہ روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں کی تعداد کبھی اس تعداد سے چوتھائی بھی نہ تھی جو کہ موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سیکڑوں کوس دور ان کی اتنی کثیر تعداد بتانا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں، غلو بیانی کی انتہا ہے۔

پانچ کچھ نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے (ص۱۱۴) آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا ایک پہر رات گذری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق میں سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں، آسمان کے دروازے کھلے گئے، فرشتے فوج در فوج اترتے اور سرِ حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے۔

السلام علیک یا ابن رسول اللہ، السلام علیک یا اباعبد اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیک۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے "وامہ فاطمة الزهرا وجدہ محمد المصطفیٰ" ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد المصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا تم پر ہلاکی ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولها	ہمارے احبار (عیسیٰ علماء) اس منذق
اذا قتل هذا الرجل تمطر السماءُ	کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ
دماً ولا یکون هذا الا بقتل	صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائے
نبی او وصی نبی۔	گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی
(ص۱۲۱ ایضاً)	کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دیکر ایک گھنٹہ کے لئے سرِ حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگایا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سرِ حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔

صاحب ناسخ التواریخ بحرالمصائب اور شرح شافیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ :-

سر حسین با راہب تکلم فرمود و شفاعت اورا در قیامت بر ذمت نہاد (ج ۶ از کتاب ششم ص۳۴۵)	سر حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دئیے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں کھولیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی ٹھکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف تو لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ لکھا ہوا تھا، اور دوسری جانب وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والاخرۃ مردم خویش راگفت کہ راز پوشیدہ دارید (ناسخ التواریخ ج ۶ ص۳۴۶)	خولی کہنے لگا انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ - اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کر دی کہ اس راز کو چھپائے رہو۔[1]

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلہ میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ

---

[1] ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابلِ داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اسی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔

نے بھی چاٹ لیا۔ اب آخر میں ابی مخنف ہی کی زبانی وہ روایت بھی سنئے جو اس کذاب راوی نے حضرت حسینؓ جیسے بلند حوصلہ و عالی ہمت ہاشمی مرد شجاع کے قتل ہونے اور سر کاٹے جانے کی گھڑ ڈالی ہے۔ ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت حسینؓ زخموں سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے اور زمین پر گر گئے، شبث بن ربعی قتل کرنے اور سر کاٹنے آیا جیسے ہی آپ نے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا، الٹے پیروں بھاگ پڑا اور جا کر کہنے لگا کہ ان کے چہرے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت نظر آئی، شرم دامن گیر ہوئی کہ رسول اللہ کے ہم شبیہ کو قتل کروں فاستحییت أن أقتل شبيهاً لرسول الله (مقتل ابی مخنف ص۹۰) پھر دوسرا شخص سنان بن انس آیا مگر یہ بھی چہرہ دیکھ کر بھاگ گیا اور ساتھیوں سے جا کر کہنے لگا کہ انہوں نے جب آنکھ کھول کر دیکھا ہے مجھے ان کے والد کی شجاعت و بہادری کی یاد تازہ ہو گئی اس لئے میں قتل نہ کر سکا فَذَهِلْتُ عَنْ قَتْلِهٖ (ص۹۱) شمر بن ذی الجوشن کی قساوت و بہیمیت کا بیان اس کے بعد یوں شروع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم تجھے بزدل ہو لاؤ تلوار مجھے دو چاہے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم شبیہ ہوں یا علی المرتضیٰ کے (رضی اللہ عنہ) میں انہیں ضرور قتل کروں گا إني لأقتله سواء شبه المصطفىٰ أو علي المرتضىٰ (ص۹۱ ایضاً) وہ گیا اور جا کر کہنے لگا کہ میں تو ان میں سے نہیں ہوں جو آپ کو قتل کرنے سے باز رہے یہ کہہ کر وہ سینے پر چڑھنے لگا تو آپ نے کہا:-

مَنْ اَنْتَ فَلَقَدِ ارْتَقَيْتَ مُرْتَقًى صَعْبًا طَالَمَا قَبَّلَهُ النَّبِيُّ (ص۹۱)	ارے تو کون ہے کہ اس بلند مقام پر چڑھتا ہے جو بوسہ گاہ نبیؐ رہا ہے۔

نام بتایا آپ نے پوچھا مجھے جانتا بھی ہے کہنے لگا :۔

أَنْتَ الحُسَيْنُ وَأَبُوكَ المرتضیٰ و
أُمُّكَ الزَّهراءُ وجَدُّكَ المصطفیٰ
وجدّتك خديجة الكبریٰ (ص۹۲)

آپ حسین ہیں آپ کے والد مرتضیٰ آپ کی والدہ الزہرا آپ کے نانا مصطفیٰ اور آپ کی نانی خدیجۃ الکبریٰ

اس سوال و جواب کے بعد ابو مخنف نے قتل حسینؓ کی یہ وجہ بیان کی ہے :۔

فَقَالَ لَهُ وَيحَكَ اذا عَرَفْتَنِي فَلِمَ تَقْتُلُنِي فقال لَهُ أَطْلُبُ بقتلكَ الجائزةَ مِنْ يزيد فقال لَهُ الحسين أيّما احبّ اليك شفاعة جدّى رسول الله أم جائزة يزيد فقال دانقٌ من جائزة يزيد أحبّ اِلَيَّ منك ومن شفاعة جدّك وأبيك۔

(ص۹۲)

پس (حسینؓ) نے اس سے فرمایا افسوس ہے تجھ پر جب مجھے پہچانتا ہے تو قتل کیوں کرتا ہے (شمر نے) کہا آپ کو قتل کرنے کا انعام یزید سے پاؤں گا (حسینؓ نے) کہا ان دو باتوں میں سے تجھے کونسی پسند ہے میرے نانا رسول اللہ کی شفاعت یا یزید کا انعام؟ اس نے کہا کہ یزید کے انعام کی ایک دمڑی (دانق) مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت آپ کے اور آپ کے نانا اور والد کی شفاعت کے۔

اس کے بعد کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب یقین ہو گیا کہ یہ قتل کرنے سے باز نہ رہے گا، فرمایا کہ اچھا تو مجھے قتل ہی کرتا ہے تو ایک جرعہ پانی کا تو پلا دے (اذا كان لابُدّ مِن قتلى فاسقِنى شربةً من الماء) مگر اس نے کہا اے ابو تراب کے بیٹے یہ سمجھتے ہو کہ آپ کے والد علی حوضِ کوثر پر جس کو چاہیں گے پانی

پلا دیں گے تو ذرا صبر کیجئے آپ کے والد تو آپ کو اب سیراب ہی کر دیں گے (اصبر قليلاً حتى يسقيكَ أبوكَ) یہ سن کر ابو مخنف کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے شمر سے کہا، ذرا اپنا نقاب تو اُلٹ دے میں تیرا چہرہ تو دیکھ لوں اس نے جیسے ہی نقاب اُلٹا تو آپ نے دیکھا وہ مبروص (کوڑھیا) بھی تھا، کانا بھی، مُنہ اس کا کُتے کی تھوتنی جیسا اور بال سُور کے سے۔ اس پر آپ نے کہا کہ سچ فرمایا تھا میرے نانا نے میرے والد سے کہ :۔

يقتل وَلَدَكَ هذا أَبرَصُ اعوَرُ لَهُ بُوزٌ كبوزِ الكلبِ وشعرٌ كشعرِ الخنزير (ص۹۳ ایضاً)

تمہارے اس بیٹے کو قتل کریگا ایک کوڑھیا کانا جس کے کُتے کی سی تھوتنی ہوگی اور بال اس کے سُور کے بالوں کی طرح۔

اس پر راوی نے شمر کے مُنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب جو گستاخانہ کلمات کہلوائے ہیں زبان قلم سے ادا نہیں کئے جا سکتے۔ ابو مخنف نے کہ وہی تنہا راوی اس حادثہ کا ہے یہ مکذوبہ روایت ان الفاظ پر ختم کر دی ہے :۔

وكلما قَطَعَ مِنْهُ عُضواً نادى الحسين وامحمّداه، واعليّاهُ واحسناه واجعفراه، واحمزتاهُ، واعقيلاهُ واعباساهُ واقتيلاهُ واقلّةَ ناصراهُ واغربتاهُ فاحتزّ رأسه وعلاهُ على قناة طويلةٍ فكبّر العسكر

جیسے جیسے اس نے آپ کے عضو کاٹے حسین چلانے لگے۔ ہائے محمد، ہائے علی، ہائے حسن، ہائے جعفر، ہائے حمزہ، ہائے عقیل، ہائے عباس، ہائے مددگاروں کی قلت، ہائے غریب الوطنی۔ پس اس نے سر کاٹا اور لمبے نیزے پر چڑھا لیا تو لشکر نے

ثلاث تکبیراتٍ وتزلزلت الارضُ واظلم المشرقُ والمغربُ واخذتِ الناسَ الرجفةُ والصواعقُ وامطرتِ السَّمَاءُ دمًا ونادی منادٍ من السَّمَاءِ قتل واللّٰہ الامامُ بنُ الامامِ اخو الامامِ ابوُ الائمۃِ الحسینُ بن علی بن ابی طالب ولم تمطرِ السَّمَاءُ دمًا الا ذلکِ الیوم۔ (ص۹۳ ایضاً)

تین تکبیریں کہیں۔ زمین میں زلزلہ آگیا مشرق مغرب میں اندھیرا چھا گیا۔ اگر لوگ اور زلزلہ کے جھٹکے لگنے لگے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا اور منادی نے آسمان پر سے چلا کر کہا "قتل ہوگئے واللہ امام بیٹے امام کے بھائی امام کے اور اماموں کے باپ حسین بن علی بن ابی طالب۔ سوائے اس دن کے آسمان سے پھر خون نہیں برسا۔

یہ ہے وہ اصل مادی اساس کی مکذوبہ روایت جس کے بعض فقرے حذف کرکے اور بعض کلمات کو بتغیر الفاظ درست کرکے "قال ابو مخنف" کی تکرار کے ساتھ طبری اور دوسرے مورخین نے نقل کر دیا۔ طبری نے شمر کے بجائے سنان بن انس کا نام لیا ہے کہ اس نے قتل کیا اور سر جدا کیا (ج۶ ص۲۶۰) اور اسی طبری سے علامہ ابن کثیر نے نقل کر دیا ہے (ج۸ ص۱۸۸ البدایہ)

مگر اصل راوی کے ان بیانات کے بارے میں کہ قتل حسینؓ سے زمین تھرا گئی آسمان کانپنے لگے، پہاڑ جگہ سے ہٹ گئے، دریا ابل پڑے، آسمان سے تازہ خون برسنے لگا، جن اور جنوں کی عورتیں نوحے کہتی پھرتی تھیں، فرشتوں کی فوج اسلحہ لے کر اتری ہی تھی کہ حسین قتل ہو گئے اس لئے وہ بحکم خدا آپ کی قبر پہ تا دامانِ قیامت گریہ و بکا میں مصروف رہیں گے علامہ ابن کثیر ان باتوں کا

ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ یہ سب کذب محض ہے ان موضوع روایتوں میں کوئی بات بھی صحیح نہیں۔ فرماتے ہیں کہ :-

وللشیعۃ والرافضۃ فی صفۃ مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلۃ وفیما ذکرنا کفایۃ وفی بعض اوردناہ نظر ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکرہ ماسقتہ واکثرہ من روایۃ ابی مخنف لوط بن یحییٰ وقد کان شیعیہ وھو ضعیف الحدیث عند الائمۃ ولکنہ اخباری حافظ عندہٗ من ھذہ الاشیاء ما لیس عند غیرہ ولھذا یترامی کثیر المصنفین فی ھذا الشان

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ ص۲۰۲)

(حضرت) حسین کے پچھاڑ دیئے جانے کے بارے میں شیعہ اور رافضیوں میں بہت کچھ جھوٹ اور باطل اخبار ہیں۔ ہم نے جن کا تذکرہ کیا ہے وہ کافی ہے اور جتنا ہم نے لکھا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اگر ابن جریر (طبری) اور دوسرے ائمہ و حفاظ نے وہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی ترک کر دیتے ان میں اکثر تو ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک وہ ضعیف راوی ہے، لیکن اخباری ہے (تاریخی احوال جانتا تھا) اس ہی سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں جو دوسروں کے یہاں نہیں ملتیں لہٰذا اکثر مصنفین ان باتوں کے لئے اسی کی طرف لپکتے ہیں۔

مگر اسی کے ساتھ سر کٹنے اور خلیفہ کے پاس بھیجے جانے کی جھوٹی روایتیں بھی صحیح کرتے ہیں، اور یہ بھی فرماتے جاتے ہیں و من الناس من انکر ذالک

(البدایہ ج ۸ ص[illegible]) یعنی ایسے ہی لوگ (اہل تاریخ و اہل سیر ہیں) ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ درایتاً نظر ڈالتے اور روایت پرستانہ ذہنیت سے بالاتر ہو کر تحقیق کرتے تو واقعہ کی صحیح صورت حال منکشف ہو جاتی۔

علامہ ابن جریر طبری تو اپنے شیعی رجحانات کی وجہ سے ابو مخنف کی روایتوں کو قبول کرنے پر مائل ہوئے، مگر دیگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ کو سوچنا چاہئے تھا کہ جب کوئی واقعہ خاص کر مقتولین کے سر کٹوا کر تشہیر کرنے اور ابن زیاد اور خلیفہ یزیدؒ کے سامنے پیش کئے جانے کا ان حضرات میں سے کسی کی زبانی بیان نہیں ہوا جو اس حادثہ میں بذات خود موجود تھے بالخصوص حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) سے یا جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ وغیرہم سے یا علوی و ہاشمی خاندان کے کسی اور فرد سے تو اس راوی کی یہ روایتیں کیوں قبول کی جائیں جس کو تمام ائمہ رجال نے ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے اور کذّاب کہا ہے علاوہ ازیں ابو مخنف تو اس حادثہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا اس کے اسّی نوّے برس دوسروں کی زبانی جن میں سے کوئی بھی کربلا میں موجود نہ تھا، سُن سُنا کر اس نے اپنی کتاب تالیف کی اور ایسی فضا میں تالیف کی جب عراق کے مختلف قبائل کے درمیان نسلی و خاندانی و ذاتی جھگڑوں کے ساتھ ساتھ سیاسی مناقشات اور خانہ جنگیوں کے نتیجے میں آپس میں مخالفتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مثلاً بنو کندہ عراق کا ممتاز اور حامل آثار قبیلہ تھا، اس میں ایسی جماعت بھی تھی جو حضرت عثمان ذی النورینؓ پر سب و شتم یا وہ برائیاں جو علی الاعلان بیان کی جاتی تھیں برداشت نہ کر سکے اور ترک وطن پر مجبور ہو کر کوفہ سے حضرت معاویہؓ کے پاس ملکِ

شام چلے گئے اور وہیں مسکن گزین ہو گئے۔ ان میں اسی قبیلہ کے بنو الارقم تھے، علامہ ابن حزم ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

کانوا عثمانیین، رحلوا عن الکوفة الی معاویة وقالوا لا نقیم ببلد یُسب فیه عثمانؓ فانزلهم معاویة الرُّها۔

(جمہرۃ الانساب ص[illegible])

یہ لوگ (حضرت) عثمانؓ کے طرفداروں میں سے تھے کوفہ سے منتقل ہو کر (حضرت) معاویہؓ کے پاس چلے گئے اور کہا "ہم اس شہر میں نہیں ٹھہریں گے۔ جس میں (حضرت) عثمانؓ کو برا کہا جائے۔ پس (حضرت) معاویہؓ نے ان کو مقام الرُّھا میں بسا دیا۔

اسی قبیلہ میں حجر بن عدی بھی تھے اور ان کے دو بیٹے عبداللہ و عبدالرحمٰن یہ باپ بیٹے شیعہ تھے "کانوا یتشیعون" (ص[illegible] ایضاً) آخر الذکر کو تو حضرت حسینؓ کے داماد مصعب بن زبیرؓ نے قتل کرایا تھا اور اول الذکر کو حضرت معاویہؓ نے پھر اسی قبیلہ کندہ کے سردار حضرت اشعثؓ بن قیس صحابی بھی تھے جن کا ذکر اوپر گزر چکا، ان کی وفات تو سنہ [illegible]ھ میں ہوئی تھی لیکن ابو مخنف نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ان کے جسم سے اشعث بن قیس نے ہی ان کی قمیص لے لی تھی "واخذ قمیصه الاشعث بن قیسؓ" (مقتل ابی مخنف ص ۹۳ مطبوعہ نجف)

اسی طرح قبیلہ نخع میں پارٹیاں تھیں حضرت عثمانؓ کی خلع بیعت سب سے پہلے اسی قبیلہ کے شخص عمرو بن زرارہ نے کوفہ میں کی تھی اور ان ہی میں...

مالک الاشتر اور اس کا بیٹا ابراہیم خانہ جنگیوں میں نمایاں حصہ لینے والے اور
افتراق کی آگ بھڑکانے والے تھے، کمیل بن زیاد کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا
یہ سب شیعان علی میں سے تھے اب اسی قبیلہ کا سنان بن انس نخعی تھا جس کو
عام طور سے قاتل حسین کہا جاتا ہے۔ بنو تمیم کی مختلف شاخیں تھیں، ان کی
ایک شاخ سے حضرت شیث بن ربعیؓ تھے، جن کا تذکرہ الاصابہ فی تمیز الصحابۃ
(ج ۲ ص ۱۶۳) صحابہ کے زمرہ میں ہے نیز تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۳۰۳) ابن حبان
نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے پھر خارج
کے ساتھ ہو گئے تھے مگر توبہ کر کے پلٹ آئے تھے "ثم تاب فرجع" ان کے بارے
میں ابو مخنف نے کہا ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے سب سے اول یہی گئے
تھے مگر ڈر کے بھاگ گئے تھے۔ (مقتل ابی مخنف ص ۹)

مختصراً یہ کہ ابو مخنف کی روایتوں میں یہ رنگ نمایاں طور سے جھلکتا ہے
کہ اس نے عراق کے مختلف قبیلوں کے ممتاز اشخاص کے نام لے کر ان کی قساوت
بہیمیت کے جو افسانے وضع کئے ہیں وہ حکمران جماعت کی بدنامی کے جذبہ کے
علاوہ عراقیوں کی اپنی باہمی رقابتوں، رنجشوں اور دشمنیوں کی وجہ سے بھی
ہے حضرات مورخین تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے تو ابو مخنف کا یہ جھوٹ کہ
مقتولین کے سر کاٹے گئے اور فلاں فلاں صحابی کی موجودگی میں فلاں فلاں کے سامنے
پیش کئے گئے اس قدر نہ پھیلتا کہ صدیوں سے ہر کہ ومہ کے ورد زباں ہے گو
یہ داستان جس دیو مالائی انداز میں مرتب کر کے خشت اول ہی ٹیڑھی رکھی گئی تھی
اس کی کجی آج تک نمایاں ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

اور یہ کجی اسقدر نمایاں ہے کہ زمانہ حال کے ایک شیعہ مولف جنھوں نے
حادثہ کربلا کے اکثر مشہور واقعات پر درایتاً نظر ڈال کر بہت سی باتوں کو
غلط اور مبالغہ آمیز بتاتے ہوئے "شمر کے سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنے"
کو بھی غلط بتایا ہے۔ ان کی کتاب "مجاہد اعظم" کا یہ فقرہ اس سلسلہ میں
قابل لحاظ ہے:۔

"اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا،
فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، جناب زینب کے صاحبزادوں
کا نو دس برس کی عمر میں شہادت پانا، فاطمہ کبریٰ کا عقد روز عاشورہ قاسم
ابن حسن کے ساتھ ہونا، عباس علمدار کا اسقدر جسیم اور بلند قامت ہونا
کہ باوجود سواری اسپ ورکابہ آپ کے پاؤں زمین تک پہونچتے تھے،
جناب سید الشہدا کی شہادت کے موقع پر آپ کی خواہر گرامی جناب
زینب بنت امیر المومنین کا سرو پا برہنہ خیمہ سے نکل کر مجمع عام میں چلا آنا،
شمر کا سینہ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک
کا اتار لینا، نعش مطہر کو لکد کوب سُم اسپان کیا جانا، سردقات اہلبیت
کی غارتگری اور نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا، شمر کا سکینہ بنت حسین
کے منہ پر طمانچہ مارنا، سکینہ کی عمر تین سال کی ہونا، روانگی اہل بیت کے
وقت جناب زینب کی پشت پر دُرّے لگائے جانا، اہل بیت رسالت
کو بے مقنع و چادر ننگے اونٹوں پر سوار کرنا، سید الساجدین کو طوق و زنجیر

پہنا کر ساربانی کی خدمت دیا جانا، علاوہ کوفہ و دمشق کے اثنار راہ میں جابجا اہلِ حرم کو نہایت ذلت وخواری سے تشہیر کرنا، محبس دمشق میں عرصہ دراز تک نبی زادیوں کا قید رہنا، ہندہ زوجہ یزید کا قید خانہ میں آنا یا اس کا اہل بیت کی روبکاری کے وقت محل سرائے شاہی سے سر دربار نکل آنا، سکینہ کا قید خانہ ہی میں رحلت پانا، سید الساجدین کا سرہائے شہدار مع کے اربعین (۲۰ صفر) کو کربلا واپس آجانا اور چالیسویں روز لاشہائے شہدار کو سپردِ خاک کرنا وغیرہ وغیرہ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں" (مجاہد اعظم مولفہ شاکر حسین نقوی امروہوی ص ۱۶۹ تا ۱۷)

مولف مجاہد اعظم نے قدیم وجدید مورخین ومصنفین کی سیکڑوں کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد حادثہ کربلا کے حالات کے متعلق ان الفاظ میں اظہار رائے کیا ہے:۔

"عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ کی جان سمجھی جاتی ہیں اسقدر مختلف البیان ہیں کہ دیکھنے والے ششدر رہ جاتے ہیں ....

اگر و مستند سے مستند کتابوں کو بھی سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو تمام واقعات کی تحریریں اول سے آخر تک متفق اللفظ نہیں" (ص ۱)

یہ مصنفین متفق اللفظ ہوتے کیسے جب بیشتر روایتیں خصوصاً مصنوعی معرکہ آرائیوں

اور سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی من گھڑت ہوں اور مظالم کی داستانیں محض وضعی ہوں سب کچھ ابن جریر طبری کی بدولت ہے کہ ابو مخنف و ہشام کلبی کے مخترعات ومبالغات کی کانٹ چھانٹ کرنے کے بعد انھیں اپنی کتاب میں شامل کر دیا۔ ان سے قبل کے مورخ مثلاً امام الفقیہ ابی محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں ان کی مشہور کتاب المعارف میں دیکھئے حضرت حسینؓ کے تذکرے میں ان کے واقعہ کے بارے میں صرف دو سطریں ہیں۔ نہ افواج کی تعداد کا ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ پانی کی بندش کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا۔ انہی سے ایک اور کتاب بھی منسوب ہے الامامۃ والسیاسۃ[1]۔ مضمون کے اعتبار سے صاف معلوم ہوتا ہے کسی غالی کے قلم سے ہے مگر ہے ابن جریر طبری سے پہلی کربلا کے حالات کے سلسلہ میں جو بیان ہے اس میں بھی نہ فوج کی تعداد کا کوئی ذکر ہے نہ معرکہ آرائیوں کا نہ مظالم کی وحشی داستانوں کا اور نہ سر کٹوا کر تشہیر کرانے کا، ظاہر ہے کہ ابو مخنف کی روایتوں کو الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے بھی لائق اعتنا نہ سمجھا اور واقعات کو سادہ طور سے بیان کرنے پر اکتفا کیا۔ یعنی شیعیان کوفہ کے خط کے مضمون موسومہ حضرت حسینؓ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں "الجبار العنید" وغیرہ الفاظ تو لکھے ہیں مگر بتایا ہے تو یہی کہ ان کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر بلایا تھا کہ ہمارا اب کوئی امام نہیں ہے ہم نہ حکومت کے عامل کے پیچھے نماز پڑھتے

---

[1] فہرست ابن ندیم میں ابن قتیبہ کی تصنیفات کی مکمل فہرست ہے ۲۳ کتابوں کے نام ہیں ان میں کوئی کتاب الامامۃ والسیاسۃ نام کی نہیں ہے۔

ہیں نہ جمعہ میں نہ عید میں، جیسے ہی آپ کے آنے کی خبر ہم کو ملی ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے [1] اور ملک شام کو دھکیل دیں گے (ولو قد بلغنا مجیئک اخرجناہ من الکوفۃ والحقناہ بالشام) مسلم بن عقیلؓ جب گرفتار ہو کر گورنر کے سامنے پیش ہوئے اور بوجہ قرابت ابن سعدؓ کو یہ کہہ کر وصیت کی کہ "حسین یہاں آرہے ہیں ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے نفوس ہیں تم انہیں میرا جو حال ہوا ہے اس سے مطلع کر کے راستہ سے ہی لوٹا دینا" (فاجردهم واکتب الیهم بما اصابنی) ابن سعدؓ جب اس وصیت کا ذکر ابن زیاد سے کرنے لگے تو انہوں نے یہ کہہ کر سننا نہ چاہا کہ تمہیں تو اپنے ابن عم کی بات پوشیدہ رکھنی چاہیئے۔ (اکتمہ علی ابن عمک) ابن سعدؓ نے کہا وہ خاص اہمیت کی ہے، کیونکہ مسلم نے مجھے بتلایا ہے کہ حسین آرہے ہیں اور ان کے ساتھ عورت مرد سب ملا کر نوے اشخاص ہیں اس پر گورنر نے کہا کہ قسم بخدا جب تم نے ہی یہ بات افشا کی تو تم ہی ان کے مقابلہ کو جاؤ گے۔ ابن سعدؓ کے ساتھ جو سپاہ متعین ہوئی اس کی تعداد کیا تھی اس کا کوئی ذکر نہیں، صرف یہ الفاظ ہیں کہ ابن سعدؓ کی سرکردگی میں فوج بھیجی حضرت حسینؓ نے یہ حال سن کر واپس ہونا چاہا مگر پانچ پسران عقیلؓ جوان کے ساتھ تھے یہ

---

[1] معلوم ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر انصاری صحابی رسول اسوقت عامل تھے۔

[2] حضرت عمر بن سعدؓ کو تو گورنر نے اس لئے اور بھی متعین کیا تھا کہ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی اور ان کا ایک عزیز ہی نازک حالات میں انہیں صحیح مشورہ دے کر کوفیوں کے اثرات سے بچا سکتا تھا۔

کہہ کر بات ختم ہوئے کہ ہمارا بھائی تو قتل ہو گیا اب ہم ہی لوٹ جائیں ہم سے تو یہ نہ ہوگا، ہم اس خبر کو بھی درست نہیں سمجھتے جو آپ کو موصول ہوئی ہے لکھا ہے کہ یہ سن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ میں اب ان لوگوں (بنی عقیل) کو کیسے روک دوں۔ ابن سعدؓ سے جب ملاقات ہوئی آپ نے وہ ہی تین شرطیں پیش کیں جن کا ذکر اور مورخین نے بھی کیا ہے، تیسری شرط کے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

او تسیرونی الی یزید فاضع یدی فی یده فیحکم فیّ بما یرى	یا پھر مجھے یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کی بیعت کروں (اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیدوں) پھر وہ جیسا چاہیں میرے بارے میں فیصلہ کریں۔
(ج ۲ ص ۔۔۔)	

ابن سعدؓ نے گورنر کو اس کی اطلاع دی تو انھوں نے بھی پسند کیا کہ امیرالمومنین کے پاس بھیجدیا جائے (فهمّ ان یسیره الی یزید) (ج ۲ ص ۔۔۔) اب مولف الامامۃ والسیاسۃ نے ایک شخص شمر بن حوشب کا نام لکھا ہے جو بنی سلیم میں سے تھا اس نے گورنر سے کہا کہ جب تک یہ تمہارا حکم نہ مانیں انہیں مت بھیجو۔

والله لئن سار الی یزید لا رای مکروها ولیکونن من یزید بالمکان الذی لا تنال انت منه ولا غیرک من اهل الارض	قسم بخدا اگر وہ یزید کے پاس چلے گئے تو ان کو کسی برائی کا سامنا نہ ہوگا، بلکہ یزید کے نزدیک ان کا ایسا مرتبہ ہوگا جو نہ تمہارا ہو سکتا ہے اور نہ اہل زمین میں سے کسی اور کا۔
(ص ۔۔۔)	

اب دیکھئے طبری سے پہلے کی اس کتاب میں نہ ابن سعدؓ کو ملک رے

کی گورنری پیش کئے جانے کا کوئی ذکر ہے اور نہ کثیر افواج کی تعداد کا۔ جس شخص نے ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ حضرت حسینؓ کو دمشق اسوقت تک نہ بھیجو جب تک وہ تمہارا حکم نہ مان لیں، اس کا نام شہر بن حوشب لکھا ہے نہ کہ شمر بن ذی الجوشن یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعدؓ نے حضرت حسینؓ سے لڑائی کرنے میں جب تساہل کیا تو اسی شہر بن حوشب کو حکم ہوا کہ وہ ابن سعدؓ کو قتل کرکے ان کی جگہ لے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ابن سعدؓ کے ساتھ کوفہ کے تیس[۱] قریشی اشخاص موجود تھے جو کہہ رہے تھے کہ حسینؓ کی شرط کیوں نہیں مانی جاتی کہ اتنے میں بنی عقیل نے لڑائی چھیڑ دی حسینؓ اور ان کے عزیزوں میں سے سترہ اشخاص قتل ہوگئے جن کے نام بھی دیئے ہیں۔ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیوں کا کوئی ذکر ہے نہ سر کاٹنے اور دیگر مظالم کا۔ اور نہ باقی ماندگان کو قید کرکے کوفہ لانے اور سروں کی تشہیر کرنے کا بلکہ یہ لکھا ہے کہ جب یہ سب دمشق پہنچے اور امیر المومنین نے انھیں دیکھا تو بے اختیار رو پڑے۔

فبكى يزيد حتى كادت نفسه
تفيض وبكى اهل الشام
حتى علت اصواتهم ۔
(ج ۶ ص)

اور یزید (انہیں دیکھ کر) رونے لگے اور ایسے بیتاب ہوکر روئے کہ بے خود ہوگئے اور اہل شام بھی اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔

یہ بیان ایک ایسے غالی مولف کا ہے جس نے اپنی اس کتاب میں سبائی ذہنیت کا مختلف حالات کے سلسلہ میں مظاہرہ کیا ہے مگر حادثہ کربلا کے جو وقائع لکھے ہیں ان میں معرکہ آرائیوں اور سر کٹوا کر تشہیر کرنے کا اشارتاً بھی کوئی ذکر نہیں۔ کیا یہ بین ثبوت اس کا نہیں کہ ابن جریر طبری نے ابو مخنف وغیرہ کے

اکاذیب کی تشہیر میں اور ان موضوعات کو تاریخی واقعات کی حیثیت دینے میں کیا حصہ لیا ہے اور امیر المومنین یزیدؒ پر یہ اتہام لگایا ہے کہ سر حسین جب ان کے سامنے پیش ہوا تو دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک مارنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابو برزہ الاسلمیؓ[۱] کی موجودگی امیر المومنین یزیدؒ کے پاس بتائی ہے، حالانکہ یہ صحابی دمشق میں تو کیا ملک شام میں اسوقت موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے اس میں بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں حتیٰ کہ بغوی اور ابن ابی الدنیا جیسے اہل علم نے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

وقد روى باسناد مجهول ان هذا
كان قدام يزيد وان الراس
حمل اليه وانه هو الذى نكت على
ثناياه وهذا مع انه لم يثبت ففى
الحديث ما يدل على انه كذب
فان الذين حضروا نكته
بالقضيب من الصحابة لم
يكونوا بالشام وانما كانوا
بالعراق ۔ (منہاج السنۃ)

اور مجہول سندوں سے روایت کی گئی ہے کہ یہ سر لایا یزید کے آگے تھا اور وہی ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تھی اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں دوسرے یہ کہ روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی چھڑی مارتے وقت بتائی جاتی ہے وہ اسوقت ملک شام میں ہی موجود نہ تھے بلکہ عراق میں تھے۔

---

[۱] ان کا نام اور ولدیت جری میں تین طریقہ پر لکھی ہے یعنی نضلہ بن عبداللہ اور نضلہ بن عبید

بہرحال جب بہ دلائل قاطعہ یہ ثابت کیا جا چکا کہ مرکٹوا کر تشہیر کرانے کی سب روایتیں من گھڑت اور جھوٹی ہیں تو خلیفہ وقت پر یہ اتہام محض سوء مقصد سے لگایا گیا اور پروپیگنڈا کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ ائمہ اسلام خصوصاً امام غزالیؒ نے ان اکاذیب کے بیان کرنے کو حرام بتایا ہے ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ولا یجوز الطعن فی معاویۃ لانہ من کبار الصحابۃ ولا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المومنین وامرہ الی مشیۃ اللہ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ ..... قال الغزالی وغیرہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین و حکایاتہ وما جری بین الصحابۃ	اور (حضرت) معاویہ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں ہیں اور نہ یزید پر لعن کرنا یا تکفیر کرنا جائز ہے کیونکہ وہ من جملہ مومنین کے ہیں اور ان کا معاملہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے عذاب دے چاہے معاف کرے ...... امام غزالی وغیرہ (ائمہ اسلام) فرماتے ہیں کہ مقتل حسین کی روایتیں اور صحابہ کے

بن الحارث پھر عبداللہ بن نقعد (ج۱۳ صفحہ ۱۱)

[2] ابن ابی الدنیا کی اسناد ملاحظہ ہوں، پہلے راوی تو مسلّمہ طور سے شیعہ ہیں یعنی عمار الدہنی پھر ایک راوی کا نام ابوالولید لکھا ہے میزان الاعتدال میں اس نام کا ایک راوی تو مجہول الحال ہے، دوسرا کذاب اور تیسرا ضعیف (ج۳ صفحہ ۳۸۶) اب بعض سبائیت زدہ دیوبندی ایسے کذاب اور مجہول الحال لوگوں سے سند لاتے ہیں۔

من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم وھم اعلام الدین	آپس کے مشاجرات و مخاصمات کا بیان کرنا واعظ پر حرام ہے کیونکہ ایسی باتیں بغض و طعن صحابہ پر برانگیختہ کرتی ہیں اور وہ (صحابہ) دین کے ستون ہیں۔

(صفحہ ۱۳۲)

حسینی قافلہ کے شرکاء اور باقی ماندگان

حضرت حسینؓ کے اپنی اولاد کے علاوہ ان کے جو بھائی، بہنوئی اور بھتیجے ساتھ گئے اور ان میں سے جو صحیح سلامت واپس لوٹے ان کی مختصر کیفیت مختلف کتب تاریخ و انساب کی تصریحات کے اعتبار سے یہ ہے :-

(۱) حضرت حسینؓ کے تیرہ چودہ بھائیوں میں سے جو ان کے زمانہ خروج میں زندہ تھے صرف چار ان کے ساتھ گئے تھے اور یہ چاروں یعنی عباسؓ جعفرؓ و عثمان و عبداللہ ام البنین بنت حزام الکلابی کے بطن سے تھے اور ان کے ماموؤں کا قبیلہ کوفہ و عراق میں سکونت رکھتا تھا جس میں شمر بن ذی الجوشن وغیرہ تھے۔

(۲) حضرت حسینؓ کے عم بزرگوار ابویزید عقیلؓ کے سولہ بیٹوں میں مسلم جو حضرت حسینؓ کے بہنوئی بھی تھے کوفیوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں پہلے ہی کوفہ بھیجے جا چکے تھے اور حکومت وقت کے خلاف کارروائی کرنے کے جرم میں سزائے قتل پا چکے تھے ان کی زوجہ رقیہ بنت علیؓ سے تین بیٹے تھے۔ عبداللہ و علی و محمد۔ یہ تینوں اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں گئے تھے۔

مسلم کے بھائیوں میں دو بھائی حسینی قافلہ میں مع اپنی بیٹیوں اور

اولاد کے شامل تھے یعنی عبداللہ الاکبر بن عقیل جن کو حضرت علیؓ کی تین بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی تھیں یعنی میمونہ و ام ہانی و ام کلثوم الصغریٰ ان میں سے ایک زوجہ اور چار بیٹے محمد و عبدالرحمٰن و مسلم و عقیل حسینی قافلہ میں شامل تھے۔ دوسرے عبدالرحمٰن بن عقیل تھے جن کی زوجہ خدیجہ بنت علیؓ سے ان کے دو بیٹے سعید و عقیل ساتھ گئے تھے۔

(۳) حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی اور بہنوئی عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے بیس یا چوبیس بیٹے تھے ان کی زوجہ زینب بنت علیؓ تو جیسا ذکر ہو چکا اپنے بھائی کے ساتھ قافلہ میں ضیں مگر ان کے بیٹے علی ابن زینب بن عبداللہ بن جعفر اور بیٹی ام کلثوم ان کے ساتھ نہ گئے۔ عبداللہ بن جعفر کے جو دو بیٹے عون و محمد قافلہ کے ساتھ چلے گئے وہ حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد اپنے والد کے پیغامبر کی حیثیت سے گئے تھے کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ فارسل عبد اللہ بن جعفر ابنیه عوناً و محمداً لیردا الحسین فابی ان یرجع و خرج الحسین یا بنی عبداللہ بن جعفر معه (الامامة والسیاسة ج ۲ ص۲)

یہ دونوں بھی نہ لوٹے حضرت حسینؓ کے اصرار سے ساتھ چلے گئے مگر یہ دونوں سیدہ زینب کے بطن سے نہ تھے دوسری ماؤں سے تھے۔

(۴) اسی طرح عون بن جعفر بن ابی طالب کی اولاد سے کوئی نہ گیا۔

(۵) حضرت حسینؓ کے برادر بزرگ حضرت حسنؓ کی اولاد کا شمار مختلف نسابین نے مختلف کیا ہے صاحب ناسخ التواریخ (ج ۲ ص۲۳۰) نے بیس شمار کئے ہیں جو ان کے کثیر النکاح ہونے کے لحاظ سے درست خیال کیا جا سکتا ہے۔ ان بیس میں چھ اپنے

چچا کے ساتھ گئے اور ۱۴ نہ گئے۔ جانے والوں میں ایک تو حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰ) تھے جو حضرت حسینؓ کے داماد یعنی ان کی دختر فاطمہ کے شوہر تھے، دوسرے طلحہ بن حسنؓ تھے جن کی والدہ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہؓ بیوہ حضرت حسنؓ سے حضرت حسینؓ نے نکاح کر لیا تھا اور ان کے بطن سے فاطمہ بنت الحسینؓ تھیں۔ تیسرے بیٹے حضرت حسنؓ کے جو اپنے چچا کے قافلہ میں تھے عمرو تھے جو مسلم بن عقیل کے بہنوئی تھے یعنی رملہ بنت عقیل کے شوہر تھے۔ ان تین کے علاوہ زید و قاسم و ابوبکر فرزندان حسن بن علیؓ بھی حسینی قافلہ میں تھے جن کا ذکر اکثر مورخین و نسابین نے کیا ہے عمدۃ الطالب کے مولف فرماتے ہیں کہ زید نے اپنے چچا کے ساتھ عراق نہیں گئے تھے (وتخلّف عن عمه الحسین فلم یخرج معه الی العراق (ص۴۹)

مگر یہ صحیح نہیں زید اپنے چچا کے ساتھ گئے تھے اور واپس آئے تھے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے اعتبار سے حضرت حسینؓ کے اپنے گھرانے یعنی فرزندان علیؓ و عقیل و جعفر ابنائے ابوطالب کے تقریباً ۵۰، اشخاص میں سے جو زمانہ خروج میں اس سن و سال کے تھے کہ طلب خلافت کی مہم میں حصہ لے سکتے تھے، ایک چوتھائی سے بھی کم تعداد میں شریک قافلہ ہوئے اور ان میں بھی اکثریت ایسے افراد کی تھی جو بھتیجے و چچیرے بھائی ہونے کے ساتھ داماد یا بہنوئی ہونے کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے چھ بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ بعض نے اس سے زیادہ تعداد بھی بتائی ہے، مثلاً محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السئول فی مناقب آل الرسول میں بحسب بیان صاحب ناسخ التواریخ (ص۲۳۲) آپ کے

چھ بیٹے اور چار بیٹیاں بتائی ہیں اور ابن خشاب نے بھی چھ بیٹے بتائے ہیں مگر بیٹیوں کی تعداد تین لکھی ہے۔

حضرت حسینؓ نے جن خواتین سے ازدواجی رشتے قائم کئے ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں البتہ آپ کی سات بیبیوں کے حسب ذیل نام کتب تاریخ وغیرہ میں ملتے ہیں:۔

۱۔ آمنہ بنت ابی مُرہ بن عروہ ثقفی (حضرت ابو سفیانؓ کی نواسی اور امیر یزیدؒ کی پھپیری بہن) ان کے بطن سے علی اکبر مقتول کربلا تھے (طبری و کتاب نسب قریش والمعارف وغیرہ)

۲۔ سلافہ سندھیہ خاتون جو ام ولد تھیں (ان کے بطن سے علی بن الحسین (زین العابدینؒ) تھے۔ ان کی والدہ کا نام جو شہر بانو دختر یزدجرد بتایا جاتا ہے محض غلط ہے۔ (طبری والمعارف وغیرہ)

۳۔ ام اسحٰق بنت طلحہ بن عبیداللہ ان کے بطن سے فاطمہ دختر حسین تھیں (کتاب نسب قریش و جمہرہ ابن حزم وغیرہ)

۴۔ رباب بنت امرؤ القیس کلبیہ جن کے بطن سے سکینہ بنت الحسین ہوئیں عبداللہ طفیل صغیر مقتول کو بھی ان کے بطن سے بتایا جاتا ہے (کتاب المعارف و کتاب نسب قریش وغیرہ)

۵۔ حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق (کتاب المحبر ص۴۴۲) محمد بن الحسین غالباً ان کے بطن سے تھے۔

۶۔ دختر ابو مسعود انصاری (کتاب المحبر ص۳۹) ان سے کیا اولاد تھی اس کا حال معلوم نہیں۔

۷۔ خاتون از قبیلہ بَلی (قضاعہ) ان کے بطن سے جعفر بن الحسین تھے، (کتاب نسب قریش ص۵۹) صاحب ناسخ التواریخ نے عمر بن الحسین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

بروایتے دیدم کہ پسران حسین را پنج تن بشمار آوردہ و نام یک تن ایشاں را عمر دانستہ گویند چہار سالہ بود۔ (ص۳۳۵)

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ پسران حسین کا شمار پانچ عدد کیا ہے اور ایک کا نام ان میں سے عمر خیال کیا ہے، کہتے ہیں کہ چار سال کی عمر تھی۔

الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے نیز صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کشف الغمہ محمد کو پسران حسینؓ میں شمار کیا ہے (ص۳۳۲) پسران حسینؓ کس سن و سال کے تھے آیا آپ کے بڑے بیٹے علی اکبر مقتول کربلا تھے علی اوسط زین العابدین تھے تو علی اصغر کون تھے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں تاہم سب مورخین و نسابین اس بات میں متفق اللفظ ہیں کہ علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کی عمر حادثہ کربلا کے وقت ۲۳ اور ۲۴ برس کی تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ ان کی زوجہ ام عبداللہ بنت حسن بن علیؓ سے دو بیٹے حسین الاکبر اور محمد (الباقر) کربلا میں ان کے ساتھ تھے حسین الاکبر بڑے تھے ان ہی کے نام پر ان کے والد کی کنیت تھی (کتاب نسب قریش ص۵۹) لہٰذا بعض روایتوں میں کہا گیا ہے کہ ان کو نابالغ بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور قتل نہ کیا گیا اسی طرح حضرت حسین کے داماد حسن مثنیٰ اور ان کے بھائی عمرو بن الحسن کو جو مسلم بن عقیلؓ کے بہنوئی تھے اور اکیس بیس کی عمروں کے تھے کم سن بتایا ہے محض اس غرض سے کہ

جلاء العیون) اس قسم کی وضعی روایتوں کا مقصد تو ظاہر ہے محض جذبات کو برانگیختہ کرنے کا تھا مگر الامامہ والسیاسۃ کے غالی مولف کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ سے پلٹ کر دمشق جانے کے قصد سے کربلا پہنچے اور عمال حکومت سے شرائط کی گفتگو کے دوران برادران مسلم کے عاقبت نااندیشانہ پیش دستی سے تلوار چل پڑی فتحولوا مع الحسین فقاتلوا (الامامہ والسیاسۃ ج ۲ ص ۵) اور یہ حادثہ پیش آگیا۔ مقتولین کی تدفین کے بعد کربلا ہی سے باقی ماندگان کو دمشق بھیجدیا گیا۔ اسی غالی مولف نے لکھا ہے کہ قافلے میں جو ایک صاحبزادے حضرت حسینؓ کے تھے جن کا نام اس نے "محمد بن حسین بن علی" بتایا ہے انہوں نے باقی ماندہ نوجوانوں کی تعداد بارہ بیان کی تھی۔ اس میں نابالغ بچوں کا بھی شمار کیا جائے تو ذیل کی فہرست سے اس کی تائید مزید ہو جاتی ہے اور اس حقیقت کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نہ باقاعدہ معرکہ آرائیاں ہوئیں اور نہ وحشیانہ مظالم۔ یہ حادثہ یکایک پیش آگیا اور باقی ماندگان کو بحفاظت اور با احترام تمام خلیفہ کے پاس جو ان کے عزیز و قرابت دار تھے بھیجدیا گیا۔

نمبر شمار	اسماء مقتولین	پس ماندگان جو دمشق ہو کر مدینہ واپس آئے	عمر تخمینہ	کیفیت
		نام		
۱	حسین بن علیؓ	۱۔ علی بن الحسین (زین العابدین)	۲۳ سال	
۲	عباس " "	۲۔ حسین الاکبر بن "	۴ "	
۳	عثمان " "	۳۔ محمد " "	۳ "	

یہ حضرات جو مع اپنے دیگر عزیزوں کے جن کی فہرست ذیل میں درج ہے صحیح سلامت واپس آئے تھے ان کی اور ان کے عزیزوں کی صحیح سلامت واپسی سے ان روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے کہ حکومت کے عمال نسل حسینؓ کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس نے کبھی تو یہ کہا ہے کہ مریض تھے لڑائی میں شریک نہ ہوئے ابن زیاد قتل کرنا چاہتا تھا ان کی پھوپھی لپٹ گئیں کہ مجھے ان کے ساتھ قتل کردے۔ اس ظالم کو رحم آگیا قتل سے باز رہا۔ کبھی کہا ہے کہ کم سن سمجھ کر چھوڑ دیا۔ علامہ ابن جریر طبری نے اکاذیب کو جس طرح مشتہر کیا ہے ملاحظہ ہو کہ جو حضرات تیئس ۲۳ چوبیس ۲۴ اور بیس ۲۰ اکیس ۲۱ برس کی عمر کے شادی شدہ صاحب اولاد تھے ان کو کمسن بتاتے ہیں:-

(۱) واستصغر علی بن الحسین بن علی فلم یقتل (طبری ج ۶ ص ۲۶۹)

(اور علی بن الحسین بن علیؓ چھوٹی عمر کے سمجھے گئے اور قتل سے بچ گئے)

(۲) واستصغر الحسن بن الحسن بن علیؓ واستصغر عمرو بن الحسن بن علیؓ فترک فلم یقتل (ج ۶ ص ۲۶۰)

(اور حسن بن حسن بن علیؓ اور عمرو بن حسن بن علیؓ چھوٹی چھوٹی عمروں کے سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے اور قتل ہونے سے بچ گئے)

علامہ موصوف سے پوچھا جا سکتا تھا کہ صاحب اولاد اور شادی شدہ جوان العمر اشخاص کو تو چھوٹی چھوٹی عمر کا سمجھ کر چھوڑ دیا قتل نہ کیا پھر ایک معصوم طفل شیرخوار (عبد اللہ بن حسین) کو جیسا کہا جاتا ہے کیوں قتل کیا؟ اس کے ننھے جسم میں کیوں تیر پیوست کیا اور تیر کو بھی ایسا دانا و بینا بتایا ہے کہ ننھے سے جسم کے اندر تو کسی مقام پہ نہ لگا، لگا تو معصوم کے سیدھا حلق پر۔ حلق آں معصوم زد

۴	جعفر بن علیؓ	۴- محمد بن حسینؓ	۱۸ سال
۵	عبداللہ 〃 〃	۵- جعفر 〃 〃	۱۴ 〃
۶	علی اکبر 〃 حسینؓ	۶- عمر 〃 〃	
۷	ابوبکر 〃 حسنؓ	۷- زید بن حسنؓ	۳۰ 〃
۸	قاسم 〃 〃	۸- حسن مثنیٰ بن حسنؓ	۲۱ 〃
۹	عبداللہ 〃 〃	۹- عمرو 〃 〃	۲۰ 〃
۱۰	عون بن عبداللہ بن جعفر	۱۰- طلحہ 〃 〃	۱۵ 〃
۱۱	محمد 〃 〃 〃	۱۱- فضل بن عباس بن علیؓ	۱۰ 〃
۱۲	عبداللہ اکبر بن عقیلؓ	۱۲- عبیداللہ بن عباس بن علیؓ	
۱۳	عبدالرحمن 〃 〃	۱۳- حسن 〃 〃	
۱۴	عبداللہ بن مسلم بن عقیل	۱۴- علی بن مسلم بن عقیلؓ	
۱۵	مسلم بن عقیلؓ (مقتول کوفہ)	۱۵- محمد بن مسلم 〃	
		۱۶- عبدالرحمن بن عبداللہ اکبر بن عقیلؓ	
		۱۷- مسلم 〃 〃	
		۱۸- عقیل 〃 〃	
		۱۹- محمد 〃 〃	
		۲۰- سعید بن عبدالرحمن بن عقیلؓ	
		۲۱- عقیل 〃 〃	

(نمبر ۱۲ تا ۲۱:) ان میں کون بالغ تھا اور کون نابالغ معلوم نہ ہوسکا

مقتولین میں چند نام بعض کتب میں اور درج ہیں لیکن کتب انساب کی تصریحات سے تصدیق نہ ہوسکی۔

جو حقائق اب تک پیش کیے گئے ہیں ان سے اس واقعہ حزن انگیز کی صحیح کیفیت اور حالات کا بخوبی انکشاف ہوجاتا ہے۔ البتہ ایک دو باتوں کا جو اس سلسلہ میں زیادہ مشہور کی گئی ہیں مختصر الفاظ میں ذکر کردینا مناسب ہے مثلاً جناب ملا باقر مجلسی کا یہ فرمانا کہ ہندہ دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزید جو پہلے حضرت حسینؓ کی زوجیت میں تھی سر مبارک کے آنے اور مکان کے دروازے پر آویزاں کیے جانے کا حال سن کر بے پردہ نکل آئی اور یزید کی مجلس میں پہنچکر واویلا کرنے لگی "پردہ دریدہ از خانہ بیروں دوید و بمجلس آں ..... آمد" (جلاء العیون) قطعاً بے اصل ہے۔ ملا صاحب کو امیر المومنین یزیدؒ کی ازواج کے اسماء کا صحیح علم نہ تھا۔ ان کی کوئی زوجہ ہندہ نام کی نہ تھی۔ ان سب کے نام امیر المومنین کے خانگی حالات کے سلسلہ میں دوسری جگہ ملاحظہ ہوں حضرت عبداللہ بن عامر کی جو دختر امیر موصوف کے حبالہ عقد میں تھیں۔ ان کا نام ام کلثوم تھا۔ ان ام کلثوم دختر عبداللہ بن عامر زوجہ یزیدؒ سے تین اولادیں ہوئیں۔ دو بیٹے عمرو عبداللہ الاصغر اور ایک بیٹی عاتکہ جو امیر المومنین عبدالملک کی زوجہ تھیں۔ امیر یزیدؒ کے یہ خسر حضرت عثمان ذی النورینؓ کے حقیقی ماموں زاد بھائی بڑے مجاہد اور منتظم تھے ان ہی کی بہو حضرت علیؓ کی صاحبزادی خدیجہ زوجہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن عامر مذکور تھیں۔ جناب ملا نے مجلسی نے اس موقع پر ان کی دوسری زوجہ سیدہ ام محمد کا کچھ ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ حضرت حسینؓ کی بھتیجی تھیں ان کے چچا کا سر اس طرح اگر ان کے گھر پر آویزاں ہوتا تو کیا وہ "پردہ دریدہ از خانہ بیروں دوید" ہی پر اکتفا کرتیں اور ایسے شخص کی زوجیت میں رہنا گوارا کرلیتیں جس نے ان کے چچا کو قتل کرا کے سر منگوایا ہو اور گھر پر آویزاں

کیا ہو۔ پھر یہ ایک ہی رشتہ تو امیر المومنین یزیدؒ کا حضرت حسینؓ سے نہ تھا کہ امیر موصوف ان کے بھتیجے داماد تھے۔ بلکہ امیر المومنین یزیدؒ کی حقیقی پھوپھی بہن کے شوہر ہونے سے ان کے بہنوئی بھی تھے۔ اور علی اکبر فرزند حسینؓ امیر یزیدؒ کے بھانجے تھے تو کیا بھانجے کا سر کاٹ کے ماموں کے پاس اور بہنوئی کا سر سالے کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کیا امیر عبید اللہ بن زیاد جن کو امیر المومنین کا حکم تھا کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں۔ جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھے ایسا کوئی فعل کر سکتے تھے۔ مکذوبہ روایتوں میں عوام کے جذبات مشتعل کرنے کی غرض سے راویوں نے اپنی قوت واہمہ سے کام لے کر اسی قسم کی بہت سی ایجادیں کی ہیں، جن کی کوئی اصلیت نہیں اور اصلیت ہوتی کیسے جب نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی اور نہ اس طرح کی جنگ ہونے کا ان حقائق کے لحاظ سے جو پیش کئے گئے کوئی امکان تھا۔

واقعہ حرّہ و حصار ابن زبیرؓ

حادثہ کربلا کے بعد جو ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا تھا تین برس تک یعنی ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ تک عالم اسلام میں کسی جگہ کوئی ہنگامہ بپا نہ ہوا۔ ہر طرف امن و امان و خوشی کا دور دورہ تھا، تمام امور مملکت بحسن و خوبی انجام پا رہے تھے صرف ایک کانٹا تھا اور وہ عبد اللہ بن زبیرؓ کا مکہ معظمہ میں قیام اور حکومت وقت کے خلاف خفیہ پروپیگنڈا۔ اس پروپیگنڈے میں کربلا کے فرضی مظالم کا کوئی ذکر نہ تھا کیونکہ اس وقت تک خیالی مظالم کی داستانیں وضع نہیں ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ میں ابن زبیرؓ کا قیام تو تین برس پہلے سے اس وقت سے برابر رہا ہے۔

عامل مدینہ نے انھیں حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد نئے خلیفہ کی بیعت کے لئے بلایا تھا وہ یہ کہہ کر کہ صبح جب سب لوگوں کو طلب کرو گے ہم بھی آ موجود ہوں گے اور "بیعۃ سلیمۃ صحیحۃ" کریں گے (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۱۶) مگر رات ہی رات مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور یہاں پہنچ کر اپنے کو کعبہ کا پناہ گزین کہنے لگے حضرت حسینؓ بھی اسی طرح یہاں آگئے تھے اور چار مہینے سے زیادہ مقیم رہ کر کوفیوں کے اصرار پر طلب خلافت کی غرض سے عراق تشریف لے گئے۔ ابن زبیرؓ نے بھی انہیں چلے جانے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ حجاز میں ان کی موجودگی سے اپنی خلافت کی طرف دعوت دینا انہیں مشکل تھا، حضرت حسینؓ جب ختم ہو گئے تو عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنی کارروائیاں تیز تر کر دیں۔

حکومت تمام کارروائیوں سے باخبر تھی لیکن تشدد کا کوئی اقدام ان کے خلاف نہیں کیا گیا۔ بلاذری نے قدیم ثقہ مورخ المدائنی کی سند سے لکھا ہے کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے انھیں خط لکھا جس میں کہا تھا کہ آپ اپنی ذات کا تو خدارا خیال کیجئے آپ قریش کے سن رسیدہ اشخاص میں سے ہیں اور اجتہاد و عبادت گذاری کے اچھے اچھے کام بھی کر چکے ہیں اب کوئی بات ایسی نہ کیجئے کہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے۔ آخر فقرہ یہ تھا:-

ولا تبطل ما تقدمت من حسن	جو اچھائیاں آپ کر چکے ہیں، انہیں باطل
وادخل فیہ الناس ولا تردهم فی	تو کیجئے لوگ جس (بیعت) میں داخل
فتنۃ ولا تحل حرم اللہ۔	ہو چکے آپ بھی داخل ہو جائیے اور
(انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۱۴)	لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کیجئے اور حرم اللہ

(کعبہ) کی بے حرمتی کا ارتکاب نہ کیجئے۔

مگر انھوں نے نہ مانا اور یہ عجیب جواب بھیجا کہ شوریٰ کیا جائے (فکتب ابن الزبیر یدعوہ الی الشوریٰ) گویا جو فرد ملت عمر بھر کیلئے کاروبار خلافت انجام دے رہا ہے اور جس کی بیعت میں ایک ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی مختصر سی جماعت کے علاوہ کروڑوں مسلمان داخل ہیں وہ پھر سے الیکشن کرائے!

کہا جاتا ہے کہ امیر المومنین نے قسم کھائی کہ اب ان کو گرفتار کرا کے بیعت لی جائے (فحلف الا یقبل بیعتہ الا فی جامعۃ) عامل مدینہ کو حکم دیا گیا کہ ان کے خلاف پولیس ایکشن کی کارروائی کی جائے، اس زمانہ میں پولیس افسر خود ان ہی کے سوتیلے بھائی عمرو بن الزبیرؓ تھے جو اموی خاندان کے نواسے بھی تھے۔

وکان عمرو بن الزبیر و امہ امۃ بنت خالد بن سعید بن العاص علی شرطۃ (ج ۴ ص ۲۳ ایضاً)	عمرو بن الزبیرؓ جن کی والدہ خالد بن سعید بن العاص کی بیٹی تھیں (عامل مدینہ کے) پولیس افسر تھے۔

مدینہ کے عامل نے بتعمیل حکم عمرو بن الزبیرؓ کو ان کے بھائی کے خلاف ایک جماعت کے ساتھ بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر حکم مان لیں تو خیر ورنہ انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ (ج ۴ ص ۱۵ ایضاً) عمرو بن الزبیرؓ جب مکہ پہنچے ان کے بھتیجے یعنی عبداللہ ابن زبیرؓ کے فرزند عباد اپنے چچا اور ان کے ساتھیوں سے ملنے آئے عمرو نے اپنے بھائی کو بیعت کر لینے کے لئے پیغام بھیجا (وارسل عمرو الی اخیہ فی بیعتہ یزید) اس پر جو جواب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دیا، بلاذری کی روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے یعنی انہوں نے فرمایا:-

انی علی طاعۃ یزید وقد بایعت عامل مکۃ حین دخلہا۔ (ص ۲۶ ایضاً)	میں تو یزید کی اطاعت ہی میں ہوں اور مکہ میں داخل ہوتے ہی عامل مکہ کے ہاتھ پر ان کی بیعت کر چکا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ جواب یا تو راوی نے غلط نقل کیا ہے یا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو مصلحت وقتی کے لحاظ سے کہہ دیا گیا ہو۔ اس جواب پر پولیس افسر حکیمہ میں آ گئے پھر ان کی جماعت پر یکایک حملہ ہو گیا، وہ اپنے جس بھائی کو گرفتار کرنے آئے تھے انہوں نے ہی انھیں گرفتار کرا لیا۔ گرفتاری کے وقت ان کے دوسرے بھائی عبیدہ بن الزبیرؓ نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے قبول نہ کیا اور اپنے ان سوتیلے بھائی عمرو بن زبیرؓ کو قید کر دیا۔ متعدد روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ سخت سے سخت اذیتیں ان کو دی گئیں، نہایت بیدردی کے ساتھ کوڑوں سے مارپیٹ کی گئی بالآخر اسی زدوکوب میں ان کی جان نکل گئی (انساب الاشراف بلاذری ج ۴ ص ۲۵) پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ لاش کو سولی دی جائے۔ فامر بہ عبداللہ فصلب فکان ذلک اول ما نقمہ الناس (انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۶) اس حادثہ کا بہت کچھ برا ہوا مرثیے لکھے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ اقامت حق اور اصلاح کے سوائے میری اور کوئی غرض نہیں نہ دولت کی خواہش ہے نہ مال و زر جمع کرنے کی۔ میرا پیٹ ہی بالشت بھر کا یا اس سے کم ہے۔ (وانما بطنی شبر او اقل ص ۲۷ ایضاً) شعراء نے ان کے دعوے اصلاح کا اپنے کلام میں مذاق اڑایا اور کہا کہ ہم لوگوں سے تو آپ یہی فرماتے رہے کہ جلد ہی حکومت پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، آپ کی

چیز کے طالب بھی نہیں آپ کا پیٹ بالشت بھر یا اس سے کم ہے مگر جو چیز آپ کو پہنچتی ہے اس پر دانت لگاتے ہیں، سنت فاروق و صدیق کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اپنے بھائی عمرو کے ساتھ آپ کے یہ کیا الطاف ہوئے۔ بلاذری نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں، جن میں ضحاک بن فیروز دیلمی کے یہ چند شعر بھی ہیں جن کا مفہوم بھی یہی ہے جو بیان ہوا ؎

تقول لداز سود، یکفیک قبضۃٌ ۔۔۔ وبطنُکَ شبرٌ او اَقلُّ من الشبر

وانت اذا مانلتَ شیئًا قضمتہُ ۔۔۔ کما قضمتْ نارُ الغضی حطبَ السدر

لکم سنّۃ الفاروق لاشئ غیرُہا ۔۔۔ وسُنّۃُ صدیق النبیِ ابی بکر

فلوما لقیتَ اللہ لاشئ غیرہ ۔۔۔ ذ ذاءعطفتْکَ العاطفاتُ علی عمرو

پولیس ایکشن کی ناکامی کے بعد ہی عامل مدینہ عمرو بن سعید کو ہٹا کر ولید بن عتبہ کا تقرر کیا گیا۔ انہوں نے چارج لیتے ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں، مگر حضرت موصوف نے اس عامل ہی کے برطرف کر دیئے جانے کی یہ چال چلی کہ اہل مکہ کی جانب سے امیرالمومنین یزیدؒ کو خود لکھ کر یہ مراسلہ ارسال کیا، جسے بلاذری نے بھی نقل کیا ہے اور ابن جریر طبری نے بھی۔

طبری کی روایت یہ ہے کہ:۔

ثم ان ابن الزبیر عمل بالمکر فی امر الولید بن عتبۃ فکتب الی یزید بن معاویۃ انک بعثت الینا رجلا اخرق لا یتجہ لرشد ولا یرعوی لعظۃ الحکیم ولو بعثت رجلا سہل الخلق لین الکنف رجوتُ ان یسہل من الامور ما استوعر منہا وان یجتمع ما تفرق فانظر فی ذلک فیہ صلاح خاصنا وعامنا ان شاء اللہ۔ والسلام۔

(طبری ج ۷ ص ۲)

پھر ابن زبیرؓ نے ولید بن عتبہ (عامل مدینہ) کے بارے میں مکر و حیلے سے کام لیا اور یزید بن معاویہؓ کو خط لکھا کہ تم نے کس بیوقوف شخص کو ہمارے یہاں بھیجا ہے جو کسی

عقل کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ کسی عاقل کے سمجھانے سے باز نہیں آتا اگر کسی خوش اخلاق و تواضع پسند شخص کو ہمارے یہاں بھیجتے تو امید تھی کہ بہت سی دشواریاں آسان ہو جاتیں اور تفرقہ اٹھ جاتا اس معاملہ میں غور کرو کہ اسی میں خدا نے چاہا تو عام و خاص کی بہتری ہے۔ والسلام

عبداللہ بن زبیرؓ کی اس چال کو امیرالمومنین اپنی طبعی نرم دلی اور حرمین شریفین کے باشندوں کے ساتھ رفق و مدارات کے برتاؤ کے خیال سے نہ سمجھ سکے اور ولید بن عتبہ جیسے تجربہ کار عامل کو برطرف کر کے عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کا تقرر کر دیا جو نوجوان ناآزمودہ کار تھے اور معاملات کا تجربہ نہ رکھتے تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کو اب اچھا موقعہ مل گیا، سابقہ عمال تو لوگوں کی ان کے پاس آمد و رفت پر کڑی نگرانی رکھتے تھے اب جو ذرا ڈھیل ملی اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ طائف میں امیرالمومنین کے وفادار سعد مولی عتبہ بن ابوسفیانؓ نے ان کے لوگوں کی مقاومت کی تھی پچاس آدمیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے تھے، مگر ابن زبیرؓ نے ان سب کو پکڑوا لیا اور حرم میں لا کر ان کی گردنیں ماردیں (وضرب اعناقہم فی الحرم — بلاذری ج ۵ ص ۳۰) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا:۔

قال ابن عباس لو وجدت قاتل ابی بالحرم ما قتلته۔	حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں اپنے والد کے قاتل کو بھی حرم کے اندر پاجاتا تو اس کو وہاں قتل نہ کرتا۔

(ایضاً)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ جب حرم میں انہوں نے خونریزی کی ہے تو وہ بھی ایک دن وہیں قتل ہوں گے۔ امیرالمومنین یزیدؒ کو ان افسوسناک حالات کی اطلاع ہوئی، تشدد کرنے کے بجائے بعض صحابہؓ کا وفد ابن الزبیرؓ کے ساتھیوں کے سمجھانے کو بھیجا، جس میں حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ و حضرت عبداللہ بن عصامؓ الاشعری و حضرت حصین بن نمیر السکونیؓ اور دیگر حضرات شامل تھے۔ ایک تحریر بھی بعنوان من عبداللہ یزید امیرالمومنین الی اھل المدینۃ (اللہ کے بندے یزید امیرالمومنین کی طرف سے اہل مدینہ کے نام) ارسال کی جس میں لکھا تھا کہ میں نے تم لوگوں کی قدر و عزت کی اور اتنی کی کہ تمہارے سامنے اپنی ہستی بھی کچھ نہ سمجھی وجعلتکم علی راسی ثم علی عینی ثم علی نحری (انساب الاشراف ج ۳۳) یعنی تم کو میں نے اپنے سر پر بٹھایا پھر اپنی آنکھوں پر پھر اپنی گردن پر، مگر میرے حلم سے تم نے مجھ کو ضعیف سمجھا تم باز نہ آئے تو خمیازہ بھگتو گے۔ یہ دو شعر بھی آخر میں لکھے تھے؎

أَظُنُّ الحلم دلّ عليّ قومي	وقد يُستضعف الرجلُ الحليمُ
میں سمجھتا ہوں کہ حلم و نرمی نے میری قوم کو میرے اوپر دلیر کردیا ہے	اور حلیم و نرم خو شخص کو تو کمزور ہی سمجھا جاتا ہے۔
ومارستُ الرجالَ ومارسوني	فمعوجٌّ عليّ ومستقيمُ

میں نے لوگوں کی اصلاح کوشش کی اور لوگوں نے میری اصلاح کی۔	تو کسی کو میں نے کج رو پایا اور کسی کو راہ راست پر۔

حضرت نعمان انصاریؓ اور دوسرے حضرات نے بہت کچھ سمجھایا کہ طاعت اختیار کریں فتنہ و فساد میں مبتلا نہ ہوں، مگر کچھ اثر نہ ہوا، عبداللہ بن مطیع عدوی نے تو حضرت نعمانؓ سے کہا کہ تم ہماری جماعت کو کیوں متفرق کرتے ہو اللہ نے جو کام ہمارا بنا دیا ہے اسے کیوں بگاڑتے ہو، وفد ناکام واپس آیا تو حلیم الطبع امیرالمومنین نے پھر کوشش کی معاملہ آشتی سے سلجھ جائے، اہل مدینہ کو خود مخاطب کیا اور وہ قطعہ اشعار لکھکر بھیجا جو پچھلے اوراق میں درج ہو چکا ہے ساتھ ہی عامل مدینہ کو ہدایت کی کہ وہاں کے لوگوں کا وفد ہمارے پاس بھیجو کہ ہم ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور استمالت قلب کریں۔

فکتب یزید الی عثمان ابن محمد بن ابی سفیان عامله ان یوجه الیه وفدا یسمع مقالتهم ویستمیل قلوبهم (انساب الاشراف صفحہ)	یزید نے اپنے عامل عثمان بن محمد بن ابوسفیانؓ کو تحریر کیا کہ ہمارے پاس (وہاں کے لوگوں کا) وفد بھیجو تاکہ ہم ان کی باتیں سنیں اور ان کی استمالت قلب کریں

عامل مدینہ نے حکم کی تعمیل تو کی مگر وفد کے ارکان غلطی سے وہی منتخب کئے جو بغاوت کے سرغنہ اور پرجوش حامی و سرگرم مبلغ تھے، ان میں عبداللہ بن مطیع عدوی کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے برادر حقیقی المنذر بن زبیرؓ کو بھی شامل کرلیا تھا (انساب الاشراف صفحہ)

سہ کہا جاتا ہے کہ یہی وہ ابن الزبیرؓ تھے جو غزوہ قسطنطنیہ میں امیر یزیدؒ کے ساتھ تھے حضرت

مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنین نے ارکانِ وفد کی خوب آؤ بھگت کی۔ گرانقدر عطیات پیش کئے جوان سب نے بخوشی لے لئے لیکن جو جذبات لے کر گئے تھے انہی کے ساتھ واپس آئے اور جو باتیں پہلے کہتے تھے واپسی کے بعد اور بھی شدت سے کہنے لگے۔ ان لوگوں کا پروپیگنڈا حد سے گذرنے لگا تو مدینہ ہی کے بزرگوں نے جو امیر المومنین کے حالات سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے اور ان لوگوں سے زیادہ ان کے پاس مقیم رہ کر ان کے شب و روز کے معمولات کو بچشم خود دیکھ چکے تھے مثلاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بہتانوں کی تردیدیں کیں، بہتان تراشنے والوں کو جھڑکا اور ان سے بحثیں کیں، سمجھایا بجھایا جیسا آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں اور حضرت علی بن الحسینؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے موقف اور طرزِ عمل کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ یہ سب حضرات امیر المومنین کی موافقت اور بغاوت پھیلانے والوں کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دعوے خلافت کی شدت کے ساتھ مخالفت کی، احکام شرع اور ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے اسے غلط بتایا، حضرت ابن عمرؓ نے اپنے تمام اہلِ خاندان کو مجتمع کر کے وہ حدیث سنائی تھی جو پہلے درج ہو چکی اور کہا تھا کہ اگر اس شورش میں کوئی بھی تم میں سے شریک ہوا تو میرا اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا۔ (بخاری کتاب الفتن ج جزء ۲۹) مگر ان لوگوں نے جو بغاوت کی تحریک چلا رہے تھے،

بقیہ ص ۳۷۵ معاویہؓ کی تدفین میں بھی شریک تھے۔ اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت کو انہوں نے ہی غسل دیا تھا بصرہ میں ان کو جاگیر تھی عطا ہوئی تھی اور مکانات بھی ان کے وہاں تھے یہ بعد میں اپنے بھائی سے آملے اور حصاراوں کے معرکہ میں قتل ہوئے۔

اپنی تحریک جاری رکھی، بنی عدی یعنی ابن عمرؓ کے خاندان میں سے صرف عبداللہ بن مطیع جو اس تحریک کے ایک سرغنہ تھے باغیوں کے ساتھ رہے انصاریوں میں سب سے نمایاں عنصر بنو عبد الاشہل کا ان لوگوں سے الگ رہا بنو ہاشم میں سے صرف چند حاشی شریک تھے ورنہ بنو عبد المطلب میں خصوصاً حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) و علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے سب عزیز باغیوں کے مخالف تھے۔ آل جعفرؓ و آل علیؓ و آل ابی بکرؓ میں سے کوئی بغاوت میں شریک نہ تھا جیسا کہ عام ہنگاموں، ورفتنہ و فساد میں ہوتا رہا ہے عوام الناس کا جم غفیر ان لوگوں کے بہکانے میں آگیا، دمشق سے وظیفہ پر کافی رقم ان کے پاس تھی سامانِ حرب کی فراہمی ہونے لگی ان کی جمعیت بڑھنے لگی۔ بنی امیہ کو پہلے تو محصور کر کے ان پر پانی تک بند کر دیا، طبری کی روایت ہے کہ محصورین نے امیر المومنین سے استغاثہ کیا اور قاصد کے ذریعہ تحریر بھیجی تو باغیوں نے عامل مدینہ اور بنی امیہ کے مرد وزن اور ان کے لواحقین کو جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ بیان کی گئی ہے یہ عہد و پیمان لے کر کہ وہ شہر کے مورچوں اور گذرگاہوں کا حال کسی کو نہ بتلائیں گے خارج البلد کر دیا، اخرجوھم باثقالھم واموالھم فمضوا الی الشام (انساب الاشراف ص ۳۳)

یہ سب اموی سادات مع امیر عثمان کے بغیر کسی مقاومت کے شہر سے نکل گئے کیونکہ اپنی طرف سے کوئی بات ایسی نہیں کرنی چاہتے تھے جس سے حرم شریف میں خونریزی کی نوبت آئے اپنے ذی قدرا کنبے کے علاوہ چاہتے تو کافی مدد حاصل کر سکتے تھے شہر بدر کرنا آسان نہ ہوتا یہ بنی امیہ کی غایت عقیدتمندی تھی کہ خونریزی کے بغیر شہر چھوڑ دیا۔ ان حالات و واقعات کی اطلاع جس وقت امیر المومنین کو پہنچی، کہا جاتا ہے کہ درد نقرس کی وجہ سے کہ اسی بیماری میں چند ماہ بعد وفات پائی تھی، اعشت میں پاشوبہ کرہ ہے تھے سن کر فرمایا کہ

لقد لبستوا حلمی اسنانی فی شبیبتی ــــ فبدلت قومی غلظة بلیانٍ

میری طبیعت میں حلم تھا اسے لوگوں نے بدل دیا ــــ میں نے بھی اپنی قوم کے لئے نرمی کے بدلے سختی کو اختیار کر لیا۔

اس مہم کی نوعیت بھی یہی تھی کہ ایک تادیبی مہم باغیوں کی سرکوبی کے لئے تجربہ کار فوجی افسر کی ماتحتی میں بھیجی گئی۔ افسروں میں متعدد صحابی و تابعی حضرات تھے، افسر بالا امیر مسلم بن عقبہ المری تھے جو کبیر السن بھی تھے اور اس زمانہ میں مریض بھی۔ انہوں نے اس خدمت کو بخوشی قبول کیا جس مدینہ طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری کا ان کو شرف حاصل ہوا تھا اس کو اپنے آخری ایام زندگی میں فتنہ و فساد سے پاک کرنا اپنا فریضہ سمجھتے تھے ان کے ساتھ دیگر صحابہ امیر حصین[1] بن نمیر السکونی (الاصابہ ج ۱ ص ۳۳۹) امیر عبداللہ بن عصام الاشعری (الاصابہ ج ۲ ص ۳۴۶) و امیر عبداللہ بن مسعدہ الفزاری (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ ص ۳۱) اور دوسرے صحابی و تابعی بھی بھیجے گئے تھے امیر روح بن زنباع تابعی تھے ان کے فرزند ضبعان بن روح والی اردن تھے ان کے علاوہ متعدد وہ حضرات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس امیر المومنین کے پیغامبر کی حیثیت سے جا چکے تھے ان سے حصین بن نمیر کی گفتگو کی تفصیل امیر المومنین کے ذاتی حالات کے سلسلہ میں آگے آتی ہے۔

حبیب بن کرہ کا — جو بنی امیہ کی تحریر لے کر امیر المومنین کے پاس گیا تھا

یہ بیان ہے کہ جب فوجی دستہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا امیر المومنین اسے رخصت کرنے خود تشریف لائے تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے اور عربی کمان کاندھے پر رکھے ہوئے تھے، لشکر کے سواروں کو دیکھ رہے تھے اور یہ اشعار اپنی زبان سے کہہ رہے تھے جو بعینہٖ البلاذری پہلے

---

[1] بعض نے شبہ کا اظہار کیا ہے کہ اس نام کے صحابی دوسرے تھے، یہ نہ تھے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حصین حمص کے بھی والی بھی رہے تھے اور اسی زمانہ میں جیسا خود ابن حجر نے بھی لکھا ہے صحابہ کی جماعت میں سے والی مقرر ہوئے تھے، ان کے بیٹے یزید اور ان کے فرزند معاویہؓ بھی اپنے زمانوں والی رہے تھے۔

نقل ہو چکے ہیں، یہاں طبری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

ابلغ ابا بکر اذا اللیل سری — وھبط القوم علی وادی القری

میرا پیغام اس وقت ابوبکر کنیت ابن زبیرؓ کو پہنچا دینا — جب دیکھنا کہ رات ہو گئی اور وادی القری میں فوج اتر پڑی

اجمع سکران من القوم تری — ام جمع یقظان نفی عنہ الکری

کیا یہ مست و سرشار لوگوں کی جماعت تمہیں معلوم ہوتی ہے — یا یہ لوگ بے خواب بیدار ہیں جنہوں نے نیند کو پاس آنے نہ دیا

یا عجبا من ملحد یا عجبا — مخادع فی الدین یقفو بالعری

مجھے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے سے تعجب ہوتا ہے۔ — جو دین میں مکاری کرتا ہے اور بزرگوں کو برا کہتا ہے۔

پھر امیر عسکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دن کی مہلت و امان دینا مان جائیں تو خیر ورنہ لڑائی کرنا جب غلبہ پا جاؤ تو باغیوں کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلہ (من مال او رقۃ او سلاح او طعام فھو للجند) یہ لشکریوں کے لئے ہے۔ بلاذری اور طبری میں ان ہی اشیاء کے لے لینے کے الفاظ ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اس حکم پر بڑی چہ میگوئیاں کی جاتی ہیں اور وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں مدینہ کی حرمت مٹانے اور اہل مدینہ پر خوف مسلط کرنے والوں پر لعنت کی گئی ہے لیکن کوئی صاحب یہ نہیں بتاتے کہ مدینہ کی حرمت پر حرف لانے والا اصل میں تھا کون؟ اس خالص روحانی مرکز کو عسکری مورچہ اور بغاوت کا محور بنایا تھا کس نے۔ قرآن حکیم نے تو عین کعبہ میں بھی جنگ کی اجازت دی ہے پھر مدینہ کو فتنہ و شورش سے پاک رکھنے اور باغیوں کی سرکوبی میں کیا چیز مانع تھی بالخصوص ایسی حالت میں کہ سمجھانے بجھانے فہمائش کرنے اور امان پیش کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا تھا جو اہل مدینہ بغاوت میں شریک نہ تھے ان سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی تھی حضرت

علی بن حسینؓ (زین العابدینؒ) کے متعلق فوجی افسر کو خاص طور سے ہدایت کی گئی تھی کہ "دیکھو علی بن حسینؓ سے مراعات سے پیش آنا ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا ان کو اپنے قریب عزت سے بٹھانا وہ ان لوگوں کے شریک نہیں جنھوں نے بغاوت کی ہے ان کا خط ہمارے پاس آگیا ہے" امیر مسلم نے اہل مدینہ کو مخاطب کر کے جو الفاظ کہے تھے وہ مورخین نے یہ لکھے ہیں:-

"اے اہل مدینہ! امیر المومنین یزیدؒ سمجھتے ہیں کہ تم لوگ اصل ہو۔ تمہارا خون بہانا نہیں گوارا نہیں۔ تمہارے لئے تین دن کی مدت مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائیگا اور حق کی طرف رجوع کریگا ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے اور اس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) کی طرف متوجہ ہوں گے جو مکہ میں ہے اور اگر تم نہ مانوگے تو سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے"

تین دن گذرنے کے بعد پھر دوبارہ اہل مدینہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے اہل مدینہ اب تین دن ہو چکے کہو اب تم کو کیا منظور ہے۔ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو؟" اہل مدینہ نے جواب میں جب کہا کہ ہم لڑیں گے اس پر بھی امیر مسلم نے پھر ان سے یہ الفاظ کہے۔

فقال لہم لاتفعلوا بل ادخلوا فی الطاعۃ ونجعل حدنا وشوکتنا علی ھذا الملحد الذی قد جمع الیہ المراق والفساق من کل ادب (طبری ج ۷ ص ۳)

(امیر مسلم نے اہل مدینہ سے کہا) دیکھو ایسا ہرگز مت کرو بلکہ تم سب طاعت گزاری اختیار کرو پھر ہم تم مل کر اپنا زور اس ملحد پر ڈالیں جس نے فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے

فاسقوں اور بے دینوں سے مراد باغیوں سے تھی جو احکام شرع کی خلاف ورزی کرتے تھے مگر باغی پھر بھی باز نہ آئے۔ تین طرف خندقیں کھود رکھی تھیں پتھروں کے ڈھیر ان کے پاس تھے صلح کی باتوں کا جواب پتھروں سے دیا اور جب امیر مسلم نے آخری بات کہی کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی جانوں کی خیر مناؤ "فاتقوا اللہ فی انفسکم" انھیں گالیاں دیں اور امیر المومنین کو بھی نہ چھوڑا، انھیں بھی گالیاں دیں۔ (فشتموہ وشتموا یزید)

مدینہ کی آبادی کوئی لاکھوں کی نہ تھی، سب شہر باغی نہیں تھا، بغاوت کے سرغنہ چند لوگ تھے جنھوں نے وقتی ہنگامہ بپا کر کے عوام کی ایک جماعت اکٹھی کر لی تھی، پھر مورچہ بندی کی تھی۔ ان کی عسکری قوت کی کمزوری اسی سے ظاہر ہے کہ خندقیں تین ہی طرف کھودی تھیں اور ایک طرف ایسی آبادی تھی کہ مدافعانہ تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ انصار کا سب سے بڑا گھرانا بنو عبد الاشہل اس طرف آباد تھا۔ یہ گھرانا باغیوں کا شروع سے مخالف اور امیر المومنین کا حمایتی تھا گویا بیعت توڑنے والے باغیوں کی فوج اتنی نہ تھی کہ سامنے سے دشمن کا مقابلہ کر سکتے اور نہ اتنی کہ تین طرف خندق کھود کر چوتھی طرف حفاظتی دستے متعین کر سکتے۔ فوجی زاویہ نگاہ سے شاید ہی کبھی کوئی ایسی عقیم کارروائی کی گئی ہو جیسی اسوقت مدینہ کے باغیوں نے کی تھی۔ ان کو غرہ تھا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم ارض پاک کے رہنے والے ہیں ان کی اس جہالت کا اشارہ امیر المومنین کی اس گفتگو کے ایک فقرے سے ہو سکتا ہے جو موصوف نے امیر عسکر کو وداع کرتے وقت کی تھی۔ فرمایا تھا۔

فاعلم انک تقدم علی قوم ذوی جہالۃ واستطالۃ قد منعہم حلم امیر المومنین معاویۃ وظنوا ان الایدی لا تنالہم

یہ سمجھ لو کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو نادان بنا سمجھ شیخی خورے اور اکھڑ ہیں جنھیں امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے بگاڑ رکھا ہے۔

(انساب الاشراف ج ۴ ص ۳۲)

اور ان کو یہ گمان ہے کہ میرا ہاتھ ان تک
نہیں پہنچ سکتا۔

غرضیکہ جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا فوجی دستہ خندقوں کی طرف بڑھا، باغیوں نے پتھر اور تیر برسانے شروع کیے۔ وجعل اھل الشام یطوفون بھا (جب اہل شام خندق کا پھیرا لگانے لگے، تو لوگوں نے پہاڑیوں اور چھتوں پر سے پتھروں اور تیروں کا انہیں نشانہ بنایا) والناس یرمونھم بالحجارۃ والنبل من فوق الآکام والبیوت (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۲۲) اتنے میں بنو عبد الاشہل کے سرکردہ لوگوں نے امیر مسلم کو مشورہ دیا کہ ان کے محلے سے فوج گذار کر شہر پر قبضہ کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو چونکہ رشوت دی گئی انہوں نے رستہ دیا فقتحوا لھم طریقاً (ص ۲۲۲ ایضاً) تھوڑی دیر لڑائی ہوئی، بس چند سرغنہ مارے گئے کچھ فرار ہو گئے جن میں بغاوت کے سب سے بڑے سرغنہ عبداللہ بن مطیع بھی تھے وفر ابن مطیع فلحق ابن الزبیر (ابن مطیع فرار ہو گئے اور ابن زبیرؓ سے جا ملے) چنانچہ اپنی فراری کا اقرار بھی کیا ہے خود فرماتے ہیں۔

انا الذی فررت یوم الحرۃ والشیخ لا یفر الا مرۃ
لا جزین کرۃ بفرۃ

پانچ چھ سرغنہ جو گرفتار ہوئے بجرم بغاوت قتل کیے گئے۔ رہیں وہ تفصیلات جو بعد میں گھڑی گئیں کہ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی، دس ہزار کنواری لڑکیاں حمل سے رہیں یا بیدریغ مدینہ کو لوٹا گیا۔ یہ سب داستانیں اکاذیب محض ہیں جو بعد کے مسلمانوں کو برافروختہ کرنے اور پہلے مسلمانوں کی عزت و حرمت پر حرف لانے کے لیے وضع کی گئیں۔ مدینہ طیبہ پہلا شہر نہیں تھا جو صحابہ و تابعین کی سرکردگی میں اسلامی فوجوں کے قبضہ میں ہو۔ ان اموی اسلامی افواج نے سینکڑوں شہر فتح کیے بروم و ایران و دیگر ممالک میں ان اموی اسلامی فوجوں کا نظم و ضبط [illegible]

اقوام کے لیے حیران کن ہے تو خاص عزیز مدینہ میں امیر المومنین کی قوم کے ساتھ کوئی ناشائستہ حرکت کیسے ہو سکتی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ یوم حرہ و حصار ابن زبیرؓ کے بارے میں جتنی بھی روایتیں طبری میں ہیں وہ سب کی سب یا تو ابو مخنف کی ہیں یا ہشام کلبی کی، لیکن ان روایتوں میں اشارتاً و کنایتاً بھی خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بیدریغ قتل کرنے کا کوئی ذکر نہیں طبری کی جلد ۷ کے صفحہ ۵ تا ۱۲ ابو مخنف کی دس راویوں کا قال ابو مخنف وقال ھشام کی تکرار کے ساتھ سب کچھ بیان ہے مگر خواتین کی بے حرمتی یا لوگوں کے بیدریغ قتل کرنے کا ذکر تو درکنار اشارہ بھی نہیں۔ بلاذری نے بڑی تفصیل سے روایتوں کو یکجا کیا ہے اور ابو مخنف و ہشام کلبی کے علاوہ واقدی جیسے داستان گو کی روایتیں بھی لی ہیں لیکن اشارتاً و کنایتاً کہیں بھی خواتین کی بے حرمتی کا ذکر نہیں کیا۔ اشراف میں سے جو لوگ قتل ہوئے ان کا جداگانہ باب باندھا ہے مگر نام صرف چھ اشخاص کے پیش کر سکے ہیں حالانکہ وہ تمام اکاذیب بھی درج کیے ہیں جو ابو مخنف و ہشام کلبی جیسے کذابین نے وضع کیے ہیں کہ جب باغیان مدینہ کی ہزیمت کی اطلاع موصول ہوئی امیر المومنین نے اظہار مسرت کا کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے تھے کہ ہم نے اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا۔ اس کذب بیانی کے باوجود خواتین کی بے حرمتی کا ان کذابین نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے ظاہر کہ یہ سب اتہامات بعد میں تراشے گئے۔

بغاوت کا تو چند گھنٹوں میں قلع قمع ہو گیا تھا۔ شہر کو مفسدین اور فتنہ جو عناصر سے پاک کرنے اور انتظامات درست کرنے میں ہفتہ عشرہ لگ گیا، امیر روح بن زنباع الجذامی کو مدینہ کے انتظام کے لیے متعین کیا، نصف محرم ۶۴ھ کو امیر مسلم مکہ معظمہ کے قصد سے روانہ ہوئے۔ مرض کی حالت میں دمشق سے چلے تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور تھے کرسی پر بٹھا کر لے جایا جاتا تھا اور اسی حالت میں باغیوں کا مقابلہ کیا تھا مدینہ منورہ سے روانگی کے بعد المشلل تک پہنچے تھے کہ وفات پا گئے۔ امیر حصین بن نمیر السکونی ان کے جانشین ہو کر آگے بڑھے ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن الزبیرؓ کے لوگوں کے ذریعہ پیام بھیجا کہ امیر المومنین کی [illegible] پوری کر دیں تو ان کے ساتھ نیک برتاؤ ہوگا، چاہیں گے تو [illegible] دیا جائے گا (انساب الاشراف ص ۳۵) مگر ان لوگوں نے الٹا جواب دیا۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں جن میں اہل شام [illegible] مارے گئے اور ابن زبیرؓ کے کچھ مجروح

ہوئے اور چار قتل (صفحہ ایضاً) ابن زبیرؓ کے لوگوں میں سے کسی شخص کی بے احتیاطی کی وجہ سے آگ کی چنگاری سے غلاف کعبہ جل گیا تھا، بلاذری ہی کی روایت احتراق کعبہ کے باب میں ہے کہ:-

ان رجلا من اصحاب ابن الزبیر یقال له مسلم اخذ نارا فی راس رمحه فی یوم ریح فطارت شرارة فتعلقت باستار الکعبة فاحرقتها - (صفحہ ۹۹)

ابن زبیرؓ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جس کو مسلم کہتے تھے برچھی کی نوک پہ ایک انگارہ اٹھا رہا تھا اس دن ہوا تیز چل رہی تھی اس کی چنگاری غلاف کعبہ پہ جا پڑی جس سے وہ جل گیا۔

تقریباً یہی روایت طبری نے بھی بتغیر الفاظ کئی سندوں سے بیان کی گئی ہے (ج ۷ صفحہ ...) دو ہفتہ چار دن یہ محاصرہ جاری رہا کہ امیر المومنین کی وفات کی اطلاع پر اٹھا لیا گیا اور خلافت کا فوجی دستہ مدینہ منورہ ہوتے ہوئے دمشق واپس گیا، فوجی دستہ دمشق جاتے ہوئے جب مدینہ منورہ سے گذرا حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) ان کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ مہیا کرتے۔

فاستقبله علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ومعه قت وشعیر فسلم علی حصین... فقال له علی بن الحسین هذا علف عندنا فاعلف منه دابتك فاقبل علی علی عند ذلك بوجهه فامر له بما كان عنده من علف۔

(طبری ج ۷ صفحہ ۱۶)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب اس کے (امیر حصین بن نمیر سردار لشکر) کے استقبال کو اپنے ساتھ جو اور چارہ لے کر نکلے.... انہوں نے حصین کو سلام کیا اور علی بن حسینؓ نے ان سے کہا کہ میرے ساتھ دانہ چارہ ہے اپنے گھوڑے کیلئے لے لیجئے وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم دیا کہ ان سے چارہ دانہ لے لو۔

طبری کی اس روایت سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعہ حرہ کے مظالم کی داستانیں وضعی اور جھوٹی ہیں حضرت زین العابدینؓ نے اموی فوج کے گھوڑوں کے لئے دانہ چارہ بنفس نفیس لا کر اس وقت مہیا کیا تھا جب امیر المومنین یزیدؒ کی وفات ہو چکی تھی، مظالم کربلا و مظالم حرہ کی ذرہ بھر حقیقت بھی ہوتی تو یہ ہاشمی بزرگ حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اموی فوج کے سردار کا کیوں استقبال کرتے اور کیوں دانہ چارہ گھوڑوں کے لئے خود لا کر پیش کرتے۔ فاعتبروا!

امیر المومنین یزیدؒ کے خانگی و ذاتی حالات

مادری نسب

امیر المومنین یزیدؒ کی والدہ ماجدہ سیدہ میسون نسباً یمنی عربوں کی مشہور شاخ بنو کلب سے تھیں اور اس عرب قبیلہ کی سکونت قدیم زمانہ سے حجاز و شام کی سرحدی علاقہ میں تھی، رومی و بزنطینی اثرات سے اس نواح کے دیگر قبائل کی طرح بنو کلب کے بیشتر افراد عیسوی مذہب کے پیرو تھے شیوع اسلام کے بعد سے نصرانیت ترک کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اصبغ بن عمرو کلبی ایک سردار کے پاس جو نصرانی المذہب تھے تبلیغ کے لئے بھیجا تھا یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جاؤ تو سردار قبیلہ کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دینا تین دن کے مباحثے کے بعد سردار قبیلہ نے مع جماعت کثیرہ مذہب اسلام قبول کیا۔ اور حضرت عبدالرحمٰن نے اس کی دختر تماضر کلبیہ سے نکاح کیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی جو سفارت نبوی کی خدمات بھی سرانجام دیتے تھے اسی قبیلہ سے تھے اور آپ کی ان سے دہری قرابت تھی یعنی آپ کی چچیری بہن سیدہ برہ بنت عبدالعزی ابولہب حضرت دحیہؓ کے حبالہ عقد میں تھیں۔ اور آپ نے ان کی حقیقی بہن سیدہ شراف بنت خلیفہ کلبی سے نیز ان کی بھانجی خولہ بنت الہذیل سے نکاح بھی کیا تھا لیکن یہ دونوں خواتین خلوت صحیحہ سے قبل ہی فوت ہو گئی تھیں ... ان کے علاوہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اور متبنی حضرت زید بن حارثہؓ نیز آپ کے صحابی حضرت قطنؓ بن زرارہ اور حضرت وائل بن حجرؓ کا نسبی تعلق بھی بنو کلب سے تھا۔ حضرت قطنؓ بن زرارہ اور حضرت وائل بن حجرؓ کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے آپ نے ان کے فرمان لکھوایا جس میں اقامة الصلوة لوقتها وایتاء الزکاة لحقتها یعنی مقررہ وقت پر نماز قائم رکھنا اور معینہ طور سے زکاۃ ادا کرنے کی ہدایات تھیں۔ جس سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کی غالب اکثریت عہد نبوی ہی میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھی۔ اور قریشی خاندانوں سے ان کلبیوں کے تعلقات مصاہرت ومناکحت برابر قائم تھے چنانچہ حضرت عثمانؓ کی ایک زوجہ سیدہ نائلہ بنت الفرافصہ کلبیہ خاتون تھیں۔ ان کے والد حضرت فرافصہ کلبی کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ له صحبة وهو ختن عثمان بن عفان (الاصابہ ج۳ صـ۲۰۳) یعنی وہ (الفرافصہؓ) صحابی تھے اور حضرت عثمان بن عفان کے خسر تھے۔ ان کے فرزند اور سیدہ نائلہ کے بھائی ضب بن الفرافصہ بھی مسلمان تھے اور انھوں نے ہی اپنی بہن کا جو خود بھی مسلمہ تھیں حضرت عثمانؓ سے نکاح کیا تھا۔

وضب بن الفرافصة اسلم و	اور ضب بن الفرافصہ اسلام لائے اور
هو انكحها وهي مسلمة۔	انھوں نے ہی (اپنی بہن نائلہ کا) نکاح حضرت
(صـ۴۲۲ جمهرة انساب ابن حزم)	عثمانؓ سے کیا اور وہ اس وقت مسلمان تھیں۔

حضرت عثمانؓ کے سوائے حضرت علیؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں حسنؓ اور حسینؓ کے ایک خسر امرؤ القیس بن عدی نسباً کلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے دست حق پرست پر اسلام لائے ان کی

تینوں بیٹیاں محیاۃ، سلمیٰ اور الرباب علی الترتیب حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کی زوجیت میں آئیں اور تینوں سے اولاد بھی ہوئی۔ حضرت حسینؓ کی یہ کلبیہ زوجہ سیدہ رباب ان کو بہت محبوب تھیں، ان کی اور ان کے بطن سے جو مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہ متولد ہوئیں ان ہی دونوں کے اظہار محبت میں حضرت حسین کے تین شعر اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں کسی اور زوجہ کی الفت کے اظہار میں کوئی شعر یا کوئی قول آپ کا مذکور نہیں نہ والدہ علی اکبر کے لئے جو حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں اور نہ والدہ علی اصغر (زین العابدینؓ) کے لئے جو سندھی حسباً ام ولد تھیں وہ شعر یہ ہیں:۔

لَعَمْرُكَ اِنَّنِيْ لَاُحِبُّ دَارًا	قسم تیری جوانی کی، میں اس گھر سے بلاشبہ محبت
تُضِيْفُهَا سُكَيْنَةُ وَالرَّبَابُ	کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہوں
اُحِبُّهُمَا وَاَبْذُلُ بَعْدَ مَالِيْ	میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اور اپنا مال
وَلَيْسَ لِلَائِمِيْ فِيْهَا عِتَابُ	ان پر خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت
وَلَسْتُ لَهُمْ وَاِنْ عَتَبُوْا مُطِيْعًا	کرنے والے کے لئے ملامت کا موقع نہیں
حَيَاتِيْ اَوْ يُغَيِّبَنِيْ التُّرَابُ	ان عتاب کرنے والوں کی بات میں زندگی بھر نہیں
(صـ۱۹۹ ج۷ طبری)	مانوں گا یہاں تک کہ قبر میں مجھے مٹی ڈھانپ لے

ان سکینہ بنت حسینؓ کے شوہر مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ بھی کلبیہ خاتون تھیں [illegible] کا مقصد اسی امر واقعہ کے اظہار کرنے [illegible] قریش بنو کلب کی خواتین سے جو محاسن نسوانی کے اعتبار سے شان امتیاز رکھتی تھیں مناکحت کے رشتے قائم کرنا پسند کرتے

تھے۔ حضرت معاویہؓ کا قیام ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ سے برابر ملک شام میں رہا تھا۔ جہاں خود انھوں نے اور ان کے اہل خاندان نے شاندار اسلامی وملّی خدمات انجام دی تھیں۔ خلافت فاروقی کے ایام میں وہ گورنری کے منصب جلیلہ پر فائز تھے انعامات الٰہی سے سب کچھ حاصل تھا، اولاد نرینہ کی خوشی البتہ نہ تھی، ان کی زوجہ اولیٰ فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف سے دو بیٹے ہوئے ایک عبدالرحمٰن جو صغر سنی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اور دوسرا عبداللہ جو ضعیف العقل تھا اس لئے وہ کسی عربیہ دوشیزہ سے نکاح کرنے کا خیال کر رہے تھے جو عمدہ صفات نسوانی سے متصف ہو۔ اور خالق اکبر اس کے بطن سے اولاد نرینہ عطا فرمائیں تو بیٹا نجیب ثابت ہو ایسی ایک دوشیزہ بنو کلب کے سردار بحدل بن انیف الکلبی کی دختر تھی، اس کلبی سردار بحدل کے جد اعلیٰ جناب بن ہبل کے تین بیٹے تھے، عدی وعلیم وزہیر۔ عدی کی نسل سے حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ تھیں، علیم کی نسل سے حضرت علی وحسین وحسنؓ کی کلبیہ بیبیاں تھیں نیز مصعب بن الزبیرؓ کی والدہ اور زہیر کی نسل سے یہ کلبی سردار اور اس کی دختر میسون تھی جو حسن وجمال کے ساتھ عقل ودانش میں ممتاز، دیندار اور نیک خصال تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

وکانت (میسون) حازمۃ عظیمۃ الشان جمالًا وریاسۃً وعقلًا ودینًا۔	اور وہ (میسون) زیرک ومحتاط، حسن وجمال نیز ریاست وسرداری عقل وفراست اور دینداری میں عظیم الشان تھی

(ص۱۴۵ البدایہ والنہایۃ ج)

اس دوشیزہ کے ذاتی صفات کے علاوہ بنو کلب کے طاقتور قبیلہ کے سردار کے گھرانے میں رشتہ کرنا امیر معاویہؓ کے لئے جو اس وقت صوبے کے گورنر تھے سیاسی اغراض کے لئے بھی نہایت مفید تھا کیونکہ یہ سردار بحدل کلبی ایک دوسرے طاقتور قبیلہ کے سردار اکیدر بن عبدالملک الکندی رئیس دومۃ الجندل کا رشتہ میں ماموں بھی تھا یہ وہ ہی اکیدر ہے جس کو حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت پیش کیا تھا جب آپ غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ مراجعت فرما ہوئے تھے۔ آپ نے اکیدر کو دین اسلام قبول کرنے کی تحریک کی وہ مسلمان ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حلیفی کا فرمان حاصل کیا

وعرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم الاسلام علی اکیدر فاسلم واصبح لہٗ حلیفًا۔	اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیدر کو اسلام پیش کیا وہ مسلمان ہوئے اور (اپنے قبیلہ کی) حلیفی کا عہدنامہ کیا

(ص۴۲۲ حیات محمدؐ مولفہ محمد حسین ہیکل)

ان ہی اکیدر کے ایک بھائی حریثؓ بھی مسلمان تھے (ص۶۹ معجم البلدان بلاذری) دوسرا بھائی بشر بن عبدالملک عہد جاہلیت میں نوشت وخواند سے بہرہ یاب تھا، حضرت معاویہؓ کی پھوپی الضہبا بنت حرب بن امیہ سے شادی کر کے مکہ میں مسکن گزین ہو گیا تھا۔ اور اہل مکہ نے اسی سے نوشت وخواند کا فن حاصل کیا تھا۔ الغرض حضرت معاویہؓ کے اس نکاح کی مصلحت سیاسی ہو یا معاشرتی یہ رشتہ زوجین کے لئے مبارک ہوا، اس کلبیہ خاتون

کے بطن سے خالق اکبر نے نجیب و ہونہار فرزند عنایت کیا جس کا نام انھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت یزید بن ابو سفیانؓ کے نام نامی پر جنھوں نے فتوحات شام میں نمایاں حصہ لیا تھا یزید رکھا

سنہ ولادت

علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے اس نکاح اور تولد فرزند کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

فتزوجها معاویۃ ولدت لہٗ یزید بن معاویۃ فجاء نجیبًا ذکیًا حاذقًا۔

(صـ۸ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

پس (حضرت) معاویہؓ نے دوشیزہ میسون سے شادی کی اور اس کے (بطن سے) یزید بن معاویہ پیدا ہوا جو (فطرتاً) نجیب و ذکی اور تیز فہم تھا

سنہ ولادت کے بارے میں دو روایتیں ہیں' بروایت اصح یزیدؒ کی ولادت سنہ ۲۲ھ میں بعہد خلافت فاروقی ہوئی' دوسری روایت میں سنہ ولادت سنہ ۲۵ھ ہے علامہ ابن کثیرؒ سنہ ۲۲ھ کے حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

وفیہا ولد یزید بن معاویۃ و عبدالملک بن مروان۔

(صـ۱۲۵ ج ۷ البدایۃ والنہایۃ)

اور اس سنہ (سنہ ۲۲ھ) میں یزید بن معاویہ اور عبدالملک بن مروان پیدا ہوئے

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سنہ ۲۲ھ کے یہ دونوں مولود یعنی یزید اور عبدالملک سن رشد کو پہنچ کر نہ صرف فضائل علمی و محاسن موروثی و اکتسابی سے بہرہ ور ہوئے بلکہ اپنے اپنے وقت میں خلافت کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یزید جب بطن مادر میں تھے ماں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کوکھ سے چاند برآمد ہوا جس کی تعبیر یہ کی گئی تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا جو عظیم المرتبت ہوگا (صـ۲۲۷ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ) خواب کی یہ روایت صحیح ہو یا غلط، بچپن ہی سے آثار نجابت و علو مرتبت یزید میں پائے جاتے تھے ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی | می تافت ستارۂ بلندی

سیدہ میسون کے بطن سے حضرت معاویہؓ کی ایک یا دو اولادیں اور بھی ہوئیں، یہ دونوں بیٹیاں تھیں ایک کا نام امۃ المشارق تھا جو خوردسال فوت ہوگئی تھی، دوسری رملہ تھی جو سن بلوغ کو پہنچ کر حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے فرزند عمرو بن عثمانؓ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ اور ان رملہ کی بہو سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ تھیں جو زید بن عمرو بن عثمانؓ کی زوجیت میں آئی تھیں (صـ۹۳ کتاب المعارف ابن قتیبہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۰ھ) امیر یزیدؒ نے اپنے محترم والد ماجد کے مرثیہ میں ایک شعر میں اپنی بہن رملہ کے اپنے محترم والد کے مرنے پر گریہ و بکا کرنے کا جس سے قلب پاش پاش ہو ذکر کیا تھا۔ اور وہ شعر یہ ہے:۔

لما انتہینا وباب الدار منصفق | بصوت رملۃ ریع القلب فانصدعا

والدہ یزیدؒ کی دینداری

امیر یزیدؒ کی والدہ بڑی دین دار خاتون تھیں احکام شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے عہد خلافت میں دربار عام

سے اُٹھکر زنانخانے میں آئے۔ اس وقت ایک زنخا خادم بھی ساتھ چلا آیا۔ سیّدہ میسون نے اس زنخے خادم سے بھی پردہ کیا۔

ودخل معاویۃ علیھا (ای میسون) یومًا ومعہ خادم خصی فاستترت منہ وقالت ماھذا الرجل معک؟ فقال: انہ خصی فاظھری علیہ، فقالت: ماکانت المثلۃ لتحل لہ ماحرم اللہ علیہ وحجبتہ عنھا۔
(ص۱۴۵ ج البدایہ والنہایہ)

ایک دن معاویہؓ ان (میسون) کے پاس گئے، اس وقت ایک زنخا خادم بھی ان کے ساتھ تھا انھوں نے اس سے پردہ کیا اور (حضرت معاویہ سے پوچھا) یہ کون شخص آپ کے ساتھ ہے؟ انھوں نے جواباً کہا کہ یہ زنخا ہے تم اس کے سامنے آ سکتی ہو اس پر (سیدہ میسون نے) کہا کہ زنخا ہونے سے خدا نے جو حرام کیا ہے حلال نہیں ہو سکتا۔ پھر انہوں نے اس سے پردہ کیا۔

ایسی دین دار اور پابند احکامِ شریعت مسلمان خاتون کے بارے میں کذابین نے طرح طرح کی واہی اور سخیف روایتیں وضع کی ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کی یہ زوجہ سیدہ میسون اور حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ دونوں مذہباً حریت پسند عیسائی تھیں (Jacobite christian)؛ (ص۱۹۵ تاریخ عرب مولفہ ہتی بحوالہ اغانی) بنو کلب کی صرف ان دو خواتین کے بارے میں جو خاندان بنو امیہ میں حضرت معاویہؓ و حضرت عثمانؓ کے حبالۂ عقد میں آئیں یہ روایتیں وضع ہوئیں جن کو مستشرقین نے کتب تاریخ دسیرے نہیں بلکہ ادبیات اور

قصوں اور افسانوں کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ جو اکثر و بیشتر معاندین کی تالیفات ہیں مثلاً اغانی سے اور اغانی کے مولف غالی گروہ کے تھے۔ لیکن ان ہی خواتین کی ہمجد و ہمعصر خواتین کے مذہبی عقائد کے متعلق جو نبی ہاشم خصوصاً حضرت علیؓ و حسینؓ و حسنؓ کے نکاح میں آئیں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا۔ حالانکہ یہ دونوں کلبیہ خواتین عیسائی خاندان کی اور عیسائی باپ کی بیٹیاں تھیں ایک اور کذب بیانی سیدہ میسون کے بارے میں یہ کی گئی اور اس کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ یہ "دختر صحرا" شہر کی محلاتی زندگی و معاشرت پر بدوی و صحرائی زندگی کو ترجیح دیتی تھی، نو اشعار کا ایک قطعہ ان سے منسوب کیا گیا ہے جس کے ایک شعر میں ان کے عالی مرتبت شوہر پر کھلی چوٹ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان اشعار کو سن کر حضرت معاویہؓ کو ایسی ناگواری ہوئی کہ اپنی اس زوجہ کو طلاق دے کر مع اس کے خورد سال فرزند یزیدؒ کے اس کے میکے بھیجدیا جہاں بادیہ شام میں یزیدؒ نے ایک عیسائی بدوی کی طرح اور بدوی جبلت کے ساتھ پرورش پائی (ص۱۹۶ تاریخ ادبیات عرب مولفہ نکلسن) اس کذب بیانی کی تائید میں یہ نو شعر والدہ یزید سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مگر محققین کے نزدیک نہ یہ کلام سیدہ میسون کا ہے۔ اور نہ طلاق کی کوئی اصلیت ہے۔ دائرۃ المعارفِ اسلامیہ میں لفظ "میسون" کے تحت محقق لامن (Lammens) کا یہ قول درج ہے۔ ھذا الابیات لیست لمیسون ولیس الصحیح ان ھی قائلتھا یعنی یہ اشعار نہ میسون کے ہیں اور نہ صحیح ہے کہ یہ شعر اس نے کہے ہوں۔ تاہم ان سے بدوی خواتین جذبات

جذبات حب الوطنی کا اظہار ضرور ہوتا ہے جو شہری زندگی بسر کرنے کی حالت میں قدرتاً محسوس کرتی ہوں گی۔ عربی ادبیات اور تاریخ کی بعض کتب میں یہ متفرق اشعار پائے جاتے ہیں۔ ابوالفداء نے پانچ شعر لکھے ہیں، نکلسن نے چھ اشعار کا انگریزی میں منظوم ترجمہ اپنی تالیف ادبیات عرب میں درج کیا ہے۔ برٹن نے بھی پانچ شعروں کا مجموعہ اپنے سفرنامے کے حصہ دوئم میں درج کیا ہے۔ مختلف ماخذوں سے نو شعر اس منسوبہ نظم کے ذیل میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا منظوم اردو ترجمہ بھی، اس سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ یزید دشمنی میں ان کے والدین پر بھی کس کس پیرایہ میں بہتان تراشیاں کی گئی ہیں۔ عربی کے ابیات میں بعض لفظ مختلف کتابوں میں مختلف ملتے ہیں تاہم مطلب و معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ملتا۔

الصرخة بنت البادية	دخترِ صحرا کی پکار
لبيت تخفق الارواح فيه	خیمہ صحرا کہ جس میں چلتی ہے ٹھنڈی ہوا
احب الیّ من قصرٍ المنيف	قصر والوں سے ہے بڑھکر پُر فضا میرے لئے
ولبس عباءة تقرّ عينی	رکھتی تھی بے چین مجھکو گرچہ وہ اونی قبا
احب الیّ من لبس الشفوف	نرم جامے سے بھی تھی راحت فزا میرے لئے
وأكل كسيرة فی كسر بيتی	خشک ٹکڑے کھاتا خیمے کے اندر بیٹھ کر
احب الیّ من اكل الرغيف	بڑھ کے نانِ تازہ سے ہے خوش مزا میرے لئے
واصوات الرياح بكل فجّ	وادیوں میں ہوا کی سنسناہٹ جس قدر
احب الیّ من نقر الدفوف	رقص و نقارے سے بڑھکر خوش نوا میرے لئے

وكلب ينبح الطراق عنّی	بھونکنا کتے کا نوآیند مہمان دیکھ کر
احب الیّ من قطٍ الوف	گربۂ مانوس سے بھی خوش نوا میرے لئے
وبكرٍ يتبع الاظعان سقبًا	بارا ٹھائے پیٹھ پر یہ رہن بیاہی اونٹنی
احب الیّ من بغلٍ زفوف	تیز رو خچر سے بھی ہے خوش ادا میرے لئے
وخرق من بنی عمی فقير	سیدھا سادہ نیک دل غربت کا مارا ابن عم
احب الی من علج عنيف	اجنبی سرکش میاں سے خوش ادا میرے لئے
خشونة عيشتی فی البدو اشهی	زندگی صحرا کی گو کتنی ہی ہو تکلیف دہ
الی نفسی من العيش الطريف	خوش گوار اس ناز و نعمت سے سوا میرے لئے
فما ابغی سوی وطنی بدلا	اب قیام اس بے وطن کا اس جگہ ممکن نہیں
فحسبی ذاك من وطن الشريف	ہے وطن کی سر زمیں راحت فزا میرے لئے

سیدہ میسون جیسی دین دار و عقیل خاتون سے اس قسم کے اشعار منسوب کرنے کا جو مقصد ہے وہ ان روایتوں سے بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ جو کذابین نے اس سلسلے میں وضع کیں۔ برٹن نے ترجمہ اشعار کے ساتھ یہ لغو حکایت بھی لکھی ہے

"حکایت یہ ہے کہ معاویہؓ نے جب یہ گیت اتفاقاً سن لیا تو گانے والی کو اس کے بچہ سے جدا اور اس کے محبوب صحرا بادیہ کو رخصت کر دیا۔ میسون اپنے بیٹے یزید کو ساتھ لیکر روانہ ہو گئی اور اس وقت تک دمشق کو واپس نہ لوٹی جب تک کہ یہ ضعیف رسیدہ مسند گدھا اپنے باپ دادا کے پاس دوسرے جہان میں نہ پہنچ گیا۔ یزید نے اپنی ماں سے شعر گوئی کے مادہ کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف نفرت و حقارت بھی ورثہ میں پائی تھی۔ اس کے ساتھ برٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کے برطانوی ناظرین کے دل یہ سن کر ضرور دہل جائیں گے کہ اس ذی فہم حسنا تون نے

اپنے شوہر کو (FATTED ASS) (سنڈ مسنڈ گدھا) تک کہہ ڈالا ہے۔"

(حج سفرنامہ مکہ و مدینہ سر رچرڈ ایف برٹن)

غرض کہ اس طرز کی تہمت تراشی و افترا پردازی کا لامتناہی سلسلہ اگرچہ صدیوں تک نئے نئے روپ میں ہوتا رہا۔ بایںہمہ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہو سکتی کہ سیدہ میسون اپنے عالی مقام شوہر کی زندگی بھر وفادار رہیں ان سے حدیث کی روایت بھی ہے اور سیدہ میسون سے حدیث روایت کرنے والوں میں حضرت محمد (الباقر) بن علی (زین العابدین) بن الحسینؓ بھی ہیں (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف اسلامیہ اردو بذیل عنوان میسون نیز کتب رجال وسیرا) اور یزیدؒ کا بدو شعور سے اپنے محترم والد کے آغوشِ محبت و دامنِ تربیت میں پرورش پانا روز روشن کی طرح ثابت ہے جس کے بعض حالات و واقعات دوسرے اوراق پر آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔

بچپن یزید کا زمانہ رضاعت اپنے ننھیالی قبیلہ کی دایہ کے خیمے میں اموی و ہاشمی گھرانوں کے خاندانی دستور کے مطابق بسر ہوا حجاز سے باہر جہاں کہیں بھی سادات قریش کے یہ خانوادے مسکن گزین ہوئے اپنے اس خاندانی دستور کے پابند رہے کہ خورد سال اطفال کو بدوی دایوں کی پرورش میں دیتے۔ صحرا کی آب و ہوا یوں بھی قوائے جسمانی کے بہترین نشو و نما کے لئے بغایت مفید ہوتی "بچپن سے محنت و مشقت اور سادہ و بے تکلف زندگی کی عادت پڑتی بھاگ دوڑ اونٹ گھوڑے کی سواری و صید

افگنی میں مہارت حاصل کرتے خالص عربی جو غیر زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے پاک ہوتی بدوؤں میں رہ کر سیکھتے۔ یزیدؒ کی دایہ کا کنبہ بادیہ شام کے اس علاقہ میں مقیم تھا جہاں کبھی قدیم شہر پالمائی (پیتا) آباد تھا۔ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی تک اموی خلفاء کے بچوں کی پرورش گاہ بن گیا تھا۔ امیرالمومنین عبدالملکؒ و امیرالمومنین ولید ثانی نے اس صحت بخش مقام پر محلات تعمیر کرائے تھے جو "البادیہ" کے نام سے مشہور ہوئے۔ امیر یزیدؒ کا زمانہ رضاعت بدوی دایہ کے خیمہ میں بسر ہونا یا اس کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں آنا جانا، شہسواری و صید افگنی میں مہارت حاصل کرنا معمولی و قدرتی بات تھی۔ مگر وضاعین نے طرح طرح کی واہی حکایتیں اور روایتیں وضع کیں، کبھی کہا گیا کہ والدہ یزید مذہباً عیسائی تھیں، کبھی یہ کذب بیانی کی گئی کہ شوہر نے طلاق دے دی تھی اس لئے اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر میکے چلی گئی جہاں یزید نے ماں کے مذہب پر ہوش سنبھالا اور عیسائی مذہب میں رہ کر شراب نوشی کی عادت ڈالی وغیرہ من الھفوات یہ سب تہمت تراشیاں اگرچہ قطعاً بے اصل اور خرافات ہیں۔ لیکن ناسخ التواریخ کی شرمناک ہرزہ گوئی کے مقابلے میں یہ سب بھی ہیچ ہیں۔ یہ ہرزہ خوار تہمت شعار مورخ کس درجہ مبتذل الفاظ میں امیرالمومنین حضرت معاویہؓ جیسے مدبر زعیم قریش اور جلیل القدر صحابی کاتب وحی و خال المومنین کی سراپردۂ عصمت و عفاف پر جو خود بھی بڑے زبردست عرب قبیلے کے سردار کی دختر اور بقول علامہ ابن کثیرؒ بڑی دانشمند دین دار و پابند شریعت خاتون تھیں سب و شتم

کرتا ہے۔ محض اس غرض سے اس کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں کہ یزید دشمنی میں کیا کچھ کذب بیانی اور افترا پردازی ہے جو بعض ان مولفات میں بھی کی گئی ہے جن کو "تاریخ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد مورخ لکھتا ہے:-

مادر یزید ..... میسون نام داشت و او دختر بجدل ابن انیف کلبیہ بود و از سفاح غلام بجدل حامل گشت و چوں از بادیہ بسرائے معاویہؓ آمد حمل او پوشیدہ ماند زیرا کہ معاویہؓ شوی نخستین نہ بود و از میسون بہر دوشیزگان طلب نمی فرمود لاجرم وقتے یزید متولد شد معویہ او را پسر خویش دانست و ازاں پس میسون بر نجیدہ معاویہؓ را ہجا گفت و بجوارین رفت	یزید..... کی ماں کا نام میسون تھا اور وہ بجدل ابن انیف کلبی کی بیٹی تھی۔ اور بجدل کے غلام سے اس کو زنا کا حمل ٹھیر گیا۔ اور جب وہ بادیہ سے معاویہؓ کے محل میں آئی تو اس کا حمل پوشیدہ تھا۔ کیونکہ معاویہؓ اس کا اولین شوہر نہ تھا اور اس نے میسون سے پردۂ بکارت کا مطالبہ نہیں کیا چنانچہ جب یزید پیدا ہوا تو معاویہؓ نے اسے اپنا ہی بیٹا سمجھا۔ اس کے بعد میسون ناراض ہوگئی اور اس نے معاویہ کی ہجو کہی اور حوارین کو چلی گئی

(ص۲۹۵ جلد ششم از کتاب دویم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

اس مفتری کذّاب کو کیا کہا جائے؟

تعلیم و تربیت

یزیدؒ جیسے غیر معمولی ذہین و فطین طالب علم کے اکتساب علم کے حالات گو تفصیلاً معلوم نہیں تاہم چند واقعات سے جو بعض ثقہ مورخین نے بر سبیل تذکرہ لکھ دیے ہیں اتنا

ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نوعمری ہی میں لسانیات و دینیات میں امتیازی درجہ حاصل کر لیا تھا۔ قرآن شریف کے اچھے قاری تھے۔ اور خطبات جمعہ و عیدین میں جو خطبے دیتے قرآن شریف کے رکوع اور سورتیں اس طرح تلاوت کرتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام اللہ بھی حفظ کیا تھا۔ خوش بیان و حاضر جواب تھے بچپن کا واقعہ ہے ان کے اتالیق نے کسی خطا پر سرزنش کی تھی۔ استاد شاگرد میں یہ گفتگو ہوئی:-

فقال له مودبه:- اخطاءت یا غلام۔	اتالیق نے کہا: اے لڑکے تو نے خطا کی۔
فقال یزید:- الجواد لیعثر	یزید نے کہا:- اصیل گھوڑا ہی ٹھوکر کھاتا ہے
فقال المودب: اے واللہ یضرب فیستقیم۔	اتالیق نے کہا:- ہاں واللہ کوڑا کھاتا ہے تو سیدھا ہو جاتا ہے
فقال یزید:- اے واللہ فیضرب انف سائسه۔	یزید نے کہا:- ہاں واللہ پھر تھاپنے سائیس کی ناک پھوڑ ڈالتا ہے

(ص۲ ج۴ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

حضرت معاویہؓ خود بھی اپنے اس غیر معمولی ذہین فرزند کی دیکھ بھال رکھتے بچپن کی غلطیوں پر سرزنش کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ کسی خادم کو مارتے پیٹتے دیکھ لیا فوراً تنبیہ کی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے یہ الفاظ یزید کو سنائے جو اسی قسم کے واقعہ پر آپؐ نے ابو مسعودؓ سے

فرماتے تھے:۔

اعلم ان اللہ اقدر علیک منک علیہ۔ — یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے جو تجھکو اس پر ہے

حدیث سناکر بیٹے سے فرمایا:۔

"تیرا برا ہو کیا تو ایسے کو مارتا پیٹتا ہے جو اس کی سکت نہیں رکھتا کہ تیرا مقابلہ کر سکے۔ واللہ جن کو بدلہ لینے کی قدرت نہیں ان کو معاف کر دینا اور خطاؤں سے چشم پوشی کرنا بہت بہتر اور احسن ہے"

(صفحہ ۲۲۶ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

یزید کے زمانہ طالب علمی میں کتب درسی کی تدوین نہیں ہوئی تھی قرآن و حدیث کے علاوہ ادبیات (شعر و شاعری، علم الانساب علماء کی صحبت و خطبات سے حاصل کئے جاتے. حضرت حجر بن حنظلہ الشیبانی الہذلی امیر یزید کے استاد تھے کان عالماً ولکن غَلَبَہُ النَّسَبُ (تہذیب والتہذیب) یعنی وہ عالم تھے لیکن علم النسب کا ان پر غلبہ تھا دغفل النسابہ سے مشہور ہیں ان ہی کے بنو اعمام میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ ہوئے حضرت دغفل کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا

یقال لہ صحبۃ وقال نوح بن حبیب القومسی فیمن نزل البصرۃ من الصحابۃ دغفل النسابۃ۔ (صفحہ ۲۲۲ ج الاصابہ)

کہتے ہیں کہ ان کو صحابی ہونے کا شرف بھی حاصل تھا نوح بن حبیب القومسی نے ان صحابہ کے بارے میں جو بصرہ میں مقیم تھے کہا ہے کہ ان میں دغفل النسابہ بھی شامل ہیں۔

ایسے فاضل و نسابہ صحابی کی صحبت اور شاگردی سے یزیدؒ کو پورا استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ حضرت دغفلؓ بصرہ سے جب دمشق آئے حضرت معاویہؓ نے ان کے تبحر علمی اور طلاقت لسانی کو دیکھکر دمشق میں روک لیا اور فرمایا کہ آپ یزیدؒ کے پاس رہئے اور اسے اپنی صحبت اور علم سے مستفیض کیجئے (الاصابہ) چنانچہ عرصے تک ان کے خرمن علم سے یزیدؒ کو خوشہ چینی کے مواقع حاصل رہے علوم دینیہ و ادبیات کے علاوہ فنون حرب میں کماحقہ مہارت حاصل تھی جو رومی عیسائیوں کے زبردست افواج کے مقابلے میں اس مجاہد اسلام کی تہورانہ و دلیرانہ جہادی سرگرمیوں کے کارناموں سے جو اوراق تاریخ پر ثبت ہیں بخوبی ثابت ہے۔

عنفوان شباب

اس جویائے علم اموی قریشی نوجوان کو علماء صلحاء صحابہ کرام کی صحبتوں سے استفادہ کرنے کی دھن تھی دمشق کو جب سنہ ۴۱ھ میں مستقر خلافت ہونے کا امتیاز حاصل ہوا یزید کی عمر انیس بیس برس کی تھی، حجاز اور دوسرے اقطاع و ممالک سے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیرالمومنین حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق آتے اکثر ان کے پاس مقیم ہوتے، فرزند امیرالمومنین کو ان صحابہ رسول اللہؐ کی خدمتیں کرنے، ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے: جو صحابہ کرام دمشق و شام میں مسکن گزین تھے ان کے فیوض علمی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا امیر یزیدؒ نے پورا استفادہ کیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن عبدالمطلب بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور صحابی بن صحابی تھے۔ خلافت فاروقی میں ہی مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کرلی تھی وہ امیر یزیدؒ کی صلاحیتوں کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ اپنی وفات سے پہلے انھوں نے امیر موصوف ہی کو اپنا وصی و وارث بنایا۔ وصی اسی کو بنایا جاتا ہے جس سے نہایت محبت ہو اور اس پر بغایت اعتماد ہو۔

عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم صحابی انتقل الی دمشق وله بها دار فلما مات اوصی الی یزید بن معاویة وهو امیر المؤمنین وقبل وصیة (ص۱۳۳ البدایہ والنہایہ و الاستیعاب جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۷۰)

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب بن ہاشم صحابی تھے (مدینہ سے) دمشق کو منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں ان کا مکان بھی تھا جب مرنے لگے امیر یزید بن معاویہؓ کو انھوں نے اپنا وصی و وارث بنایا وہ اس وقت امیر المومنین تھے اور انھوں نے اس وصیت کو قبول کر لیا۔

خطابت

صحابہ کرام و علما و صلحاء کی صحبتوں کے علاوہ جس کا مختصر ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا ہے۔ امیر یزیدؒ ریعان سن سے اپنے والد محترم کی مجالس میں بالالتزام حاضر رہتے جو ان جیسے ذہین و فطین تاثر پذیر اور اخاذ طبیعت کے نوجوان کے لئے درسگاہ کی حیثیت رکھتیں۔ سالہا سال یہ سلسلہ جاری رہا ان ہی مجالس میں سے ایک مجلس کا یہ لطیفہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب ایک مرتبہ امیر زیادؓ اپنے صوبہ (عراق) سے دمشق آئے اور زر کثیر نیز جواہر سے مملو ایک صندوقچہ امیر المومنین حضرت

معاویہؓ کو پیش کیا۔ وہ اس سے خوش ہوئے امیر زیاد نے کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں اپنے زیر حکومت علاقہ میں نظم و ضبط قائم کرنے کے سلسلے میں اپنے حسن کارگذاری کا موثر پیرایہ میں تذکرہ کیا۔ امیر موصوف اعلیٰ پایہ مدبر و منتظم ہونے کے علاوہ زبردست خطیب بھی تھے۔ امیر یزیدؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ اس فن ترانی کو سن کران سے نہ رہا گیا۔ امیر زیادؓ کی تقریر کے بعد کھڑے ہوئے اور نہایت جامع الفاظ میں صرف تین فقرے ایسے بلیغ کہے کہ زیاد دیکھتا کے رہ گئے۔ وہ فقرے سنانے سے پہلے ناظرین کو یاد دلاؤں کہ زیاد ابتدا از دفتری خدمات پر مامور رہتے تھے۔ ان کے مادری نسب کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں جن میں سے ایک یہ روایت بھی علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف (ص۱۲۵) میں بزمرہ اولاد حضرت ابو سفیانؓ بعنوان "زیاد بن ابی سفیان رحمتہ اللہ تعالیٰ" بیان کی ہے کہ زیادؓ کی ماں سمیہ نام ایک عجمی کنیز مقام زندرود (ایران) کی رہنے والی وہاں کے شہنشاہ کسریٰ کی جواری میں سے تھی جسے شہنشاہ مذکور نے یمن کے ایک حکمران ابی الخیر بن عمرو الکندی کو ہبہ کر دیا تھا۔ یہ یمنی حکمران جب ایران سے یمن واپس جاتا ہوا طائف سے گذر رہا تھا اتفاقاً بیمار پڑ گیا وہاں کے طبیب الحرث بن کلدہ بن عمرو بن علاج ثقفی کے علاج معالجے سے شفایاب ہوا۔ اس کامیاب علاج کے صلے میں اس نے اس کنیز کو بھی طبیب مذکور کو دے دیا۔ طبیب خود عقیم تھا۔ اس کے غلام سے دو بیٹے ابوبکر نفیع اور نافع ہوئے۔ اول الذکر کو صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اپنے کو مولی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔ ان کے باپ کے فوت ہو جانے پر ان کی ماں سمیّہ کا زمانۂ جاہلیت کے پانچ مروجہ نکاحوں میں سے ایک قسم کا نکاح ابو سفیانؓ سے ہوا جس سے زیاد پیدا ہوئے۔ جاہلیت کے مروجہ نکاحوں میں سے کسی نکاح سے جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب اسلامی شریعت کے مطابق تسلیم کیا جائے گا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ نے اسی اصول کے تحت امیر زیاد کا نسب بعد تحقیقات شرعی تسلیم کیا۔ اور انھیں اپنے والد حضرت ابو سفیانؓ کا بیٹا اور اپنا بھائی سمجھا۔ ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنئے فرماتے ہیں کہ امیر یزیدؒ نے امیر زیاد کو مخاطب کرکے کہا:۔

ان تفعل ذلك یا زیاد! فنحن نقلناك من ولاء ثقیف الی قریش ومن القلم الی المنابر ومن زیاد بن عبید الی حرب بن امیة. فقال معاویة له اجلس فداك ابی وامی۔
(ص ۲۲۳ ج البدایہ والنہایہ)

اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو (تعلّی کیوں کیا) کیوں کہ ہم ہی تو ہیں جنھوں نے تم کو (قبیلہ) ثقیف کی ولاء (تعلق حلیفی و رشتہ) سے ہٹا کر قریش میں ملایا اور قلم (کی قطع گیر اور خدمت کاتب) سے منبر پر (حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا) اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن امیہ کے اخلاف میں شامل کیا (تو پھر تم کیا دون کی لیتے ہو) حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر بیٹے سے کہا۔ بس! بیٹھ جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان

دیکھیے یہ تین فقرے مطالب کے اعتبار سے کتنے جامع و مانع ہیں" من

القلم الی المنابر" گنتی کے چار لفظ ہیں مگر ان سے امیر زیاد کی گویا پوری ہسٹری بیان کردی۔ یہی تو کمال فصاحت و بلاغت ہے" الی الحرب بن امیہ" کہا" ابو سفیانؓ کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے باپ کا لیا۔ جو ابو سفیانؓ سے بلند مرتبت اور اپنے زمانے میں قریش کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انتساب میں ایسی شخصیت کا نام لینا اسلوب بلاغت ہے۔ یہ تین فقرے امیر یزیدؒ نے برجستہ اور فی البدیہہ ایسے کہے کہ لوگ پھڑک اٹھے روح فصاحت میں تازگی دوڑ گئی

کلمات تعزیت ادا کرنے کا یوں تو ہر کسی کو اتفاق ہوتا ہے۔ امیر یزیدؒ نے بھی حضرت حسنؓ کی وفات پر ان کے چچا حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو کلمات تعزیت کہے تھے ان کا ذکر ابتدائی اوراق میں ضمناً آیا ہے۔ وہ بھی تین ہی جملے تھے اور جو بقول علامہ ابن کثیرؒ فصیح و مختصر عبارت میں تھے۔

عزاه بعبارة فصیحة وجیزة شکره علیها ابن عباس۔
(ص ۳۸ ج البدایہ والنہایہ)

(یزیدؒ نے ابن عباسؓ سے) فصیح مگر مختصر عبارت میں تعزیت کی جس پر ابن عباسؓ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

وہ مختصر عبارت ذیل میں درج ہے، لفظ تو معمولی ہیں۔ مگر جو لفظ جہاں آیا ہے گویا نگینے کی طرح ایسے تناسب سے جڑا ہے کہ دوسرا لفظ وہاں نہیں کھپ سکتا۔ معلوم ہے کہ حضرت حسنؓ کی کنیت ابو محمد تھی۔ امیر یزیدؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا تھا:۔

رحم الله ابا محمد اوسع له الرحمة وافسحها واعظم الله اجرك واحسن عزائك وعوضك من مصیبك ما هو

خیرٌ لک ثواباً وخیر عقبیٰ۔"

اسلام میں بہترین خطباء کے نام گناتے ہوئے حضرت سعید بن مسیب نے سب سے پہلے امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ کے نام لئے پھر دو اموی بزرگوں کے نیز عبداللہ بن الزبیرؓ کا، اگرچہ وہ ان کے ہم پایہ نہ تھے۔

(ص ۲۱۱ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

اپنے والد محترم حضرت معاویہؓ کی وفات کا امیر یزیدؒ کو بہت رنج و ملال تھا۔ چہرے سے قلبی اذیت کا صاف اظہار ہو رہا تھا جامع دمشق میں جب امیر المومنین کی حیثیت سے خطبہ دینے آئے حضرت ضحاک بن قیس الفہری، صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو عامل دمشق بھی تھے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر منبر کے پاس ہی آ بیٹھے۔ صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں،

ثم خرج (یزید) وعلیہ اثر الحزن فصعد المنبر واقبل الضحاک فجلس الی جانب المنبر وخاف علیہ الحصر فقال لہ یزید: یا ضحاک، أجئت تعلم بنی عبد شمس الکلام؟

(ج ۲ ص ۱۳۲)

پھر یزیدؒ قصر امارت سے نکل کر (مسجد دمشق) میں آئے ان کے چہرے [illegible] رنج کا اثر تھا جب منبر پر پہنچے [illegible] ضحاک بھی آگے بڑھے اور منبر کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کو خوف ہوا کہ (شدت غم کی وجہ سے شاید) مافی الضمیر پوری طرح ادا نہ کر سکیں (یزیدؒ نے ان کے اس شبہ کا احساس کر کے) ان سے کہا۔ اے ضحاک! کیا آپ بنی عبد شمس کو تقریر سکھانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں؟

پھر تقریر کی جس کے یہ فقرے مؤلفین نے نقل کئے ہیں:-

الحمد للہ الذی ما شاء صنع من شاء اعطی ومن شاء منع ومن شاء خفض ومن شاء رفع ان معاویۃ بن ابی سفیان کان حبلاً من حبال اللہ مدہ ما شاء ان یمدہ ثم قطعہ حین شاء ان یقطعہ فکان دون من قبلہ وخیراً ممن یأتی بعدہ، ولا ازکیہ وقد صار الی ربہ فان یعف عنہ فبرحمتہ وان یعذبہ فبذنبہ وقد ولیت بعدہ الامر ولست اعتذر من جہل ولا آسی عن طلب علم، وعلی رسلکم اذا کرہ اللہ شیئاً غیرہ واذا احب شیئاً لیسرہ۔

(ص ۱۴۳ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ)

سب تعریف اللہ کو ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے منع کرتا ہے جس کو چاہے ذلیل کرے جسے چاہے سربلند کرے معاویہ بن ابی سفیان اللہ کی رسیوں میں سے ایک رسی تھے جب تک چاہا سے دراز کرے دراز کیا پھر جب سے قطع کرنے کا ارادہ کیا قطع کر دیا وہ اپنے قبل والوں سے کم تر اور آئندہ آنے والوں سے بہتر تھے، میں اللہ کی جناب میں ان کا تزکیہ نہیں کر رہا ہوں وہ تو اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جو اگر ان کو معاف کرے تو یہ اس کی رحمت اور اگر سزا دے تو یہ گناہ کا بدلہ ان کے بعد میں اس امر (خلافت) کا ولی بنایا گیا ہوں۔ میں جہل کا عذر نہیں کرتا اور طلب علم سے مایوس نہیں آپ لوگ سنبھل کر رہیں (اور یقین کریں کہ)

اللہ جس چیز کو مکروہ سمجھتا ہے اسے بدلا
دیتا ہے۔ اور جس چیز کو محبوب رکھتا ہو
اسے آسان کر دیتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے تقریر کا آخری جملہ یہ لکھا: "واذا اراد اللّٰہ شیئاً کان" یعنی اللہ تعالیٰ جس بات کا جب ارادہ کرے وہی ہوتی ہے" وہی لکھا ہے کہ لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو ایسے متاثر تھے کہ یزیدؒ پر کسی کو بھی فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے فافترق الناس عنہ وھم لا یفضلون علیہ احداً (ص۲۲۴ ج البدایۃ والنہایۃ)

امیر المومنین کی حیثیت سے ان کا یہ پہلا خطبہ تھا جو لوگوں کے سامنے دیا فخطب الناس اوّل خطبۃ خطبہا وھو امیر المومنین (پس انھوں نے (یزیدؒ نے) لوگوں کے سامنے تقریر کی اور یہ ان کے امیر المومنین ہونے کے بعد پہلا خطبہ تھا ظاہر ہے کہ خطبہ اتنا مختصر تو ہرگز نہ ہوگا جو ان چند جملوں ہی پر مشتمل ہو لیکن دیکھئے یہ چند جملے بھی موقع و محل کے اعتبار سے کیسے فصیح و بلیغ و جامع ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا سیدھے سادے الفاظ میں ذکر ہے۔ اور یہ ذکر بھی ایک امیر المومنین کی وفات اور دوسرے کے تقرر کی مناسبت سے کس موثر پیرایہ میں کیا ہے نہ کسی کی ستائش ہے نہ کسی مزعومہ "حق" کا اشارہ۔ امیر یزیدؒ اپنے خطبات میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی آیات و رکوع و سور میں تلاوت کرتے اور فرماتے "ان احسن الحدیث وابلغ الموعظۃ کتاب اللّٰہ" ص۲۶۸ ج العقد الفرید)

بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے" تقریر کے ان جملوں میں بھی بار بار کلام اللہ کی تعلیم کا رنگ جھلکتا ہے۔ انتخاب و بیعت خلافت کے سلسلے میں کیسے غلط اور بے اصل اقوال ان سے اور ان کے محترم والد ماجد حضرت معاویہؓ سے منسوب کر کے ان کی تقریروں اور تحریروں کو مسخ کیا گیا ہے۔ خاص کر حضرت معاویہؓ کی اس وصیت کو جو اپنے آخر وقت انھوں نے اپنے لائق فرزند کو ان کے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں کی تھی۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اس کو نقل کیا ہے جس کے عربی متن کو بخوف طوالت ترک کر کے ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ "قال معاویہ لیزید وھو یوصیہ عند الموت (حضرت معاویہؓ نے یزید سے کہا اور وہ اپنی موت کے وقت اس کو یہ وصیت کر رہے تھے"

اے یزید! اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا یہ امر (خلافت) تمھیں تفویض ہوا ہے اور تم اب اس کام کے بااختیار ہو جس کا میں تھا۔ تم نے اگر اس کو خوش اسلوبی سے انجام دیا مجھے اس سے بڑی خوشی ہوگی اور اگر اس کے خلاف کیا تو دکھ ہوگا۔ دیکھو لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ ان کی طرف سے اگر تکلیف دہ باتیں یا ایسی باتیں پہنچیں جن سے تمہاری تنقیص ہوتی ہو تو ان باتوں سے اغماض برتنا اس طرز عمل سے تمھیں چین ملے گا اور تمھارے حق میں رعایا کی، صلاح ہو جائے گی۔ خبردار جھگڑے کی باتیں یا غصہ کرنے سے الگ رہنا ورنہ تمھیں اور تمھاری رعایا دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ خبردار اہل شرف اور اچھے لوگوں کا لحاظ رکھنا ان کی توہین نہ

کرنا۔ ان کے ساتھ تکبر سے پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی کا برتاؤ کرنا مگر اتنی نرمی بھی نہ برتنا کہ لوگ اسے کمزوری و بیچارگی پر محمول کرنے لگیں۔ دربار میں انھیں مقرب نہ ہونے دینا، ان سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرنا تاکہ وہ تمھارا استحقاق پہچان لیں۔ ان کے حقوق نہ چھیننا اور نہ ان میں کمی کرنا ورنہ وہ تمھارے حق سے انکار کرنے اور اس میں کمی کرنے کے درپے ہو جائیں گے۔ اور تمھارے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے، کسی کام کا جب ارادہ کرو نیک اور متقی لوگوں میں جو تجربہ کار اور مسن اشخاص ہوں مشورے کے لئے بلانا ان کی جو رائے قائم ہو اس کی مخالفت نہ کرنا۔ ہاں خبردار اپنی رائے پر اڑ نہ جانا اور بیجا اصرار نہ کرنا کیونکہ اکیلے ایک شخص کی رائے کافی نہیں ہوتی جس بات سے تم کو قوت ہو اور اس کے بارے میں کوئی شخص صحیح مشورہ دے اس کی تصدیق کرنا، ان امور کو اپنی عورتوں اور خادموں سے پوشیدہ رکھنا۔ اپنے اسرار کی حفاظت کرنا اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہنا اس سے تمھارے حق میں لوگوں کی خود اصلاح ہو جائے گی، انھیں تم پر انگلیاں اٹھانے کا کوئی موقع نہ دینا کیونکہ لوگ عیب جوئی کرنے میں بہت جلد باز ہوتے ہیں۔

نماز میں ہمیشہ حاضر رہنا۔ میری ان وصیتوں پر تم نے عمل کیا تو لوگ تمہارے حق اچھی طرح مان لیں گے تمہاری حکومت عظیم تر ہو جائے گی اور لوگوں کی نگاہوں میں تمہارا وقار اور عظمت بڑھ جائیگی۔

دیکھو مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے عزو شرف کو پہچاننا کیونکہ وہی تمہاری اصل اور تمہاری برادری کے لوگ ہیں، اہل شام کی توقیر کا تحفظ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارے طاعت گذار ہیں۔ دوسرے علاقوں کے لوگوں کو ایسے فرامین و تحریرات بھیجتے رہنا جن میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کا عہد کیا گیا ہو، کیوں کہ اس سے ان کی امیدیں بڑھ جائیں گی۔ جب مختلف علاقوں کے وفود تمھارے پاس آئیں ان سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آتے ہیں

بدگویوں اور چغلخوروں کی باتوں پر ہرگز دھیان نہ دینا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ یہ لوگ برے مشیر ہوتے ہیں

البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۹ — ۲۳۰

مرنے والے خلیفہ کی زبان سے یہ یا اس قسم کی نصیحتیں اپنے جانشین اور اس فرزند کے لیے بیشک ادا ہو سکتی تھیں جس نے کم و بیش دس سال تک ... ولیعہد کی حیثیت سے مملکت اسلامی کے نظم و نسق کا عملی تجربہ حاصل کیا تھا۔ لیکن وضاعین نے ان کے برخلاف جو روایتیں وضع کیں ان میں ان وصایا اور نصائح کا تو ایک لفظ بھی نہیں ہے البتہ حضرت معاویہؓ کے منہ سے ایسے کلمات ادا کرائے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ انھوں نے محض محبت پدری سے نااہل بیٹے کو جانشین بنایا۔ اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اور اسے بتایا کہ فلاں فلاں اشخاص تمہاری مخالفت کرائیں گے ان میں سے فلاں فلاں سے یہ برتاؤ کرنا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد

اور وضعی ہیں جن کی تکذیب ان واقعات سے بخوبی ہو جاتی ہے جو ان اوراق میں آپ ملاحظہ کر رہے ہیں

شاعری اہل عرب کے خصائص اور فضائل کے رمز شناس جانتے ہیں کہ خطابت اور شاعری کو ان کے یہاں کیسا بلند مرتبہ حاصل تھا امیر یزید کو مبداء فیاض سے خطابت کے ساتھ شعر گوئی اور سخن سرائی کا بھی وھبی عطیہ مرحمت ہوا تھا۔ ان کا کلام نہایت قلیل و نایاب ہے، کذابین نے دیگر لغو بہتان تراشیوں کے ساتھ چند ایسے اشعار بھی منسوب کر دیے ہیں جن میں صریحا کفریات اور خرافات بکی گئی ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بعض روافض نے یہ شعر بھی امیر موصوف سے منسوب کیا ہے ؎

لعبت هاشم بالملك فلا ملك جاءه ولا وحی نزل

کسی کلمہ گو پر یہ اتہام کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا بھی منکر تھا احمقانہ اتہام ہے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ شعر یزید کا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت اور اگر اس کا نہیں ہے اور بدگویوں نے اس کی رسوائی اور فضیحت کی غرض سے منسوب کر دیا ہے تو منسوب کرنے اور وضع کرنیوالوں پر لعنت فلعنة الله على من وضعه عليه يشنع به عليه (پس اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ ان پر جڑا تاکہ اس سے ان کی رسوائی ہو) ص ۲۲۴ ج

صاحب کشف الظنون دیوان یزید بن معاویہؓ کے تحت لکھتے ہیں:۔

اول من جمعه ابو عبد الله محمد بن عمران المرزبانی البغدادی وهو

(دیوان یزید کو سب سے اول ابو عبد اللہ محمد بن عمر المرزبانی بغدادی نے جمع کیا وہ بہت

صغير الحجم فی ثلاث کراريس وقد جمعه من بعده جماعة وزادوا فيه اشياء ليست له وشعره بين مع قلته فی نهاية الحسن وميزت الابيات التی له من الابيات ليست له وظهرت لكل صاحب البيت۔

چھوٹے حجم کا تین ورق کا تھا ان کے بعد ایک جماعت نے جمع کیا۔ اور اس میں ایسی چیزیں اضافہ کر دیں جو یزید سے نہیں کہیں، لیکن یزید کے اشعار باوجود قلت کے نہایت درجہ حسن و خوبی کے ہیں۔ اور میں نے ان ابیات میں جو ان کی کہی ہوئی ہیں اور ان میں جو ان کی کہی ہوئی نہیں ہیں، امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اور جس جس کا جو شعر ہے اس کا نام معلوم کر لیا ہے۔

(ص ۸۲۰ ج ۱ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۶۰ھ)

متعدد مولفین کتب تاریخ و سیر و ادبیات نے متفرق اشعار لکھے ہیں، جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ امیر یزیدؒ کے ہیں کہ نہیں البتہ باغیان مدینہ کی تنبیہ کے لئے جو قطعہ اشعار ناظرین کتب ابتدائی اوراق میں ملاحظہ کر چکے وہ نیز حضرت معاویہؓ کی وفات پر جو مرثیہ کہا ہے یقیناً ان ہی کا ہے۔ بلاذری نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ذیل میں مع ترجمہ کے درج ہیں۔ امیر یزید رح فرماتے ہیں:۔

وساع يجمع الاموال جمعا ليورثها اعاديه شقاعا

کتنے کوشش کرنے والے مال جمع کرتے رہتے تاکہ اس کا وارث بدبختی سے اپنے دشمنوں کو بنا دیں

وکم ساع ليثری لم ينله تاخر ما سعى نال الثراء

اور کتنے اس کی کوشش کرنے والے کہ بہت مال پیدا کرلیں ناکام رہے

دوسرا جس نے کچھ) کوشش نہیں کی مال کثیر پاگیا۔

وَمَنْ يَسْتَعْتِبِ الْحَدَثَانَ يَوْمًا

اور جس نے کسی دن (بھی) حوادث زمانہ سے آزردگی حاصل کی

يَكُنْ ذَاكَ الْعِتَابُ لَهُ عَنَاءًا

اس کے لئے اس کا یہ عتاب ایک مصیبت بن کر رہے گا۔

لَشَرُّ النَّاسِ عَبْدٌ وَابْنُ عَبْدٍ

بدترین الشان غلام ہے اور غلام زادہ

وَأَلْأَمُ مَنْ مَشَى مَوْلَى الْمَوَالِي

اور سب سے زیادہ دکھ محسوس کرنیوالا آزادکردہ غلاموں کا سابق آقا ہے

أَعْصِ الْعَوَاذِلَ وَارْمِ اللَّيْلَ عَنْ عُرُضٍ

ملامت کرنے والوں کی بات نہ مان اور ایسے گھوڑے پر رات گذار دے

بِذِي سَبِيبٍ يُقَاسِي لَيْلَهُ خَبَبًا

جو گردن پر لمبے بال رکھتا ہے۔ اور رات کی تکلیفیں دُلکی چال کے ذریعہ جھیل لیتا ہے

أَقَبَّ لَمْ يَنْقُبِ الْبَيْطَارُ سُرَّتَهُ

چھریرے بدن کا گھوڑا جس کی ناف کو بیطار نے نہیں کاٹا (یعنی وہ گھر میں پیدا نہیں ہوا)

وَلَمْ يُدَاجِهِ وَلَمْ يَرْقُمْ لَهُ عَصَبًا

اور نہ اس کی گردن پر نشتر لگایا ہو اور نہ اس کے پٹھے پر کوئی نشان لگا ہے (یعنی پرانا نہیں بالکل نیا ہے)

حَتَّى يُثَمِّرَ مَالًا أَوْ يُقَالَ فَتًى

اس امید پر کہ بہت مال تھوڑے یا (کم سے کم)

لَاقَى الَّتِي تَشْعَبُ الْفِتْيَانَ فَانْشَعَبَا

ایک لاحق ہے اس (جیسے شراب) سے ملاقات

جوانمرد کہلائے

سے ملاقات کی جو جوانمردوں کو ہلاک کردیتی ہے تو وہ آخرکار ہلاک ہو کر رہا۔

لَاخَيْرَ عِنْدَ فَتًى أَوْدَتْ مُرُوءَتُهُ

جس جوان کی مروت پژمردہ ہوگئی اس میں کچھ بھلائی نہ رہی

يُعْطِي الْمَقَادَةَ مَنْ لَا يُحْسِنُ الْجُنَبَا

جو زمانہ دہی کا فرض بہتر طریقے سے ادا نہیں کرسکتا اس کو دوسروں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔

کلام موعظت نظام

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا چند شعر کتاب انساب الاشراف[1] بلاذری سے برسبیل تذکرہ نقل کئے گئے ہیں ورنہ دیوان یزیدؒ کے قلمی[1] اور مطبوعہ نسخوں میں نصائح و مواعظت کے اچھے اچھے اشعار ملتے ہیں جن کا انتخاب دوسری کتاب میں پیش کیا گیا ہے منظوم کلام کے علاوہ بعض مؤلفین نے امیر موصوف کے چند اقوال پند و نصائح کے نقل کئے ہیں ان میں سے دو ایک اقوال یہاں درج کرنا بے محل نہ ہوں گے۔ قاضی ابوبکر بن العربی[2]

---

[1] مثلاً خدابخش خان لائبریری پٹنہ میں اس دیوان کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں پند و نصائح کے اچھے اشعار ہیں۔

[2] قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن العربی المعافری ملک اندلس کے مشہور مقام اشبیلیہ کے ایک علمی گھرانے میں شعبان ۴۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور عنفوان شباب میں تحصیل علم کی دھن میں وطن سے نکلے۔ الجیریا، مراکش، مصر، شرق اردن، بیت المقدس دمشق و حجاز و عراق (بغداد) کے نامور علماء و شیوخ فن سے اکتساب فیض کرتے رہے۔ چند سال حجۃ الاسلام

متوفی ۵۴۳ھ نے جو حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالیؒ کے خلیفہ اور شاگرد

(بقیہ نوٹ صـــ کا) امام غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ کی صحبت میں رہ کر فیوض علیہ سے بہرہ ور ہوئے تقریباً بیس سال ممالک اسلامیہ کے اساطین علم و فن سے کسب فیض کر کے وطن کو لوٹے۔ قاضی ابو بکر ابن العربی آئمۃ المسلمین اور فقہائے مالکی میں سے تھے اور قاضی عیاض مولف کتاب الشفاء کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی تصنیفات کی تعداد (۳۵) ہے جو بیشتر تفسیر و حدیث و اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تفسیر انوار الفجر فی تفسیر القرآن جو بیس سال کی مدت میں مکمل ہوئی اسی ہزار ورق (ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر محیط نوے جلدوں میں تھی اور آٹھویں صدی ہجری تک سلطان مراکش کے خزانہ میں موجود تھی۔ قاضی صاحب کی تصانیف میں سے العواصم من القواصم فی تحقیق مواقف الصحابۃ بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے۔ اس کتاب کا حوالہ مورخ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں ولایت العہد کی بحث کے سلسلے میں دیا ہے (ص ۲۱۷ مطبوعہ مصر) قاضی موصوف نے اپنی اس تالیف میں اکاذیب کی پوری قلعی کھولی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کے مواقف اور مشاجرت کے بارے میں وضع ہوئے۔ حضرت حسینؓ اور امیر یزیدؒ کے واقعات کے سلسلے میں حضرت حسینؓ کے اقدام کے متعلق لکھا ہے:-

ولکنہ رضی اللہ عنہ لم تقبل نصیحۃ اعلم اھل زمان ابن عباسؓ وعدل عن رائے شیخ الصحابۃ ابن عمرؓ (ص ۲۳۲)	(لیکن انہوں نے (حسینؓ نے) اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم ابن عباسؓ کی نصیحت قبول نہ کی اور شیخ صحابہ ابن عمرؓ کی رائے سے انحراف کیا)

مجھے امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد[1] کے حوالے سے امیر المومنین یزیدؒ کے ایک خطبے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ امیر موصوف فرماتے ہیں:-

اذا مرض احدکم مرضاً فاشفی ثم تماثل فلینظر الی افضل عمل عندہ فلیلزمہ ولینظر الی اسوا عمل عندہ فلیدعہ (ص ۲۳۳ کتاب العواصم من القواصم)	تم میں سے جب کوئی کسی مرض سے بیمار پڑ جائے اور پھر شفا پا کر صحت یاب ہونے لگے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ اس نے کون سا اچھا عمل کیا تھا کہ اس پر مداومت کرے پھر یہ سوچے کہ کونسا برا عمل اس نے کیا تھا اسے ترک کر دے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے اس کلام موعظت التضام کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں جیسا کہ ضمناً پہلے ذکر ہو چکا، اس مقام پر نقل کیا ہے جہاں صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے متقین کے خطبات و مواعظت و اقوال

---

[1] امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب زہد کا جو نسخہ طبع ہوا ہے وہ اصل نسخے سے [illegible] ہے امام موصوف کی مسند بہت کبیر الحجم ہے اور کتاب زہد بھی مسند کی ضخامت کے [illegible] کی تھی۔ صاحب التجلیل لمنفعۃ کتاب الزہد کے بارے میں فرماتے ہیں: "فانہ کتاب کبیر یکون فی قدر ثلث المسند مع کبر المسند و فیہ من الاحادیث والآثار مما لیس فی المسند شیئی کثیر [illegible] الکتاب [illegible] مطبوعہ نسخے سے ایک حصہ علیحدہ کر دیا گیا ہے جو مربی نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ و امیر المومنین یزیدؒ کے [illegible] جو اور [illegible] تھے یا دیگر بنی امیہ کے متعلق وہ [illegible] کر دیئے گئے ہیں پھر بھی چند آثار ان کے موجودہ اوراق میں بھی کہیں نہ کہیں باقی رہ گئے ہیں۔

نقل کئے ہیں جن کی زہد و ورع میں پیروی کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امیر المومنین یزیدؒ کی عظیم منزلت تھی کہ ان کے خطبے سے التقاط کر کے اس قول کو اس مقام پر نقل کیا اور ان کو طبقہ زہاد صحابہ و تابعین میں داخل کیا "یدخله فی جملة الزهاد من الصحابة والتابعین الذین یقتدی بقولهم و یرعوی من وعظهم (ص۲۳۳ ایضاً)

امیر یزیدؒ کے کلام کا بہت قلیل حصہ دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تاہم کہیں کہیں ان کے حکیمانہ اقوال کتب تاریخ و سیر و رجال میں مل ہی جاتے ہیں بلاذری نے ایک موقع پر یہ حکیمانہ مقولہ درج کیا ہے۔ امیر یزیدؒ فرماتے ہیں:

حفظ الندیم والجلیس واکرامهما من کرم الخلیفة وقضاء حق النعمة۔	ندیم و جلیس کا تحفظ اور اس کی عزت و توقیر کرنا خلیفہ کے کرم اور نعمت کے شکر کے ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ص۲ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ذکر ہو چکا کہ حضرت ابو درداء جیسے عالم و زاہد صحابی سے ابتدائے عمر میں مانوس تھے ان کو فقہا اعلما میں کہکر ان کے فیض صحبت کے بارے میں یہ قول منقول ہے۔ ان ابا الدرداء من الفقهاء العلماء الذین یشفون من الداء (کتاب الجرح والتعدیل الرازی)

حلم و کرم

ابتدائی اوراق میں بعض ثقہ مورخین کی تحریرات کے جو اقتباسات آپ نے ملاحظہ کئے ان سے معلوم ہوا کہ امیر المومنین

یزیدؒ کس درجہ حلیم و کریم تھے الولد سر لابیه اپنے والد محترم کی پاکیزہ سیرت سے یہ اوصاف ارثاً بھی ملے تھے اور ان کی مجلس اور صحبت میں بالالتزام رہنے سے اکتساباً بھی حاصل ہوئے تھے وکان یزید یحدث نفسه بالتزامها حضرت معاویہؓ کے حلم و کرم کے واقعات تو سب ہی نے لکھے ہیں خواہ وہ مخالف و معاند ہوں یا موافق و آزاد نگار۔ ایک مخالف نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی انصاری کو عطیے کی جو رقم دی گئی وہ ان کی نظر میں نہ صرف قلیل تھی بلکہ ان کے شایان شان بھی نہ تھی وہ اتنے برہم ہوے کہ اپنے بیٹے کو قسم دلا کر کہا کہ جاؤ ان درہموں کو لیجا کر معاویہؓ کے منہ پر مار دو۔ تابعی لڑکا بیٹا گیا اور حضرت معاویہؓ سے سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت ممدوح نے فرمایا تم کو اپنے باپ کا حکم اور اپنی قسم پوری کرنی چاہئے۔ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہوں مگر ذرا زور سے نہ مارنا۔ امیر یزیدؒ نے اپنے والد محترم سے عرض کی کہ اس طرح تو لوگ ہم کو بزدل اور ذلیل سمجھیں گے حضرت معاویہؓ نے فرمایا" اے فرزند عزیز! حلم و بردباری کے عمل سے نہ کبھی ذلت ہوتی ہے نہ سبکی مخالف رام ہوتا ہے اور معاند کی زبان گنگ

امیر یزیدؒ کے حالات زندگی میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے اس ارشاد پر ہمیشہ عمل کیا، حلم و کرم کے ساتھ مخالفین اور معترضوں سے درگذر اور معافی سے پیش آتے رہے مورخ المدائنی نے لکھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن حسان ایک مرتبہ امیر المومنین یزیدؒ کے پاس آئے۔ انھوں نے ان کے حسب توقع ان کی خاطر و مدارت نہیں کی۔

اس پر انھوں نے ہجو میں کچھ اشعار کہے۔ امیر یزیدؒ کے اعیان میں سے حصین بن نمیر یا مسلم بن عقبہ نے کہا۔

اقتله فان حلم امیرالمؤمنین معاویة جرّ الناس علیکم فقال جفوناه و حرمناه فاستحققنا ذالك منه فبعث الیه بثلاثین الف درھم فمدحه۔
(ص۱۱ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

آپ ان کو قتل کر دیجیے کیونکہ امیر المومنین معاویہؓ کے حلم نے لوگوں کو آپ پر بہت جری کر دیا ہے۔ (امیر المومنین یزیدؒ نے) فرمایا ہم نے ان کے ساتھ خشکی برتی تھی اور محروم رکھا تھا اس لئے (اس ہجو کے) ہم مستحق ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں تیس ہزار درہم بھیجے تو انھوں نے ان کی مدح کی۔

ایک اور واقعہ بھی مورخ ابوالحسن المدائنی سے منقول ہے کہ ایک شاعر ابن ہمّام السلولی نے اپنے قصیدے میں بنی اُمیّہ کی دشمنی میں یہ شعر بھی کہا تھا

حُشِّینا الغیظ حَتّی لو شربنا ۔۔۔ دِماءَ بنی اُمَیَّةَ ما رویناً

ہم پر اتنا غیظ و غضب سوار ہے کہ ۔۔۔ اگر بنی امیہ کا خون بھی پی جائیں تو تسکین نہ ہو

یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت خلافت کے چند دن بعد ہی کا ہے۔ امیر المومنین نے یہ حال معلوم ہوتے ہی ابن ہمام کی حاضری کے لئے عامل بصرہ کو حکم دیا چنانچہ عامل مذکور (ابن زیاد) نے گرفتار کر کے مالک نام ایک ضامن کی ضمانت پر اس شرط سے رہا کر دیا کہ امیر المومنین کے حضور میں پیش ہو۔ شاعر حاضر ہوا۔

وقدم علی یزید فعزاه عن معاویة وھنّاه بالخلافة واتی ابنه معاویة فاستجار به فآمنه وصفح عنه وکتب الی ابن زیاد یامره ان لا یتعرض له واوصاه به

(ابن ہمام امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حاضر ہوئے (حضرت) معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کی اور خلافت کی مبارکباد دی اور ان کے صاحبزادے معاویہؒ (بن یزید بن معاویہؓ) کی خدمت میں جا کر ان سے امان طلب کی ان کی سفارش پر ان کو معاف کر دیا گیا اور ابن زیاد کو حکم بھیج دیا کہ اب ابن ہمام سے تعرض نہ کیا جائے۔

(ص ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

ابن ہمام نے ۱۲ شعر کا ایک اور قصیدہ کہا جس میں ابن زیاد کو مخاطب کر کے ان و تعات اور امیر المومنین یزیدؒ کے حلم و کرم کا ذکر کرتے ہوئے ان کو ان کے منصب "امام و خلیفہ" سے یاد کیا ہے۔ چنانچہ آخر شعر اس قصیدے کا ہے:-

وقد شعر النّاسُ عندلاما ۔۔۔ م اَنّی عَدُوٌّ لِلاَحد اشکا

اسی وقت ثقفی قبیلے کے ایک ممتاز شخص امیر المومنین یزیدؒ کے پاس حضرت معاویہؓ کی وفات پر تعزیت کرنے اور خلافت کی مبارکباد دینے آئے اور عرض کیا:-

اصبحت یا امیر المومنین فارقت الخلیفة واعطیت الخلافة فاجرك الله عظیم الرزیة ورزقك الشکر

اے امیر المومنین خلیفہ مرحوم سے آپ کی جدائی ہو گئی اور خلافت آپ کو مل گئی پہلی مصیبت پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے

علی حسن العطیۃ (ﷺ ایضاً) — اور دوسری نعمت پر شکر کی توفیق

ابن ہمام بھی اس وقت موجود تھے انھوں نے اس مضمون کو فی البدیہہ ذیل کے اشعار میں نظم کردیا۔

اِصبر یزیدُ فقد فارقتَ ذَا ثِقَتِہٖ	وَاشکُر عطاءَ الَّذِی بالملکِ اَصفاکا
اے یزید صبر کرو کیونکہ ان سے تمھاری جدائی ہوگئی جو دین میں بہت مرتبے والے تھے	اور اس عطیے پر شکر کرو کہ ملک (حکومت) دے کر خدا نے تمہیں برگزیدہ کیا
اَصبحتَ لَا رُزءَ فی الاقوام نَعلَمُہٗ	کما رُزِئتَ وَلَا عُقبیٰ کعقباکا
جو مصیبت تم پر پڑی ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی قوم پر نہیں پڑی	اور امید رکھتے ہیں کہ تم کو اجر بھی ایسا ملے گا جو کسی کو نہ ملے گا۔
اُعطیتَ طاعۃَ اَھلِ الاَرضِ کُلّھِم	فانتَ ترعاھُم وَاللّٰہُ یرعاکا
آپ کو تمام اہل زمین کی اطاعت حاصل ہوگئی۔	تو آپ ان کی نگہبانی کرتے ہیں اور اللہ آپ کا نگہبان ہے
وفی مُعاویۃَ السّاقی لَنا خَلَفٌ	اذا نُعیتَ وَلا نَسمع بمنعاکا
اور آپ کے بعد معاویہ (فرزند یزیدؒ) اچھے خلف ثابت ہوں گے	لیکن خدا کرے ہمیں آپ کی وفات کی خبر نہ سننی پڑے

ان ہی اوصاف حلم وکرم و معافی و درگذر کا نتیجہ تھا کہ ایک ہجو گو معاند مداح و ثنا خواں ہوگیا۔ الغرض والد محترم کی تربیت نے اس ذہین فرزند کی فطری صلاحیتوں کو سنوارا اور خیر القرون کے بقیہ صحابہ وتابعین کی مجلسوں اور صحبتوں کے ماحول کے اثرات نے امیر یزیدؒ کی

سیرت میں وہ پاکیزگی پیدا کی کہ غیر مسلم ہمعصر مورخ بھی ان کے حلم وکرم رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے معترف ہیں۔ جیسا ایک رومی مورخ نے بتایا ہے کہ امیر یزیدؒ پبلک اور عوام کے کس درجہ محبوب تھے

یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری

یہ اس رحمدلی اور دیگر صفات حسنہ کے فطری جذبہ کا اثر تھا کہ امیر یزیدؒ نوعمری ہی سے یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور خبر گیری پر مستعد رہتے۔ یوں تو سب ہی یتیموں کی خدمت اور خبر گیری کی جاتی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب میں اس اموی نوجوان کو جو عقیدت بدو شعور سے تھی اس کا اظہار دیگر واقعات کے علاوہ جن کا ضمناً اشارہ ہوچکا اس امر واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت موصوف کے خاندان بنی عدی کے یتیموں کو لاکر اپنے مکان میں رکھا۔ ان کی خبر گیری و خدمت اپنی ذات پہ لازم کرلی اپنی جیب خرچ کی رقم اس کار خیر میں صرف کرنے ایک مرتبہ انھوں نے اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ بنی عدی و بنی سہم و بنی جمح کے یتامی کی پرورش کے لئے رقوم وظائف معین فرمائیں۔ اس درخواست پر جو گفتگو باپ بیٹے میں ہوئی علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے:۔

فقال (معاویۃؓ) مالک ولایتام بنی عدی؟	(حضرت معاویہ نے کہا) بنی عدی کے یتیموں سے تمہیں کیا تعلق۔؟
فقال (یزید) لانہم حالفونی وانتقلوا الی داری۔	یزید نے کہا: انہوں نے مجھ سے حلیفی کا تعلق کرلیا ہے اور میرے گھر میں منتقل ہوگئے ہیں

فقال معاویۃؓ قد فعلتُ ذٰلک	حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں
وقبّل وجہہ	یہ سب باتیں منظور ہیں، پھر یزید کی
(ﷺ البدایۃ والنہایۃ)	پیشانی کو بوسہ دیا

واضح رہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے خاندان بنی عدی کے علاوہ جن دو اور خاندانوں کے یتیموں کے وظائف کا ذکر یزیدؒ نے اپنی درخواست میں کیا تھا ان میں بنی سہم حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کا خاندان تھا۔ جس میں متعدد مہاجرین حبشہ (سابقون اولون) بدری صحابہ اور ان مجاہدین کے گھرانے شامل تھے جنہوں نے اجنادین یمامہ اور شام کے زبردست معرکہائے جہاد میں شریک ہو کر جام شہادت حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اسی طرح بنی جمح میں بھی متعدد بدری صحابہ و مہاجرین حبشہ خصوصاً حضرت عثمان و قدامہ و عبداللہ و سائب ابنائے حضرت مظعون بن حبیبؓ جیسے صحابیوں کے گھرانے نیز حضرت ابو محذورہؓ کا گھرانا بھی تھا۔ حضرت ابو محذورہؓ مسجد الحرام کے موذن تھے اور عہد نبوی کے بعد بھی یہ خدمت ان ہی کے ابناء و احفاد میں متوارث رہی یہ تینوں خاندان حلف المطیبین میں شامل تھے ایسے ممتاز خاندانوں کے یتامٰی کی خدمت کا جذبہ امیر یزیدؒ کی حساس طبیعت میں رقت و ہمدردی کے جن جذبات سے نوعمری میں پیدا ہوا تھا تقریباً ان ہی جیسے تاثرات نے زمانۂ شباب میں ان مجاہدین و شہداء و صحابہ کرام کی عظیم ترین جہادی سرگرمیوں کی قدر و عظمت اور فداکارانہ خدمات دینی کی تاسی و پیروی کے لئے خود ان کو مجاہدانہ اقدامات کی غرض سے تیغ بکف میدان جہاد میں

لا کھڑا کیا۔

حرارت دینیہ و خدمات ملیہ

امیر یزیدؒ نے جس زمانے میں شعور کی آنکھیں کھولیں وہ زمانہ زبردست اسلامی فتوحات کا زمانہ تھا۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کے فرسودہ و غیر صالح نظام کے بجائے صالح و عادلانہ نظام قائم کرنے کے جذبہ سے بھرپور نوجوان غازیان عرب کا سیل رواں یوں بیکراں تھا کہ ع: "تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا"۔ مورخین کا متفق بیان ہے کہ امیر المومنین معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کے خلاف ۱۶ مرتبہ غزوات اور جہاد کئے۔

فاغزا معاویۃ ارض الروم ست عشرۃ غزوۃ تذھب سریۃ فی الصیف ویُشتّوا بارض الروم۔	حضرت معاویہؓ نے رومی (عیسائیوں) کے علاقہ پر ۱۶ مرتبہ جہاد کئے گرمیوں اور سردیوں میں (جداگانہ) عسکری مہمیں بھیجا کرتے تھے۔

(ص۱۳۳ ج البدایۃ والنہایۃ)

امیر یزیدؒ جیسے پرجوش قریشی نوجوان کو زمانۂ شباب میں جہادی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی تڑپ بے چین کئے ہوئے تھی آخرکار اپنے والد محترم سے درخواست کی کہ گرمیوں کی عسکری مہم میں مجھے تعینات کریں۔

توسینی الحام الصائفۃ المسلمین۔	اس سال کی عسکری مہم مسلمانان پر مجھے تعینات کیا جائے۔

(ص۲۲۷ ج البدایۃ والنہایۃ)

امیرالمومنین حضرت معاویہؓ نے رومی عیسائیوں کی سیاسی قوت کے استیصال کے لئے اسلامی مجاہدین کی دو افواج تیار کی تھیں۔ سردیوں کی فوج شواتی کہلاتی تھی اور گرمیوں کی "صوائف" ابتدائی اوراق میں جہاں قسطنطنیہ کا ذکر تفصیلاً آچکا ہے اس جہاد کی مہم "صوائف" کی قیادت جیوش امیر یزیدؒ کر رہے تھے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے وفات پاجانے پر ان کی حسب وصیت جب فصیل قسطنطنیہ کے نیچے ان کو دفن کیا ہے قیصر نے یہ دیکھ کر اور امیر یزیدؒ کے پاس پیغامبر بھیج کر حال معلوم کرنا چاہا تھا۔

فارسل الی یزید: ماھذالذی اری؟

قیصر روم نے یزیدؒ کے پاس (پیغام) بھیجا کہ یہ کیا کر رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

قال: صاحب نبینا وقد سالنا ان نقدمہ فی بلادك و نحن منفذ ون وصیة اوتلحق ارواحنا باللہ۔

(ص۳۳۳ ج۲ عقد الفرید مطبوعہ مصر)

یزید نے جواب دیا یہ ہمارے نبیؐ کے صحابیؓ کا جنازہ ہے۔ انھوں نے تمہارے ملک کے اندر لیجا کر دفن کرنے کی خواہش کی تھی۔ اب ہم ان کی وصیت کی تعمیل کر رہے ہیں (اگر تم مانع ہوئے تو ہم دفن ضرور کریں گے) خواہ ہم کو اپنی جانیں اس میں دے دینی پڑیں۔

روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امیر یزیدؒ کی یہ بات سنکر قیصر کے منہ جیسے ہی یہ لفظ خباثت آمیز نکلے ہیں کہ تم لوگ جب یہاں سے لوٹ کر جاؤ

گے یہ نعش نکال کر کتوں کو دے دیں گے۔ (فاذا ولیت اخرجناہ الی الکلاب) میزبان اور صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش کی بے حرمتی کے متعلق امیر یزیدؒ کی حمیت دینی کو قیصر کے یہ لفظ سننے اور برداشت کرنے کی تاب کہاں تھی۔ بجلی کی طرح رومیوں کے ہجوم کی طرف پیچھے پیچھے غازیان عرب کا فوجی دستہ لپکا، اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ایسا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کو قلعہ بند ہو جانا پڑا۔ قلعہ کے دروازے پر پہنچکر امیر یزیدؒ نے لوہے کے گرز سے جو اس وقت ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس زور سے ضربیں لگائیں کہ کئی جگہ شگاف پڑ گئے۔ اغانی جیسے غالی مولف نے بھی لکھا ہے:-

ثم کف العسکر وحمل حتی ھزم الروم فاحجرھم فی المدینة وضرب باب القسطنطنیة بعمود حدید کان فی یدہ فھشمہ حتی انخرق۔

(ص۳۳ ج۱۶ اغانی)

پھر یزیدؒ فوج کو ادھر پھیر کر (رومیوں پر) حملہ کرنے کو گئے یہاں تک کہ رومیوں کو منہزم کر کے شہر کے اندر محصور کر دیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر لوہے کے گرز سے جو ان کے ہاتھ میں تھا ضربیں لگائیں کہ (جگہ جگہ سے) پھٹ گیا

باب قسطنطنیہ پر امیر یزیدؒ کے اس حملہ کی تائید مزید علامہ ابن کثیرؒ کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ جہاں انھوں نے حضرت معاویہؓ کے زمانے خلافت میں امیر یزیدؒ کے قسطنطنیہ کے دروازے پر رومیوں سے قتال کرنے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

وکان فی جملۃ من اعتزی ابنہ یزید ومعہ خلق من الصحابۃ فجاز بھم الخلیج وقاتلوا اھل القسطنطنیۃ علی بابھا۔

(ص ۱۳۳ ج ۳ البدایۃ والنہایۃ)

اور ان غازیوں میں جنہوں نے ان کے (معاویہؓ کے) زمانے میں جہاد کئے تھے ان کے فرزند یزید بھی تھے جن کے ساتھ صحابہ کی جماعت تھی۔ جو خلیج پار کرکے پہنچے اور قسطنطنیہ کے دروازہ پر شہریوں سے قتال کیا۔

رومیوں کو شکست دینے کے بعد امیر یزیدؒ نے قیصر روم کو للکارا اور کہا:۔

لئن بلغنی انہ نبش من قبرہ او مثل بہ لا ترکت بارض العرب نصرانیا الا قتلتہ ولا کنیسۃ الا ھدمتھا۔

(ص ۱۳۳ ج ۳ العقد الفرید)

کہ مجھکو یہ خبر پہنچی کہ ان کی (ابو ایوب انصاریؓ کی) قبر کو توڑا پھوڑا گیا یا مثلہ کیا گیا تو (سن رکھو) میں ایک نصرانی کو بھی جو عرب کی سرزمین میں موجود ہوگا، زندہ نہ چھوڑوں گا اور نہ کسی گرجا کو بغیر منہدم کئے رہنے دوں گا۔

قیصر روم کو ان تہدید آمیز کلمات اور امیر یزیدؒ کے بیباکانہ حملے سے کچھ ایسا خوف دامن گیر ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر اس نے یقین دلایا کہ قبر کی بیحرمتی نہ کی جائے گی۔ بلکہ اس کی حفاظت ہوگی۔ راوی کا بیان ہے کہ بعد میں حضرت ابو ایوب انصاری کی قبر پر قبہ بھی بنوا دیا تھا۔

انہ بنی علی قبرہ قبۃ ویسرج فیھا الی الیوم

(ص ۱۳۳ ج ۳ العقد الفرائد)

اس نے (قیصر نے) ان کی (ابو ایوب انصاریؓ) قبر پر قبہ بھی بنوا دیا جہاں آج کے دن تک چراغ روشن ہوتا ہے)

اغانی کے غالی مؤلف نے امیر یزیدؒ کی اس غیرت وحمیت ملیہ اور حرارت دینیہ کے متعلق کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان اور محترم صحابی کی نعش کی بے حرمتی کا خیال بھی برداشت نہ کرکے بخوف وخطر رومیوں کے ہجوم پر حملہ آور ہوئے یہ لغو توجیہہ کی ہے کہ رومی کیمپ میں چونکہ قیصر روم اور جبلہ بن ایہم کی خوبصورت بیٹیاں موجود تھیں ان پر ہاتھ ڈالنے اور قبضہ کرنے کا جذبہ اس بیباکانہ حملے کا محرک اصلی تھا۔ اس قول کی رکاکت خود ہی عیاں ہے۔ بعض مستشرقین نے جنہیں خلفائے اسلام کی تنقیص کی حکایتیں بیان کرنے میں خاص لطف آتا ہے۔ اغانی کے حوالے سے یہ حکایتیں نقل کی ہیں۔ پروفیسر ہٹی نے بھی امیر یزیدؒ کے بارے میں اس حکایت کو بیان کیا ہے لیکن دوسری جگہ حاشیہ پر یہ بھی فرما دیا ہے کہ اغانی وغیرہ کی ان روایتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے جو خلفا کی رنگین زندگی سے متعلق ہوں۔

مورخ المسعودیؒ[1] نے اپنی تالیف "کتاب التنبیہ والاشراف" میں قسطنطنیہ کے محل وقوع کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ساحل سمندر سے بجانب الشامی بیس میل کا چکر کاٹ کر امیر یزیدؒ نے اس شہر کا سب سے اول محاصرہ

---

[1] المورخ ابی الحسن بن علی المسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ جن کی دو تالیفات مروج الذہب اور التنبیہ باقی ہیں بڑے پایہ کے مورخ اور امام فن تھے، لیکن شیعہ تھے اور غالی۔

کیا تھا لکھا ہے کہ :۔

وقد حاصر القسطنطنية في الاسلام من هذه العدوة ثلاثة امراء اباؤهم ملوك وخلفاء اولهم يزيد بن معاوية بن ابي سفيان والثاني مسلمة بن عبد الملك بن مروان والثالث هارون الرشيد بن المهدي۔

اور زمانۂ اسلام میں اسی ساحل بحر سے چل کر تین امیران (جیوش اسلامی) نے جن کے آبا ملوک و خلفا تھے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا ان میں سب سے اول یزیدؒ بن معاویہؓ بن ابی سفیانؓ تھے دوسرے مسلمہؒ بن عبد الملکؒ مروانؒ اور تیسرے ہارون الرشیدؒ بن المہدیؒ تھے۔

(ص۲۹ کتاب التنبیہ والاشراف المسعودی مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۳ء)

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے مکتوب میں جس کا اقتباس ابتدائی اوراق میں نقل ہو چکا ہے یہ جو لکھا ہے کہ "تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے (مکتوبات ج) اس کی تائید بزنطینی شہنشاہیت کے غیر مسلم مولف کے نیز دوسرے مولفین کے بیان سے ہوتی ہے۔ کتاب Bazantime Empire میں ہے کہ :۔

رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم کے عہد سلطنت کا آغاز ہی تباہی کے ساتھ ہوا خلیفہ معاویہ کی افواج اور بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی اور ایشیائے کوچک پر بیک وقت حملے شروع کئے جو بطور پیش خیمہ کے تھے ۶۶۳ء میں خلیفہ موصوف نے ایک ایسی زبردست بری و بحری مہم کی تیاری کی جس کے مثل اس وقت تک عربوں کی جانب سے معرکہ آرائی کی

کوئی مہم نہیں بھیجی گئی تھی۔ یہ عظیم الشان بیڑہ جہازات نے افریقہ سسلی اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ملک شام سے روانہ ہوا تھا۔ ایسی زبردست مہم مسلمانوں کی جانب سے ابتک نہیں بھیجی گئی تھی۔ جنرل عبدالرحمٰنؓ کی معیت میں خلیفہ کے فرزند اور ولیعہد یزید بھی متعین تھے۔[1] اسلامی بیڑہ جہازات نے رومی شاہی بیڑے کو شکست دے کر درہ دانیال میں اپنا راستہ نکال لیا اور شہر سائزکس پر قبضہ کرکے اس کو اپنا فوجی کیمپ بنا لیا۔ اور باسفورس کی ناکہ بندی کر دی۔ چار سال تک محاصرہ جاری رہا۔ محصور فوج نے زبردست مقاومت کرکے اور کچھ نہیں تو زوزبہ کو کچھ دنوں تک ٹالے رکھا (ص ۱۴۰)

اسی طرح ایک مسلم مورخ کا بیان ہے کہ :۔

ان السنة التي حاصر فيها يزيد بن معاوية القسطنطنية سنة ٣٢ للهجرة ووفق سنة ٦٥٣ مسيحية وقد جاءها يزيد براً وكان بُسر بن ارطاة ماسكا البحر وقد انتشرت السفن الحربية الحربية على طول ساحل

جس سنہ میں یزید بن معاویہؓ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا وہ ۳۲ھ مطابق ۶۵۳ء تھا۔ یزیدؒ بری راستے سے پہنچے تھے اور بسر بن ارطاۃ سمندری راستہ طے کرکے عربوں کے حربی جہازات ساحل بحر مرمرہ پر پھیل گئے تھے عربوں نے اپریل اور ستمبر

---

[1] غیر مسلم مولف کو مغالطہ ہوا جنرل موصوف بیڑہ جہازات کے کمانڈر تھے اور امیر یزیدؒ بری فوج کے

جرجرهم وهاجم العرب القسطنطنية بين شهری ابریل وستمبر۔

کے مابین قسطنطنیہ پر حملے جاری رکھے

حاضر العالم اسلامی صد ۲۱۴

چونکہ متعدد سالوں تک یہ جہادی مہمیں بحری کمانڈروں کے علاوہ امیر یزیدؒ کی قیادت میں جاری رہیں اس لئے مورخین کے بیان کردہ سنین اور بحری جرنیلوں کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ استیعاب میں بسلسلہ تذکرہ وفات حضرت ابوایوب انصاریؓ لکھا ہے کہ

وتوفی (ابوایوبؓ) بالقسطنطنية من ارض الروم سنة خمسين وقيل احدى وخمسين فی خلافة معاوية تحت يزيد (الاستیعاب صد حاشیہ الاصابہ ج)	اور ابوایوبؓ کا انتقال ۵۰ھ میں اور کہتے ہیں کہ ۵۱ھ میں سرزمین روم میں بزمانہ خلافت معاویہؓ ہوا تھا۔ اور وہ یزید کے زیر قیادت (جہاد میں) شریک تھے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی آتی ہے کہ جب یزید کو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والے لشکر کا امیر بنایا گیا تو کسی کے کہنے پر کہ یہ نوجوان ہے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ بھی اس کی لیاقت کی بات ہے کہ ایک جوان کو ہم پر امیر مقرر کیا گیا ہے ... شاب ... اس جہاد کے سلسلے میں بڑے اہتمام سے تیاریاں کی گئی تھیں چنانچہ مختلف قبائل قریش و انصار کے اکابرین کے پاس قاصد کے ذریعہ تحریریں بھیجی گئیں۔ اور خواہش کی گئی کہ وہ امیر یزیدؒ کے ساتھ رومیوں کے خلاف جہاد میں شرکت کریں۔ چنانچہ قیادت یزیدؒ سے کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

ولم يختلف عنه احد حتى كان فيمن خرج ابوايوب الانصاریؓ صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (البدایہ والنہایہ ج صد ۱۳۲)۔ کسی ایک فرد نے بھی (امیر یزیدؒ کی قیادت سے) اختلاف نہیں کیا اور جو لوگ (اس جہاد قسطنطنیہ کے لیے) گئے ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی تھے۔ اور یہی وہ صحابی تھے جن کو نہ صرف یہ امتیازی شرف حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری مدینہ کے ابتدائی ایام میں میزبانی کی خدمات انجام دیں بلکہ آپؐ کے استراحت فرماتے وقت پہرہ بھی دیا تھا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے ابوایوب اللہ تمہارے جسم کی بھی، اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے نبی کی رات میں پہرہ داری کی ہے۔ صاحب کتاب الروض الانف شرح السیرة النبویة لابن ہشام لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس دعا سے ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی رومیوں ہی سے حفاظت کرائی پھر اس سب واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو بیان ہو چکا امیر یزیدؒ کی زبان سے نکلے ہوئے وہ تہدیدی کلمات بھی نقل کئے ہیں جو رومیوں سے فرمائے تھے۔ جس پر رومی عیسائیوں نے اپنے مسلک کے مطابق حلف لیا اور وعدہ کیا کہ ان صحابی رسولؐ کی قبر کی حفاظت کریں گے۔

جہاد قسطنطنیہ کے "اول جیش من امتی" کی قیادت کے امتیاز اور بشارت مغفرت کے ساتھ یہ سعادت بھی امیر یزیدؒ کو حاصل ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیہ پیشین گوئی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جسم کی حفاظت کی انہی کے جوش ایمان، حب رسول وحب صحابہ وغیرت ملی کی بدولت پوری ہوئی اور آپ کی پیشین گوئی کا کہ یدفن عند سور القسطنطنیه

رجل صالح (العقد الفريد ج ۲ ص ۱۳۳) یعنی فصیل قسطنطنیہ کے پاس ہی ایک مرد صالح دفن ہوگا۔ عملاً ظہور بھی اس امیر مجاہد وجواں صالح کے تہورانہ اقدام سے ہوا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتی من یشاء۔

مشہور یوروپین مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی تالیف "تاریخ عروج وزوال روما الکبریٰ" میں امیر یزیدؓ کے جہاد قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کی شرکت اور وفات پانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس معرکۂ جہاد میں امیر معاویہؓ کے فرزند یزیدؓ کی موجودگی اور ان کی شجاعت وبسالت کی مثال اس وقت اسلامی فوج کے سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کا موجب اور سبب بن گئی تھی اس مورخ نے یہ بھی بالصراحت بیان کیا ہے کہ (حضرت) حسینؓ بھی قسطنطنیہ کے اس اولین جہاد میں موجود تھے۔ گبن کے الفاظ یہ ہیں:۔

"حسن کے چھوٹے بھائی حسین نے اپنے والد سے جرأت ودلیری کا کچھ حصہ ورثہ میں پایا تھا۔ اور عیسائیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں امتیازی خدمت انجام دی تھی۔"

(ص ۲۸۶ تاریخ عروج وزوال روما الکبریٰ گبن)

تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر پہلا اور آخری جہاد یہی معرکۂ جہاد تھا جس میں غازیان اسلام کے جیش کی قیادت وسپہ سالاری امیر یزیدؓ کر رہے تھے اور اس معرکے کے بعد بھی ایشیائے کوچک کے متعدد معرکوں میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے پہلے ذکر ہو چکا

کہ ارض روم کی جہادی سرگرمیوں سے جب واپس آتے حرمین شریف کا سفر اختیار کرتے اور حج وزیارت روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے تین سال متواتر امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے ارض پاک میں اپنا ایک مکان بھی تعمیر کرایا تھا اور مدینہ منورہ کے ہاشمی وقریشی گھرانوں کی دو خواتین کو حبالۂ عقد میں لائے تھے۔ خلفائے اسلام میں امیر المومنین یزیدؓ ہی پہلے خلیفہ ہیں۔ جنھوں نے سب سے اول دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا

اول من کساہ (الکعبۃ المعظمۃ) الدیباج یزید بن معاویۃ

خانہ کعبہ پر سب سے اول (جس خلیفہ نے) دیبائے خسروی کا غلاف چڑھایا وہ یزید بن معاویہؓ تھے۔

(ص ۲۵ تاریخ الکعبۃ المعظمۃ)

(ص ۷۰ ترجمہ فتوح البلدان بلاذری)

(ص ۱ الجامع اللطیف)

عہد اسلام میں سب سے پہلا غلاف جو یمنی کپڑے کا تھا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھایا آپ کے بعد حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں نہ حج کیا اور نہ غلاف چڑھایا۔ پھر حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؓ اور ان کے بعد عبداللہ الزبیرؓ اور دوسرے خلفاء نے ۔۔۔ قوی آثار سے ثابت ہے کہ اپنے چار سالہ زمانہ خلافت میں ہر سال بیش قیمت کپڑے کا غلاف علماء وصلحاء کی جماعت کے ساتھ دمشق سے مکۂ معظمہ بھیجتے رہے۔ خدام کعبہ ومجاوران روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وظائف وعطایا سے خدمت کرتے اور کوشش کرتے کہ تجار وسوداگر رہنے

والوں کو زیادہ سے زیادہ رقوم دی جائیں جیسا حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کے عطیے کے بارے میں خود امیر موصوف کا قول آپ سن چکے ہیں کہ ابن جعفرؓ چونکہ اپنا مال دوسروں پر صرف کر دیتے ہیں ان کے دینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ جب وظیفہ و عطیہ کی بیش بہا رقم لیکر ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے پاس سے ... باہر آئے مال و اسباب سے بھرے دو کوہانی اونٹ (بخاتی) باب یزید پر کھڑے دیکھے جو خراسان سے مال و ہدایا لیکر آئے تھے۔ ابن جعفرؓ لوٹ کر امیر موصوف کے پاس گئے اور درخواست پیش کی کہ تین بخاتی (دو کوہانی اونٹ) مرحمت ہوں تاکہ حج و عمرہ اور سفر شام کے لئے باری باری استعمال کر سکوں۔ امیر یزیدؒ نے حاجب سے دریافت کیا کہ یہ کیسے اونٹ ہیں جو دروازے پر موجود ہیں حاجب کے جواب، امیر المومنین کے حکم اور ابن جعفرؓ کے ریمارک کو علامہ ابن کثیرؒ کے الفاظ میں سنیئے:

فقال: یاامیرالمؤمنین! ھٰذہٖ اربعمائة بختیه جاءتنا من خراسان تحمل انواع الالطاف و کان علیها انواع من الاموال کلها۔

حاجب نے عرض کیا: اے امیرالمومنین یہ چار سو دو کوہانی اونٹ ہیں جو ہمارے پاس خراسان سے مختلف اقسام کے ہدایا لیکر آئے ہیں اور ان پر وہ سب مال لدا ہوا موجود ہے

فقال: اصرفها الی ابن جعفر بما علیها۔

امیر یزیدؒ نے فرمایا۔ یہ سب اونٹ مع اس مال کے جو ان پر ہے ابن جعفرؓ

کو دے دیا جائے۔

فقال عبد اللہ بن جعفر یقول: تلوموننی علی حسن الرأی فی ھٰذا یعنی یزید۔
(ص۲۳ ج البدایہ والنہایہ)

عبداللہ بن جعفرؓ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص یعنی یزیدؒ کے بارے کیا میرے حسن رائے پر مجھے ملامت کر سکتے ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی جود و سخا ضرب المثل تھی۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب الہاشمی متوفی ۲۴۵ھ نے اپنی تالیف کتاب المحبر میں بذیل عنوان "اجواد الاسلام" یعنی زمانہ اسلام کے سب سے زیادہ سخی اور دریا دل اشخاص کی فہرست میں خاندان رسالت (بنی ہاشم) کے جن پانچ حضرات کے نام اور ان کے جود و سخا کے حالات لکھے ہیں یعنی (۱) حضرت عبیداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب (۲) امیرالمومنین عبداللہ السفاح بن علی بن عباسؓ (۳)، محمد بن جعفر بن عبیداللہ بن عباسؓ (۴)، طلحہ بن حسن بن علیؓ بن ابی طالب۔ ان میں پانچواں نام عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا ہے۔ ان کے جود و سخا کے حالات کتاب کے چار صفحات پر محیط ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی سخاوت و دریا دلی سے زیادہ مستفید ہونے والے دیار نبی ہی کے لوگ تھے اور اسی بنا پر جیسا کہ خود امیر المومنین یزیدؒ نے فرمایا تھا کہ اسی نیت سے ان کو لاکھوں روپیہ اور مال و اسباب عطا ہوتا تھا کہ یوں ان کے ذریعہ اہل مدینہ کو مل سکے۔

منصف مزاجی

منصف مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی معاملات میں بھی امیر یزیدؒ دامن انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ابن کثیرؒ نے

سلامہ نام ایک کنیز کا واقعہ بیان کیا ہے جو مدینہ منورہ کی رہنے والی حسن و جمال میں یکتا اور ہمہ صفت موصوف تھی۔ قرآن شریف اچھی قرات سے سناتی، شاعرہ اور مغنیہ تھی۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند عبدالرحمٰن نے جو خود بھی شاعر تھے اور جن کا ذکر ایک قصہ میں اوپر گذر چکا۔ اس کنیز کی امیر یزیدؒ سے بہت کچھ ثنا و صفت کر کے اس کی خریداری پر راغب کیا۔

وذلہ علی سلامۃ	اور انھیں امیر یزیدؒ کو سلامہ اور اس
وجمالها وحسنها وفصاحتها	کے حسن و جمال و فصاحت کی طرف رغبت
وقال لا تصلح الا لك يا	دلائی اور کہا کہ اے امیرالمومنین یہ کنیز
امیرالمؤمنین وان	سوائے آپ کے، دوسرے کسی کے لائق نہیں
تکون من سمارك -	خواہ آپ اسے قصہ خوانی ہی کے لئے
(صـ ۲۳۶ البدایۃ والنہایۃ)	رکھیں۔

کنیز کے آقا سے خریداری کا معاملہ طے کر لیا گیا۔ کنیز مذکورہ مدینہ سے دمشق آکر داخل حرم کی گئی اور دوسری کنیزوں پر اسے فوقیت حاصل ہو گئی۔ لیکن جب یہ راز افشا ہوا کہ یہ کنیز اور مدینہ منورہ کا ایک اور شاعر احوص بن محمد ایک دوسرے کے دام محبت میں گرفتار ہیں امیر یزیدؒ نے احوص کو جو دمشق میں موجود تھا نیز سلامہ کو مواجہ میں طلب کر کے تصدیق کی ان دونوں نے فی البدیہہ اشعار میں اقرار محبت کیا۔ سلامہ نے کہا کہ شدید محبت مثل روح کے میرے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے تو کیا اب روح اور جسم میں مفارقت ہو سکیگی؟

حبًّا شدیدًا جرٰی کالروح فی جسدی فهل یفرق بین الروح والجسد

امیر یزیدؒ نے یہ حال دیکھ کر سلامہ کو احوص کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا:-

خذها یا احوص فهی لك و	اے احوص اب یہ (سلامہ) تمھاری ہے تم
وصله صلة سنية -	اسے لے لو پھر اسے اچھا انعام عطا کیا۔
(صـ ۲۳۶ البدایۃ والنہایۃ)	

انصاف پسند طبیعت ہی کا تقاضہ تھا کہ داخل حرم کرنے کے بعد بھی ان کے جذبات محبت کا احترام کیا

امیر یزیدؒ کے مختصر سے زمانہ خلافت کے حالات بیان کرنے میں مورخین نے بخل سے کام لیا ہے۔ تاہم ان کی انصاف پسندی و عدل گستری اور رحمدلی کے واقعات تجسس و تفحص سے مل ہی جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

امیر زیاد بن ابی سفیانؓ کے اکیس بیٹے اور نو بیٹیاں یہ تیس اولادیں مختلف ازواج سے تھیں۔ بڑے عبدالرحمٰن تھے جو خراسان کے والی تھے امیر یزیدؒ نے ان کو اس خدمت سے سبکدوش کر کے ان کے چھوٹے بھائی مسلم بن زیاد کو جو ام ولد کے بطن سے بڑی قابلیت کے نوجوان تھے۔ ان کی جگہ متعین کیا۔ یہ بصرہ سے مع چند اعیان قبائل عرب خراسان چلے گئے۔ ان کے سوتیلے بھائی عبیداللہ کو جو اس وقت کوفے اور بصرہ کے والی تھے۔ بعض اعیان کا ان کے ساتھ جانا ناگوار تھا۔ انھوں نے روکنے کی کوشش کی مگر یہ لوگ چلے گئے۔ انھوں نے ان لوگوں کے مکانات منہدم کرا دیے۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی امیر یزیدؒ نے ان پر عتاب کیا اور حکم دیا کہ ان سب کے مکانات کو اپنے صرف اور روپیہ سے فی الفور تعمیر کرا دیں۔

فکتب الیہ (عبیداللہ) یزید بن
معاویۃ ان یبنیھا بالجص و
لاجرّ والساج من مالہ فبنیھا۔
(صنٹ کتاب البلدان لیعقوبی
مطبوعہ لیڈن ۱۸۹۲ء)

پس (امیر) یزید بن معاویہؓ نے ان کو
(عبیداللہ کو تحریری) حکم بھیجا کہ ان (منہدم
مکانات کو) اینٹ چونہ اور ساگوں کی
لکڑی سے تعمیر کرائیں یوں انھوں نے ان
کو پھر تعمیر کرا دیا۔

جن لوگوں پر عمال حکومت کی جانب سے ظلم و زیادتی ہوتی امیرالمومنینؓ
کی خدمت میں فریادی آتے اور فائز المرام واپس جاتے۔ مورخ المدائنی کی یہ
روایت بلاذری نے لکھی ہے کہ عبدالرحمٰن بن ام برثن جن کے باپ کا نام
فیروز حصین تھا۔ مگر اپنی ماں ام برثن کی نسبت سے مشہور تھے۔ یتیم ولا وارث
بچے کی حیثیت سے ان کی پرورش ہوئی۔ فضائل ذاتی سے بہرہ ور تھے۔ امیر عبیداللہ
بن زیاد کے زمانہ میں کسی خدمت پر مامور تھے انھوں نے ناراض ہو کر برطرف
کر دیا اور دو لاکھ روپیہ تاوان کا عائد کیا، فریادی بن کر امیرالمومنین کے پاس
آئے۔ اپنا سب حال اور دکھ درد کہہ سنایا امیر موصوف نے اسی وقت عبیداللہ
کو تحریری حکم بھیجا کہ ان کے دو لاکھ روپے فوراً واپس کر دیے جائیں۔ اور کوئی
تعرض نہ کیا جائے عبدالرحمٰن کا خورد سالہ بچہ ان کے غلام کے ہاتھ سے اتفاقاً
سر پر چوٹ لگنے کی وجہ سے مارا گیا تھا۔ انھوں نے سزا دینے کے بجائے اسے آزاد
کر دیا۔

امیر یزیدؒ کو ایسے کریم الطبع شخص کا دکھ درد دور کر دینے سے ایسی
مسرت ہوئی کہ اس دن تیس غلام آزاد کر دیے

واعتق ذلک الیوم ثلاثین مملوکا
وقال من احبّ ان یقیم فلیقم ومن
احبّ ان یذھب فلیذھب۔
(صنٹ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری
مطبوعہ یروشلم)

اور اس دن تیس غلام (امیر یزیدؒ نے)
آزاد کر دیئے۔ اور ان سے فرمایا (یعنی غلاموں
سے) جو ہمارے پاس رہنا چاہے رہے اور
جو جانا چاہے چلا جائے

لوگ کسی عامل کے متعلق شکایت کرتے اس پر لحاظ فرماتے۔ حضرت
ابن زبیرؓ کا طرز عمل اور رویہ پوشیدہ نہ تھا لیکن انھوں نے جب عامل مکہ کی شکایت
میں اہل مکہ کی جانب سے امیرالمومنین کو تحریر بھیجی اس پر لحاظ کیا اور اپنے اس عامل
کو تبدیل کر دیا۔ وہ تحریر یہ تھی:۔

وکتب ابن الزبیر الی یزید عن اھل
مکۃ انّک بعثت الینا رجلا اخرق
لایتّجہ لامر رُشد ولا یرعوی
بعظۃ الحلیم فلو بعثت الینا رجلاً
سھل الخلیقہ لیّن الکنف لرجونا
ان یسھل من ھذہ الامور ما
استوعر وان یجمع منھا ما تفرّق
فانظر فی ذلک فان فیہ صلاح
خواصنا وعوامنا والسلام لہ
(صنٹ ج قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری وطبری ج
وحاشیہ برصفحہ ۴۲۲)

اور ابن زبیرؓ نے یزید کو اہل مکہ کی
جانب سے یہ خط بھیجا: تم نے کیسے ناکارہ
شخص کو ہمارے پاس بھیجا ہے جو کسی
دانش کی بات پر توجہ نہیں کرتا۔ اور نہ کسی
حلیم کے سمجھانے کو مانتا ہے، اگر کسی خوش
اخلاق اور متواضع شخص کو یہاں بھیجتے
تو امید تھی کہ بہت سی مشکلات آسان
ہو جاتیں اور تفرقہ جاتا رہتا۔ اس بارے
میں تمہیں غور کرنا چاہیے کیونکہ اسی میں
خواص و عوام سب کی بہتری ہے۔ والسلام

صحابہ اور اکابر امت کی سفارش کو کبھی نہ ٹالتے۔ مختار ثقفی کو سبھا نتے ہیں کیا ابن الوقت اور مفسد تھا عبیداللہ بن زیادؒ نے اس کی بعض حرکتوں کی پاداش میں سو کوڑے مار کر قید میں ڈال دیا تھا۔ اس کی بہن صفیہؓ بن ابی عبید جو صالحات العابدات سے تھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی زوجہ تھیں ان کے کہنے سے حضرت ابن عمرؓ نے امیر یزیدؒ کو سفارشی خط لکھا امیر موصوف نے عبیداللہ کو اس کے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فارسل ابن عمرؓ الی یزید بن معاویۃ یتشفع فیہ فارسل یزید الی ابن زیاد فاطلقہ وسیرہ الی الحجاز۔

ابن عمرؓ نے یزید بن معاویہؓ کو اس کی مختار کی سفارش میں تحریر بھیجی (امیر یزیدؒ) نے ابن زیاد کو تحریراً حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دیں اور حجاز کو بھیج دیں۔

(ص۲۰۹ ج۸ البدایۃ والنہایۃ وص۲۵۸ انساب الاشراف بلاذری)

ایسا ہی واقعہ عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب ہاشمی

لہ عبداللہ بن الزبیرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ کی زندگی تک خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور اگرچہ بیعت نہیں کی تھی لیکن وہ انھیں خلیفہ بالفعل یقیناً سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ امت کی امامت انھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی لئے امیر مکہ کے عزل کی نسبت انھیں درخواست بھیجی۔

ہاشمی کا ہے ان کو بھی مختار ثقفی کے ساتھ ابن زیاد نے قید کر دیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت ابو سفیانؓ کی دختر اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں ان کی رہائی کی سفارشیں بھی امیر یزیدؒ نے قبول کر کے ابن زیاد کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

فوجہ یزید رسولا کتب معہ الی ابن زیاد بتخلیۃ سبیلہ وکتب الرسول منشورا فانطلق الرسول الی عبیداللہ فاخرجہ وکان مع المختار فی محبس واحد حین حبس ابن زیاد المختار۔

(امیر) یزید نے ایک پیغامبر کے ذریعہ تحریری حکم ابن زیاد کو بھیجا کہ ان کو رہا کر دیں اور پیغامبر کے بے بس فرمان لکھا وہ عبیداللہ کے پاس پہنچا اور ان کو قید خانے سے کہ مختار کے ساتھ ایک ہی قید خانے میں قید تھے نکالا کیونکہ ابن زیاد نے جب مختار کو قید کیا تھا ان کو بھی اس کے ساتھ محبوس کیا تھا۔

(ص۲۶۵ ج قسم ثانی انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم)

عبداللہ بن الحارث کا لقب ببہ تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے قید سے چھوٹنے کے کچھ عرصے بعد سیاسی جھگڑوں میں اسی عبیداللہ کے خلاف

لہ مختار ثقفی اور اس کی تحریک سے کسی ہاشمی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور نہ مختار نے اس وقت تک عملاً کوئی حرکت کی تھی اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے اس کی سفارش کی اور امیر المومنین نے سنی یہ لوگ تو بے نقاب بہت بعد میں ہوئے لیکن داد دینی چاہئے امیر عبیداللہ بن زیاد کو کہ انھوں نے مختار ثقفی کو اسی وقت تاڑ لیا تھا۔ کاش یہ شخص وہیں ختم کر دیا جاتا اور امت اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتی۔

نمایاں حصہ لیا تھا۔ یہ کی حرکت سیاسی تھی۔ لیکن مختار کی دینی یہ شخص سبائیہ کے پھندے میں پھنس کر دین محمدی سے روگردان ہو چکا تھا

امیر یزیدؒ کی رحم دلی اور کرم نوازی سے دور و نزدیک کے سب ہی لوگ واقف تھے۔ آفت رسیدہ پناہ لینے بے دھڑک آجاتے بالخصوص شعراء المدائنی نے فضالہ بن شریک شاعر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی قریشی ذی حیثیت شخص کی ہجو کہہ ڈالی۔ جان کا خوف لاحق ہوا تو امیر یزیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مدحیہ اشعار پڑھے۔ دو شعر یہ تھے۔

اذا ما قریشٌ فاخرتْ ببطاحها	فخرتَ بمجدٍ یا یزیدُ تلید
قریش جب اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے لگیں	تو اے یزید تم جو ابا عن جد ابزرگی رکھتے ہو اپنی بزرگی پر فخر کرو
بمجدِ امیر المؤمنین ولم یزل	ابوك امین الله جدُّك شید
امیر المومنین ہونے کی بزرگی پر اور اس بات پر	کہ تمہارے والد اللہ کے امین تھے (یعنی کاتب وحی ہونے کے) اور تمہارے دادا قائد دانشمند

امیر یزیدرح نے اس قریشی کو جن کا نام عاصم بن عمر تھا تحریراً مطلع کیا کہ فضالہ شاعر کو ہم نے اپنے جوار پناہ میں لے لیا ہے۔ تم اسے ہمارے لئے معاف کر دو پھر اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ (ص۱۰ ج ۴ قسم ثانی انساب الاشراف بلاذری)

سیرت یزیدؒ پر آزاد و بے باگ رائیں: سیرت یزیدؒ کے بارے میں غیر مسلم مورخین و محققین کی رائیں ہی یقیناً

آزاد اور بے لاگ رائیں ہو سکتی ہیں۔ ان غیر مسلم مورخین کے بعض اقوال یہاں نقل کرنے بیجا نہ ہوں گے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لائق مقالہ نگار رقم طراز ہیں:-

"یزید نہ تو غیر سنجیدہ اور بیہودہ شہزادہ تھا۔ اور نہ ایسا لا ابالی اور بے پرواہ حکمران جیسا ان مورخین نے بیان کیا ہے جو یا تو شیعوں کے بغض و عناد سے تاثر پذیر ہیں یا عراق و حجاز (شام) کے سیاسی جھگڑوں کے حالات سے یا پھر اس کی بہت ہی مختصر سی مدت حکمرانی کے حادثہ کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یزید نے (اپنے والد) معاویہؓ کی پالیسی و طریقہ کار کے بدستور جاری رکھنے کی کوشش کی اور ان کے باقی ماندہ رفقائے کار کو قائم و برقرار رکھا۔ وہ خود شاعر تھا۔ موسیقی کا ذوق رکھتا تھا۔ اہل ہنر اور شعراء کا قدردان اور ادب و آرٹ کا مربی اور سرپرست تھا۔"

مملکت کے شمالی علاقہ میں اس نے نئی فوجی چھاؤنی "جند قنسرین" قائم کر کے ملک شام کے دفاع اور عسکری قلعہ بندی کی تکمیل کی۔ اور انتظامی نظام کو مکمل کر دیا۔ مالیات کی از سر نو تنظیم کی نجرانی عیسائیوں[1]

---

[1] نجران کے عیسائیوں نے جب اپنے وطن یمن میں خفیہ آلات حرب اور گھوڑے جمع کرنے شروع کئے تھے ان کے مفسدانہ و باغیانہ عزائم کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو جلا وطن کر کے عراق کے علاقہ میں بسا دیا تھا اور دو سال کا جزیہ بھی اس نقل مکانی کی وجہ سے معاف باقی ص ۔ پر

کے جزیہ کی شرح کو جو خلیفہ عمرؓ کے عہد میں ملک عرب سے تحکمانہ طور سے خارج البلد کیے گئے ہلکا کر دیا برخلاف اس کے سامری یہودیوں پر جن کو ابتدائی فتوحات اسلامی کے زمانہ میں بعوض خدمات جزیہ سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، جزیہ عاید کر دیا۔

یزید کو زراعت کی ترقی سے دلچسپی تھی، دمشق کے نخلستانی علاقہ غوطہ میں آبپاشی کے سسٹم کو مکمل کرنے کی غرض سے بالائی علاقہ میں ایک نہر کھدوائی جو اس کے نام سے "نہر یزید"[1] کہلاتی ہے۔ اور مضافات بیچے کی اس سے آبپاشی ہوتی ہے خلفائے اسلام میں تنہا یزید ہی ایسا خلیفہ ہے جس کو "مہندس" (نہروکاریز کا ماہر و انجنیئر) کا لقب دیا گیا تھا

سیرت یزید کے پیش پا افتادہ تصویر کشی کے قطعاً خلاف مؤلف

Continuatica by Zantino Aralica

اپنی تالیف میں یہ تصویر پیش کرتا ہے :۔

"یزید حد درجہ متواضع و حلیم سنجیدہ و متین۔ خود بینی و تکبر سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کا محبوب، تزک و حشام شاہی سے متنفر معمول شہریوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرنے والا ـــــ اور

(بقیہ ص۴۴۵) کر دیا تھا۔ امیر یزیدؓ کے زمانہ میں چونکہ ان کی تعداد بھی کم ہو گئی تھی اور ان کی صنعت بھی ماند پڑ گئی تھی اس لیے ان کی درخواست پر از روئے انصاف جزیہ کی تعداد کو ہلکا کر دیا گیا۔

[1] نہر یزید کا تفصیلی حال آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو

مہذب تھا[1]

وہاذن مورخ کا قول ہے کہ کسی بھی خلیفہ کی مدح و ثنا اس طور سے نہیں ہوئی یہ الفاظ تو دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں۔"

(ص۱۱۶۳ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

ایک اور بلند پایہ محقق انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار، دے خوئے امیر یزیدؓ کی سیرت کے بارے میں رومی مورخ کے مندرجہ بالا الفاظ نقل کرنے کے بعد جن میں امیر موصوف کو طبعاً سنجیدہ و نرم خود مہذب بتایا گیا ہے لکھتے ہیں :۔

اس قول کی تصدیق اس امر واقعہ سے ہوتی ہے کہ معاویہ ثانی (فرزند یزیدؓ) کے متعلق بتایا گیا ہے کہ اپنے والد کی طرح نرم خو حکمران تھا۔ یزیدؓ کے مخالفین نے بغض و تعصب سے ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے پھر روایتوں سے اور بھی رنگ آمیزیاں کی گئی ہیں۔ اس کی بہت کچھ تردید (رومی مورخ کے) اس بیان سے ہو جاتی ہے۔ شراب نوش ہونے کے اتہام کے خلاف تو خود یزید نے اس وقت جب ابن زبیر کے مقابلے میں فوجی دستہ بھیج رہا تھا اپنے اشعار میں احتجاج کیا تھا۔ اس بارے میں فیصلہ کن شہادت تو ابن الحنفیہؒ (برادر حسینؓ) کی ہے جنہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اہل مدینہ نے جو الزامات

[1] علامہ ابن کثیرؒ نے بھی تقریباً یہی الفاظ لکھے ہیں۔

(یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے) لگائے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یزیدؒ شکار کے شوقین تھے۔ مگر وہ امن پسند و صلح جو اور فیاض و فراخ دل شہزادہ تھا۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا گیارھواں ایڈیشن)

ان غیر مسلم محققین کے علاوہ علامہ ابن کثیرؒ نے سیرت یزیدؒ کے بارے میں جو فقرات لکھے ہیں وہ آپ ابتدائی اوراق میں پڑھ چکے ان سے ان بیانات کی پوری تائید ہوتی ہو کہ یزیدؒ کی ذات میں حلم و کرم فصاحت و شجاعت کی عمدہ صفات تھیں، اور ملک داری کے بارے میں عمدہ رائے رکھتے تھے۔ سنجیدگی و متانت و تہذیب کے بارے میں رومی مورخ کی تصدیق انساب الاشراف بلاذری کی مندرجہ بالا ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جو قدیم مورخ المدائنی کی سند سے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ عطاء بن ابی صیفی الثقفی امیر المومنین یزیدؒ کی محفل میں آئے۔ وہاں عمرو بن عبد عمرو بھی موجود تھے ان دونوں میں خاندانی رقابت کے تحت گفتگو چھڑ گئی۔ طرفین سے فصاحت و بلاغت کے موتی لٹائے گئے جن کا ترجمہ کرنا مضمون کی حلاوت کو ضائع کر دینا ہے۔ ان حضرات کی گفتگو سن کر امیر یزیدؒ نے فرمایا:۔

عنکما فقد احسنتما وما قلتما فحشا	بس بس آپ لوگوں نے خوب کہا اور
(ص۹ ج انساب الاشراف)	پھر یہ کہ کوئی فحش بات بھی نہیں کی

(ص۹ ج انساب الاشراف)

گویا مہذب اور دین دار مسلمان کی طرح امیر یزیدؒ کو فحش کلامی

سے بھی نفرت تھی اور فحش و شنیع افعال سے بھی۔ ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں دیتے۔ المدائنی کی ایک اور روایت بھی بلاذری نے لکھی ہے کہ خالد نام کسی ذی حیثیت شخص نے اپنے غلام سے لواطت کے فعل شنیع کا ارتکاب کیا تھا۔ امیر المومنین نے سزا ذکوڑے لگوائے اور حد جاری کی۔ المدائنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

وقال المدائنی:۔ لاط خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث بغلام له فاستہ فشھد علیه امرأتان من موالیه وامراتاھما وغلام لم یحتلم فحدّه یزیدؒ فکان له ماقتا۔	اور مدائنی کہتے ہیں کہ خالد بن اسمٰعیل بن الاشعث نے ایک غلام سے لواطت کا فعل کیا اس کے موالی میں سے دو مردوں اور ان کی دو عورتوں نے گواہی دی۔ غلام بالغ نہیں ہوا تھا۔ پس (امیر) یزیدؒ نے اس فعل کے ارتکاب پر حد جاری کی اور وہ

(ص۳ ج قسم ثانی، انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم) اس سے سخت نفرت کرنے لگے۔

سادہ زندگی

امیر یزیدؒ کا زمانہ قرن اول کا وسطی زمانہ تھا۔ یعنی صحابہ کرام کے ان پاکیزہ نفوس کا زمانہ مبارک جنھوں نے مشکوۃ نبوت سے براہ راست نور اخذ کر کے اپنے قلوب کو مجلّی و مصفیٰ و مزکیٰ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ ان بزرگواروں کے حالات زندگی سے واضح ہے کہ باوجود دولت و ثروت کی بہتات اور فراوانی کے جو اس زمانہ میں غنائم و فتوحات سے ہر فرد ملت کو حاصل تھی یہ حضرات اکثر و بیشتر حد درجہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے خود دمشق میں ایسے متعدد صحابہ موجود تھے۔ خصوصاً ابو درداءؓ جو وہاں کے

عہدہ قضا پر عرصہ تک مامور رہے۔ ان کی صحبت و مجالست اپنے ابتدائی ایام میں امیر یزید کو میسر ہوئی تھی۔ ان حضرات کو نہ عیش و تنعم دنیاوی کی کبھی پروا ہوئی نہ خواہش۔ خود امیر المومنین معاویہؓ کے پاس عظیم مملکت کے اطراف و اکناف سے محاصل و غنائم کا کثیر المقدار زر و مال آتا قومی و ملی تعمیری کاموں کے مصارف کے علاوہ لاکھوں روپیہ دوسروں کو بالتخصیص بنو ہاشم کو دیا دلا دیتے مگر اپنی ذات یا خانگی ضروریات پر واجبی سا خرچ کرتے اکثر پرانا اور بوسیدہ کپڑے پہنے رہتے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب الزہد میں یہ روایت بسند صحیح درج کی ہے۔

رایتُ معاویۃ علی المنبر دمشق
یخطب النّاس وعلیہ ثوب مرقوع
(ص۱۷۳ کتاب الزھد طبع مکہ)

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو جامع (دمشق) میں لوگوں کو خطبہ دیتے دیکھا۔ ان کے جسم پر اس وقت پھٹا لباس تھا۔

امام اوزاعیؒ کے شیوخ میں حضرت یونس بن میسرہ الحمیریؒ ہیں جو زاہد وقت تھے۔ وہ اپنا چشم دید واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

رایتُ معاویۃ فی سوق دمشق وھو
مردف وراءہ وصیفا وعلیہ قمیص
مرقوع الجُیب۔
(ص۱۳۵ ج۸ البدایۃ والنہایۃ)

میں نے (حضرت) معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سوار جاتے دیکھا۔ ان کے پیچھے خادم بیٹھا تھا۔ اور وہ اس وقت ایسی قمیص پہنے تھے جس کا گریبان پھٹا ہوا تھا۔

ایسے پاک نفس اور شفیق باپ کے ظل عاطفت میں جس ذہین و فطین فرزند نے شعور کی آنکھیں کھولی ہوں۔ جسے زاہدین اور صفوۃ الصالحین کی مجالست

اور تربیت کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع حاصل ہوئے ہوں۔ اس نے بھی مادی زندگی ایسی سادہ اور بے تکلف گزار دی کہ ہمعصر مورخ کو واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کرنا پڑا کہ امیر یزید شان و شکوہ سے متنفر عام شہریوں کی طرح معمولی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی سیرت طیبہ کے بارے میں باوجود وضاعین کی تہمت تراشیوں کے شواہد ایسے موجود ہیں کہ ایک حق پسند اور منصف مزاج شیعہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب العواصم [illegible] مدین المخزومی نے حاشیہ کتاب پر اپنے ایام طالب علمی کا یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ترکی خلیفہ۔ امیر المومنین سلطان عبدالحمید خان ثانی کے زمانہ خلافت میں ہم لوگ دارالعلوم قسطنطنیہ میں تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مجلس طلبہ میں "سیرت و خلافت معاویہؓ" موضوع بحث تھا۔ میرے ایک ہمدرس نے جو مسلکاً شیعہ تھے اس بحث میں حصہ لیا اور اپنی تقریر کے دوران باعلان کہا کہ یزید بن معاویہؓ پاک سیرت خلیفہ تھے۔ خطیب موصوف لکھتے ہیں:۔

فوقف صدیقی الشھید السعید
عبدالکریم قاسم الخلیل
وکان شیعیا۔ فقال: انتم تسمون
سلطاننا خلیفۃ وانا اخوکم الشیعی
اعلن انا یزید بن معاویۃ کان
بسیرتہ الطیّبۃ احق بالخلافۃ
واصدق عملا بالشرع المحمّدی؟

پھر میرے دوست شہید عبدالکریم قاسم الخلیل جو مسلکاً شیعہ تھے (تقریر کرنے) کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا: آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہؓ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے

من خليفتنا فكيف بابيه معاوية۔	موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ حق تھے۔ اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے تو پھر جناب ان کے والد (معاویہؓ) کا درجہ اور مرتبہ

(صفحہ۲ حاشیہ کتاب العواصم من القواصم مطبوعہ باہتمام لجنۃ الشباب المسلم)

نہر یزید

متقدمین نے دنیا کی جنتوں "جنات الارض" کے یہ چار مقامات بتائے ہیں غوطۂ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان اور جزیرہ الابلہ۔ مگر ان سب میں فوقیت دمشق کو حاصل ہے۔ خود یاقوت اور جنہوں نے یہ چاروں مقامات دیکھے تھے۔ دمشق ہی کو فوقیت دیتے تھے۔ مولانا حالی مرحوم نے شکوۂ ہند میں ہندوستان جنت نشان سے خطاب کرتے ہوئے....

یہ چاروں نام اپنے اس شعر کے مصرعۂ آخر میں لئے ہیں:۔

تیرے باغوں کی فضاؤں نے دیے دل سے بھلا
شعب بوان و سمرقند و دمشق و اصفہان

عرب شعراء نے صدہا اشعار دمشق کی تعریف و توصیف میں کہے ہیں اور اس کو جنت سے تشبیہ دی ہے۔ ابن بطوطہ نے بھی چند شعر نقل کئے ہیں۔ ان میں یہ تین شعر سنئے:۔

ان تكن جنة الخلد بالارض	فدمشق ولا تكون سواها
اگر خلد بریں زمین پر ہے تو	وہ دمشق ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں
او تكن في السماء فهي عليها	قد ابدت هواءها هواها
اور اگر بہشت آسمان پر ہے تو وہ دمشق ہی پر ہے	کیونکہ اس کی ہوائیں اور خواہشات اسی امر کی موید ہیں

بلد طيب ورب غفور	فاغتنمها عشية وضحاها
وہ ایک پاکیزہ شہر ہے (جنت کی نعمتیں اس میں ہیں۔ اور وہ رب غفور ہے	تو غنیمت جان وقت کو اور بعیش کوش (کہ عالم دوبارہ نیست)

اس عروس البلاد دمشق کی حسن و خوبی، سرسبزی و شادابی اس کی دل آویز فضاؤں کی نزہت و فرحت اس کی نہروں کی مشاطگی کی بنا پر ہے جس میں نہر یزیدؒ کا خاص حصہ ہے۔ یہ نہر امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے چار سالہ عہد خلافت میں خاص اپنے انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی۔ اس کو جبل قاسیون کے پہاڑی اور پتھریلی زمین سے کاٹ کر اس خوبی کے ساتھ لایا گیا۔ اور آب روانی کے اصولوں اور آب گذاری کے ضوابط کے پیمانے پر اس طور سے عملاً برتا گیا کہ تیرہ سو برس کی طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی "نہر یزید" کی برکات آج تک بدستور جاری ہیں۔ اصطخری و ابن حوقل وغیرہ نے "نہر یزید" کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بڑی نہر ہے، قد آدم پانی بہتا ہے۔ بڑے علاقہ کو سیراب کرتی ہے "نهر عظيم احتفره يزيد بن معاوية يعرض في كثير" ابن حوقل نے کہا ہے کہ اسی مخرج سے نہر المزۃ اور نہر قناۃ بھی نکلتی ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں "نہر یزید" بہتی ہے جو اب بہتر بنا اور شاداب علاقہ ہے۔ پہلے خشک پڑا تھا امیر یزیدؒ نے اپنے پاس سے لاکھوں روپیہ صرف کرکے اس کو گلزار بنا دیا۔ اور اپنی فنی قابلیت کی ایسی آن مٹ یادگار چھوڑی کہ آج تک نہ صرف اس علاقہ صلیحیہ و غوطہ کی آبپاشی ہوتی ہے بلکہ اس کا آب شیریں گھر گھر پہنچتا ہے۔ پروفیسر حتی دمشق کے ذریعہ وطریقہ

آب رسانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" بنی امیہ کی لازوال ناموری اور ستائش کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے دمشق کی آب رسانی کا ایک ایسا سسٹم قائم کیا جو ان کے ہمعصر شرقی ممالک میں تو سب پر فائق تھا ہی مگر آج تک بدستور کام دے رہا ہے۔ "نہر یزید" کے نام سے ایک نہر موسوم ہے اور "نہر یزید" وہ ہے جو (حضرت معاویہؓ) کے اس فرزند نے اس غرض سے بردہ سے نکالی یا غالباً اس کی توسیع کرائی تھی کہ اراضی غوطہ کی آبپاشی کو مکمل کر دیا جائے۔ مضافات دمشق کے سرسبز نخلستان غوطہ اور اس کے شاداب باغات اور چمنستانوں کے وجود کا دارومدار بردہ کے پانی سے ہے۔ نہر یزید کے علاوہ چار اور شاخیں اور بدرجہا بھی بردہ سے پھوٹ کر تمام آبادی میں سرسبزی اور شادابی پھیلاتی ہیں۔

(ہسٹری آف دی عربس ص۲۳۱)

مسٹر جسٹس امیر علی نے " دمشق میں آب رسانی" کی ذیلی سرخی سے لکھا ہے کہ :-

" دمشق میں آب رسانی انتظام ایسا ہے کہ مشرقی ممالک میں اب تک کوئی اس پر سبقت نہ لے جا سکا۔ اور یہ بنی امیہ کے حکمرانوں کی ان مٹ یادگار ہے۔ یونانی بردہ کو کریسوروہاس کہتے تھے۔ اور ان کے قدیم شہر میں پانی (آب شیریں) اس سے کافی مقدار میں پہنچتا تھا۔ لیکن آب رسانی کے لیے ذرائع اور سسٹم کو اس حد تک ترقی دے دینا کہ آج کے دن تک بھی کم

حیثیت سے کم حیثیت گھر کے اندر بھی فوارہ موجود ہو بلاشک دمشق خاندان بنو امیہ کے سلاطین کا رہین منت ہے۔"

ہسٹری آف سیرسینز ص۱۹۳

مسٹر جسٹس امیر علی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دمشق کی آبرسانی کے سسٹم کو بنی امیہ کے "حکمرانوں" اور "سلاطین" کی ان مٹ یادگار تو فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شہر میں سات نہروں اور بے شمار نالیوں کا ایسا جال بچھا ہوا ہے کہ ہر گھر میں پانی پہنچتا ہے۔ مگر اپنے اسی مسلک کے اعتبار سے "نہر یزید" کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے ان کے ہمعقیدہ "نہر یزید" کے پانی کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ (ج۲) کے آخری صفحات میں۔ اس فرقے کی بہت سی حماقتیں گنائی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ وہ کس طرح "نہر یزید" سے پانی نہیں پیتے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی کھودی ہوئی باولیوں اور نہروں سے پانی پیا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ شامی توت نہیں کھاتے۔ حالانکہ آں حضرت کافروں کے ملکوں سے آئی ہوئی پنیر اور دوسری چیزیں استعمال کرتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں کا بنا ہوا کپڑا پہنتے تھے۔ یہ لوگ بنی امیہ کے تعمیر کردہ جامع مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔ حالاں کہ آنحضرتؐ نے مشرکین کے بنائے ہوئے کعبے میں بار بار نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح یہ لوگ دس کا لفظ زبان پر نہیں لاتے کہ عشرہ مبشرہ کی یاد دلاتا ہے۔ "نہر یزید" کا نام مؤلف موصوف کی زبان قلم پر شاید اسی بنا پر نہ آیا ہو لیکن یہ نام تو زبان زد خاص و عام ہے۔ شعرا کے اشعار میں اس کا ذکر آتا ہے۔ نہر بردی

نہر ثورا اور نہر یزید کے نام ابو عبداللہ محمد بن محمد الاصفہانی نے دیکھیے کس صنعت گری سے اپنے اشعار میں کھپائے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

یزید شوق و یمنو کما ٭ یزید یزید و ثورا یثور
ومن بردی برد قلبی المشوق ٭ فھا انا من حرہ مستجیر

بعض آزاد نگار مورخین نے امیر یزیدؒ کی اس ان مٹ یادگار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو خلیفہ رفاہ عام کے کاموں میں ایسی دلچسپی لیتا ہو۔ مہینوں اور برسوں تک ایک ایک چپہ زمین کی پیمائش کر کے فن ہندسی کی آب گزاری کے موانعات پر غلبہ حاصل کر لیتا ہو۔ اور اس اٹھارہ میل کے وسیع علاقے پر نظر ڈال کر جہاں پانی کم یاب تھا نہر بہا کر سرسبز مرغزاروں میں تبدیل کر دیتا ہو۔ (صفحہ ۴۳۶ لامن) اس پر یہ اتہام کہ کتوں بندروں سے کھیلتا تھا اور شراب میں مدہوش پڑا رہتا تھا کوئی لایعقل اور دون فطرت ہی عائد کر سکتا ہے۔

جوالیقی نے المھندس کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ مہندس اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو نہر کاریز کے دھاروں کے بہاؤ اور روانی آب کے لیے حساب لگانے اور پیمائش کرنے کا فن جانتا ہو۔ المھندس الذی یقدر مجاری القنی (لغت جوالیقی) اور جب اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس پہاڑی علاقہ سے یعنی جبل قاسیون سے یہ نہر نکالی گئی۔ اس میں بہت سے غار ہیں۔ جن میں ایک نہ ایک پیغمبر اور نبی کے آثار بتائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک غار کے بارے میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کچھ عرصہ رہتے

پھر اسی پہاڑ پر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ محترمہ نے قرار پکڑا تھا۔ اس مقام کا نام ربوہ ہے جس کے معنی قطعہ مرتفع کے ہیں۔ آیہ کریمہ و اوینا ھما الی ربوۃ ذات قرار و معین کی تفسیر میں ابن جبیر نے اسی مقام کا اپنے سفرنامے میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ محترمہ نے اسی بلند جگہ قرار پکڑا۔ جہاں آب شیریں کا چشمہ ہے۔ سایہ دار درخت چاروں طرف جھوم رہے ہیں۔ اسی مقام کے قریب سے نہر یزید کس خوبی سے نکالی گئی ہے۔ جو آج اس کے نزدیک بہتی ہے۔ اور ان مقدس یادگاروں کی نزہت اور فضا میں دلآویزی پیدا کرتی ہے۔ اور غوطہ و دمشق کے حسن و خوبی کو دوبالا کر کے شاعروں سے کہلواتی ہے ؎

اما دمشق فجنۃ ٭ ینسی بھا الوطن الغریب
دمشق تو جنت ہے (ایسے مقام کو چھوڑ کر اور کہاں جائے) ٭ اسلئے مسافر اس جگہ آکر اپنے وطن کو بھول جاتا ہے

للہ ایام السبوت ٭ بھا و منظرھا العجیب
ایام سبت میں (نجدا غوطہ جاکر) ٭ اس کے مناظر عجیب (خوشنما معلوم) ہوتے ہیں۔

انظر بعینک ھل تری ٭ الا محبا او حبیب
ذرا آنکھ کھول کر دیکھو ٭ سوائے محب اور حبیب کے اور کوئی نظر نہ آئے گا۔

واعدت انا ھس روضہ
(اس چمنستان کی کلیاں فرحت کے و انبساط کے ساتھ کھلتی ہیں)

تختال فی مزوج وطیب
(ہوا کے جھونکے سبزہ زار میں تموج پیدا کرتے ہیں۔)

خلیفہ اور منصب خلافت

خلافت و امارت و امامت یہ سب اصلاحی عناوین ہیں۔ ملت کے امور داخلی و خارجی کی انجام دہی کا اختیار اور قدرت جس فرد ملت کو حاصل ہوا سے خلیفہ و امیر و امام کہا گیا ہے۔ اور کہا جاتا ہے خواہ ایک یا چند افراد اس کی بیعت اطاعت سے منکر یا اس کی اہلیت پر معترض ہوں وہ خلیفہ و امیرالمومنین و امام المسلمین ہی مانا اور کہلایا گیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس مبحث پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہ حضرت ابن الزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے امیر یزیدؒ کے خلاف مکہ معظمہ میں محاذ قائم کرلیا تھا۔ اور امیر موصوف کی وفات کے بعد اپنی خلافت کی بیعت بھی لے لی تھی، فرمایا ہے کہ ان واقعات کے باوجود امیر یزیدؒ اسی طرح جائز خلیفہ اور امام المسلمین تھے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے کہ ان کی بیعت سے ایک بڑی جماعت نے انکار کیا تھا اور تمام بلاد المسلمین پر تسلط و اقتدار ان کا قائم نہ ہو سکا تھا۔ باینہمہ وہ امام المسلمین تھے۔ اسی طرح یزیدؒ بھی تھے امیرالمومنین عبدالملکؒ و دیگر خلفاء بنی امیہ کی مثال دیتے ہوئے کہ جمیع اسلامی ممالک ان کے زیر اقتدار تھے شیخ الاسلام موصوف فرماتے ہیں:۔

وکذالک الخلفاء الثلاثہ ومعویۃ تولوا علی جمیع بلاد المسلمین وعلی رضی اللہ عنہ لم یتول علی جمیع بلاد المسلمین فیکون الواحد من ھولاء اماما بمعنی انہ کان سلطان ومعہ السیف یولی ویعزل ویعطی ویحرم ویحکم وینفذ ویقیم الحدود ویجاھد الکفار ویقسم الاموال امر مشھور ومتواتر لایمکن جحدہ وھذا معنی کونہ اماما و خلیفۃ وسلطانا کما ان امام الصلاۃ ھو الذی یصلی بالناس فاذا رأینا رجلا یصلی بالناس کان القول بانہ امام امرا مشھودا محسوسا لا یمکن المکابرۃ فیہ واما کونہ برا او فاجرا او مطیعا او عاصیا فذلک امر آخر فاھل السنۃ اذا اعتقدوا امامۃ الواحد من ھؤلاء یزید او عبدالملک او المنصور او غیرھم کان بھذا الاعتبار ومن نازع

اور اسی طرح تینوں خلفاء یعنی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) اور معاویہؓ مسلمانوں کے سب ملکوں پر حکمران رہے۔ لیکن (حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے مسلمانوں کے سب ممالک پر حکمرانی نہیں کی پس ان میں سے ہر ایک (یعنی یزید اور اموی خلفاء جن کا ذکر اوپر کیا ہے) اسی معنی و اعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا۔ اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی وہ ہی عزل و نصب کرتا تھا۔ وہی دیتا لیتا وہی حکم دیتا اور نافذ کرتا تھا۔ اور کفار سے جہاد کرتا تھا۔ اور اموال کی تقسیم کرتا تھا۔ یہ باتیں عیاں اور متواتر ہیں اور ان کا انکار ممکن نہیں۔ اس معنی و اعتبار سے وہ (یعنی امیر یزیدؒ) امام اور خلیفہ اور سلطان تھے۔ یعنی جیسے مثلاً امام نماز کا جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ قول کہ وہ امام ہے عیاں اور بیّن ہے جس میں کسی حجت و تکرار کی گنجائش نہیں لیکن یہ بات کہ وہ نیک کردار ہے یا فاجر ہے

فی هذا فهو شبیه بمن نازع فی ولایة ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وملک کسریٰ وقیصر والنجاشی وغیرهم من الملوک

(ص۲۳ ج منهاج السنة)

پرہیزگار ہے یا گنہ گار اور دیگر ہے۔ پس اہل سنت جو یزیدؒ کو یا عبدالملکؒ کو یا المنصورؒ یا ان کے علاوہ دوسرے خلفاء کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہیں اور جو کوئی اس بارے میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی (حضرت) ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی (خلافت) کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں میں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے۔

سیرۃ یزیدؒ کے سلسلہ میں یہ گفتگو اس بحث پر یوں ضروری ہوئی کہ صدیوں سے جو پروپیگنڈہ، سیاسی منافشات کی بنا پر بنی امیہ اور خاص طور پر امیرالمومنین یزیدؒ کے خلاف ہوتا رہا۔ اس کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک طبقہ ان کو جائز خلیفہ تسلیم کرنے سے ہی منکر ہوا۔

خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا مندرجہ بالا بیان تاریخی حقائق پر مبنی ہے اور تاریخ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ تاریخ کی کھلی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تینوں خلافتیں متفق علیہ طور سے گذریں۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت سے حضرت علیؓ کے توقف کرنے کی کیسی غلط شہرت دی گئی۔ حالاں کہ ان

کے بعجلت تمام بیعت کرنے کی روایت بھی علامہ ابن جریر طبری نے جن کا مسلکاً شیعہ ہونا۔ اہل تحقیق کے نزدیک اب مختلف فیہ نہیں رہا۔ حبیب بن ثابت تابعی کی سند سے لکھی ہے۔ جن کو علامہ ذہبی نے ثقات التابعین میں شمار کیا ہے اور امام بخاریؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ وہ راوی ہیں کہ جنھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے حدیثوں کی سماعت کی تھی (ص۲۰۹ ج میزان الاعتدال) حبیب ابن ثابت فرماتے ہیں:۔

کان علیؓ فی بیتہٖ اذ اُتی فقیل لہٗ قد جلس ابوبکر للبیعة فخرج فی قمیص ما علیہ ازارٌ ولا رداءٌ عجلاً کراهیةً ان یُبطی عنها حتی بایعه ثم جلس الیه وبعث الی ثوبه فاتاه فتجلله و لزم مجلسه

(ص۲۰۱ ج طبری طبع اول مصر)

حضرت علی اپنے گھر میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور انھیں اطلاع دی کہ ابوبکرؓ بیعت لینے کے لئے بیٹھے ہیں۔ علیؓ یہ سنتے ہی باہر نکل آئے اس وقت ان کے بدن پر نہ چادر تھی نہ ازار۔ ان کو اس قدر جلدی اس لئے تھی کہ وہ بیعت میں پیچھے رہ جانے کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ انھوں نے ابوبکرؓ سے بیعت کی پھر ان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑے منگوائے کپڑے آگئے تو پہنے اور ان کی مجلس میں بیٹھے رہے۔

دوسری روایت بھی اسی طبری میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہے یعنی عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا۔

"اشهدت وفاة رسول الله صلی الله علیه وسلم قال نعم"
کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔ فمتی بویع ابوبکر" ابوبکرؓ سے بیعت کب کی گئی"۔ اس کے جواب میں فرمایا۔ جس دن آنحضرت کی وفات ہوئی اسی دن۔ "صحابہ اس کو اچھا نہیں جانتے تھے کہ ایک دن بھی اس طرح گذاریں کہ وہ جماعت سے منسلک نہ ہوں اس پر عمرؓ نے پھر پوچھا کہ کیا ابوبکرؓ کی کسی نے مخالفت کی تھی؟ سعید بن زید نے جواب دیا۔ نہیں، البتہ مرتد نے یا انصار میں سے اس شخص نے مخالفت کی تھی جو قریب تھا کہ مرتد ہو جاتا۔ اگر اللہ عزوجل اس کو اس سے نہ بچا لیتے۔ عمرؓ نے پھر پوچھا فھل قعد احد" من المھاجرین کیا مہاجرین میں سے کسی نے پہلو تہی کی تھی۔ حضرت سعیدؓ نے کہا کہ "نہیں مہاجرین تو بغیر بلائے ہی بیعت کرنے ٹوٹ پڑے تھے"۔

خود حضرت علیؓ کا یہ قول بسند صحیح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ پر غور کیا تو سمجھا کہ نماز اسلام کا ستون اور دین کی اصل بنیاد ہے تو رسول اللہؐ نے جس شخص کو ہمارے دین کی امامت کا حکم فرمایا۔ اسی کو ہم نے اپنی دنیوی قیادت کے لئے منتخب کر لیا، ابوبکرؓ کو اپنا امیر بنا لیا۔ جب انہوں نے جہاد کا اعلان کیا ہم نے ان کے حکم پر جہاد کیا۔ جو انھوں نے عطا کیا اس کو بخوشی قبول کر لیا۔ اور ان کے حکم سے حدود اللہ قائم کیں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

واقعات تاریخ شاہد ہیں کہ حضرت علیؓ برابر ان خدمتوں کو انجام

دیتے رہے جو خلیفہ رسول اللہ ان کو سپرد کرتے تھے۔ آنحضور کی وفات کے اٹھارہ دن بعد ہی جب جیش اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کئے ایک دستہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں متعین کیا (طبری ج ۳ ص ۲۲۳)

پھر جب نواح مدینہ میں غدار قبیلوں کی سرکوبی کے لئے خلیفہ رسول اللہ بنفس نفیس مقام ذوالقصہ تشریف لے جانے لگے، حضرت علیؓ نے آکر آپ کی سواری کی باگ پکڑ لی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ[1]

"اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آپ سے اس وقت وہی کہوں گا جو غزوہ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں رکھیں اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ہمیں دردمند نہ کریں"۔

البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۱۵

حضرت علیؓ کے حضرت ابوبکرؓ سے "تخلف عن البیعۃ" کی روایتیں مابعد کے مشاجرات صحابہ کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؓ کا پنجوقتہ نمازیں حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں پڑھنا تو کسی ثبوت کا محتاج نہیں۔ فدک وغیرہ کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی ناراضی کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ حضرت علیؓ بھی اپنے زمانہ میں اسی طرح

---

[1] طبری میں نام کا اظہار نہیں ہے "قال لہ المسلمون" کہہ کر بتغیر الفاظ یہی مضمون ہے۔ ج ۳ ص ۲۲۲

عمل کرتے رہے۔ جیسا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کرتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بیمار ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے انھیں اندر بلایا۔ اور باتیں کیں۔ (الموافقہ بین اھل بیت والصحابہ زمخشری)

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بچپن سے حضرت ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینی و ملی خدمات کی انجام دہی میں منہمک دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ رسول اللہ کے جناب میں ان کی کیا کچھ منزلت ہے۔ ان کے مشوروں پر کیسا اعتماد ہے۔ ان کی خدمات کا کیا کچھ اعتراف ہے۔ کیسی کچھ قدر ہے۔ انہوں نے تو اپنے کانوں سنا تھا۔ جب آنحضورؐ نے حضرت حسانؓ مداح رسول اللہ سے پوچھا تھا کہ ابوبکر کی شان میں بھی کچھ کہا ہے۔ اس پر چند شعر سنائے جنہیں سن کر آپؐ بہت خوش ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو بڑا بزرگ جانتے۔ ان کے فرمانے کو مانتے۔ ان کے فیصلے کو بخوشی اور خوش دلی قبول کرتے تھے۔ یہ خفگی اور ناراضگی کی باتیں سب وضعی ہیں۔

اب حضرت حسانؓ کے وہ شعر سنئے جنہیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سچ کہا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔

فضحک رسول اللہ حتی بدت نواجذہ۔ — یہ سن کر رسول اللہؐ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہوگئے اور فرمایا

ثم قال: صدقت یا حسان هو کما قلت۔ — اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں۔

وہ شعر یہ تھے :-

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقة — فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

مصیبت کے وقت اگر کسی بھروسے کے آدمی کی یاد کرو۔ — تو اپنے بھائی ابوبکر کی ان خدمات کو نہ بھولو جو انہوں نے انجام دیں۔

خیر البریة اتقاها واعدلها — بعد النبی و اوفاها بما حملا

نبی کے بعد خلق میں سب سے زیادہ متقی اور عادل — اور ہر ذمہ داری کو پورا کرنے والے ہیں

الثانی التالی المحمود مشهده — واول الناس منهم صدق الرسلا

نبی کے ہمراہ وہ دوسرے شخص تھے جن کا مشہد پسندیدہ ہے۔ — اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے انبیا کی تصدیق کی۔

وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد — طاف العدو به اذ صعد الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے — جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گرد گھوم رہے تھے

وکان حب رسول اللہ قد علموا — من البریة لم یعدل به احدا

وہ رسول اللہؐ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کے ساتھ علم ہے۔ — کہ ساری مخلوق میں آپؐ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی نہیں۔

نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید شیعی نے فاضل شریف المرتضٰی کی کتاب الشافی کے حوالے سے سنی قاضی القضاۃ کی کتاب سے یہ کہہ کر ایک عبارت نقل کی ہے کہ صاحب علم قاضی القضاۃ اس میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کے جنازے کی نماز پڑھائی تھی اور چار تکبیریں کہی تھیں۔ [illegible] ابوبکر هو الذی صلی علی فاطمة و کبر اربعا (شرح نہج البلاغہ جلد ۴ مطبوعہ ایران) یہی ابن

ابی الحدید کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے جنازے کے پاس کھڑے ہو کر حضرت علیؓ نے جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا۔ رحمک اللہ ابا بکر کنت اوّل الناس اسلامًا (شرح ایضاً) یعنی اے ابوبکرؓ، رحمت ہو اللہ کی آپ پر، آپ ہی ہیں سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

اسی طرح حضرت فاروقِ اعظمؓ کی ذات سے حضرت علیؓ کو یہ عقیدت تھی کہ ان کے ایام خلافت میں کنیت کے بجائے ان کو امیر المومنین کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ یہی ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ فرماتے ہیں۔

ان علیًا لم یخاطب عمر منذ ولی الخلافۃ بالکنیۃ وانما کان یخاطبہ بامرۃ المسلمین هکذا ینطق کتب الحدیث و کتب السیر والتواریخ۔

(شرح نہج البلاغہ مطبوعہ ایران)

(حضرت) علیؓ (حضرت) عمرؓ کو اس وقت سے جب سے وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ امیر المومنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح سے کتب حدیث و کتب سیر و تواریخ میں بیان ہوئی ہے۔

ابن جریر طبری ہی نے لکھا ہے کہ خلافتِ فاروقیؓ میں حضرت علیؓ نے قاضی کی حیثیت سے کام کیا تھا (ج ص) [illegible] میں ایران میں جب مسلم مجاہدین زبردست معرکوں میں دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ ان کے سردار ابو عبید ثقفی کے مقتول ہونے سے مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے چند ہی مہینوں میں زبردست فوج اکٹھی کی اور ارادہ کیا کہ میں خود سپہ سالار بن کر چلوں گا چنانچہ حضرت علیؓ کو مدینہ میں مقرر کر کے عراق کی طرف کوچ کیا۔ چند میل چلے تھے کہ صحابہ کبار نے رائے

دی کہ امیر المومنین کا محاذ جنگ پر بذات خود تشریف لے جانا مناسب نہیں۔ آپ نے ارادہ ترک کر دیا (ج ص) مورخین نے حضرت علیؓ کو آپ کی غیبت میں اپنا نائب مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ان دونوں بزرگوں سے یہ محبت اور احترام حضرت علیؓ کو کیوں نہ ہوتا جبکہ بچپن ہی سے ان ہی دونوں کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور وزیر و مشیر کے دیکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

قال علیٌ کثیرًا ما کنتُ اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت انا و ابوبکر و عمر و فعلتُ انا و ابوبکر و عمر و خرجت انا و ابوبکر و عمر و دخلتُ انا و ابوبکر و عمر۔

(ج ص ازالۃ الخفا طبع اوّل)

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اور ابوبکر و عمر تھے، میں نے اور ابوبکر و عمر نے یہ کیا اور میں اور ابوبکر و عمر نکلے (میں اور ابوبکر و عمر چلے) میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے۔

بعثت رسول اللہ کے وقت حضرت علیؓ صرف پانچ برس کے صغیر السن تھے آٹھ دس برس کے بعد ان کی عمر ایسی ہوئی کہ یہ باتیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جن کی پرورش میں رہتے تھے سن کر حافظہ میں محفوظ رکھیں اور بیان کیں۔ خود ابن ابی الحدید ہی ان کے سن و سال کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قد علمنا بالروایۃ الصحیحۃ والشہادۃ القائمۃ انہ (علیؓ)

ہم کو روایت صحیحہ اور شہادت قائمہ سے معلوم ہوا کہ وہ (علیؓ) جب اسلام لائے تو وہ (بہت

اسلم وهو حدث عزیر وطفل صغیر ثم نکذب الناقلین ولم نستطع ان نلحق اسلامه باسلام البالغین (شرح نہج البلاغہ)

چھوٹی عمر کے طفلِ صغیر تھے۔ پس ہم ناقلین کی تکذیب نہیں کر سکتے اور نہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں کہ ان کا اسلام بالغین کے اسلام کے برابر کر سکیں۔

ان سب بزرگوں کے درمیان کامل اتحاد تھا، ادھر سے عقیدت و احترام تھا اُدھر سے محبت و شفقت۔ اسی اتحاد و محبت کا قوی ثبوت ہے کہ اپنی نور دیدہ سیدہ اُمِّ کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا رضی کو حضرت عمرؓ کے عقد میں دیا تھا[۱]۔ اور جب حضرت عمرؓ ایک مجوسی کے ہاتھ سے شہید ہوئے، جنازہ اٹھتے وقت کس حسرت سے یہ الفاظ فرمائے تھے

قال (علیؓ) مامن الناس احدٌ احب الیّ ان القی اللہ بما فی صحیفۃ من ھذا المسجّٰی۔ (۳۱۵ ج ازالۃ الخفاطبع اوّل)

(حضرت علیؓ نے) کہا انسانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ اللہ کے حضور میں اس کا اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش ہونا بہ نسبت اِن صاحبِ جنازہ کے نامۂ اعمال کے مجھے زیادہ محبوب ہو یعنی کاش میرا بھی نامۂ اعمال ان ہی کے نامۂ اعمال جیسا ہو۔

نظامِ ملّی کا رشتہ حضرت صدیق اعظمؓ کی عظیم ترین خدمات دینیہ و ملیہ کی بدولت

---

[۱] سیدہ اُمِّ کلثومؓ کے بطن سے دو اولادیں ایک صاحبزادے زید بن عمر فاروقؓ اور ایک صاحبزادی رقیہ بنت عمر فاروقؓ۔

جنہوں نے قبلِ خلافت اور عہدِ خلافت میں انجام دیں۔ حضرات شیخین کا زمانہ اخوت و محبت اور یک جہتی کا مثالیہ زمانہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس مبارک عہد کی تصویر کشی اِن الفاظ میں کی ہے:-

تمام مسلمین در زمان ایشان باہم مؤتلف و با یکدیگر متراحم و بر کفار شدید و بر جہاد متوافق، نام مخالفت درمیان ایشان واقع نہ۔ سپاہ و رعایا خلیفہ را از جان خود دوست دار تر و خلیفہ بر رعایا و سپاہ از پدر مشفق و مہربان تر۔ (ص ۱۲۹ ج ازالۃ الخفاطبع اوّل)

تمام مسلمین ان کے (شیخینؓ) کے زمانہ میں باہم متحد اور ایک دوسرے کے مہربان تھے، کفار پر شدید اور جہاد پر متفق تھے۔ مخالفت کا نام بھی اِن کے درمیان نہیں آیا تھا۔ سپاہ اور رعایا خلیفہ کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتی اور خلیفہ رعایا اور سپاہ پر باپ سے زیادہ مشفق اور مہربان تھے۔

اس زمانہ کی برکات خلیفہ سوم حضرت عثمان ذی النورینؓ کے عہدِ خلافت تک باقی رہیں۔ اور نشو و نمائے ملت اسی منہاج پر جاری رہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمایا تھا۔

آنحضرتؐ برائے نشو و نمائے ملت اسلامیہ صورتے معین فرمودند کہ تا آخر عہد حضرت عثمانؓ متحقق شد۔ (ازالۃ الخفا ج ۱ ص ۱۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت اسلامیہ کے نشو و نما کے لئے ایک صورت معین فرمائی تھی جو آخر عہد حضرت عثمانؓ تک یقیناً رہی۔

نشو و نمائے ملت اسلامیہ کے لئے اجتماع اور ائتلاف کو جو اہمیت تھی اس کا

قدرے اندازہ آنحضور صلعم کے خطبۂ حجۃ الوداع کے بعض ارشادات سے ہوتا ہے جو اُمّت کو وصیت کے طور پر فرمائے گئے تھے۔ ارشاد ہوا تھا:-

ایّھا النّاس! ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربّکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا الاھل بلغتُ اللّٰھم اشھد۔	لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال تمہاری عزتیں قیامت کے دن تک ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن (یوم حج) کی اس مہینہ کی اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کرتے ہو۔ دیکھو میں نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اے اللہ گواہ رہیو

پھر اسی خطبہ میں یہ ہدایت کس بلیغ لہجہ میں صحابہ کو کی گئی تھی۔

اَلَا فلا ترجعوا بعدی ضلالًا یضرب بعضکم رقاب بعض:-	خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتے مجوسی غلام نے[1] خنجر سے زخم کاری لگایا تھا۔ جب تحقیق ہو گیا کہ قاتل کون ہے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا

---

[1] حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ایران کی ساسانی شہنشاہیت کا خاتمہ ہوا تھا ایرانی سازش ہی نے آپ کا خاتمہ کیا ؎

بشکست عمرؓ پشت ہزبران اجم را	برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را
این عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست	با آلِ عمرؓ کینۂ قدیم است عجم را

اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں کسی کلمہ گو کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا اور میرا زمانہ وہ نہیں جس سے رسول اللہ نے ڈرایا تھا۔

حضرت عمرؓ تو مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے کیونکہ اس بلند معیار پر جو ان کے پیش نظر تھا اور جس کا اظہار بھی چند بلیغ جملوں میں انہوں نے کیا تھا کوئی شخص پورا نہ اترتا تھا لوگوں کے اصرار پر چھ اکابر صحابہؓ کی مجلس شوریٰ بنا دی کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کر لیں مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کر دی کہ اگر پانچ ایک طرف ہوں اور ایک اُن کے مخالف تو اس ایک کی گردن مار دی جائے اگر چار ایک رائے ہوں اور دو مخالف تو ان دو کا خاتمہ کر دیا جائے اور اگر رائیں مساوی ہوں تو جدھر عبدالرحمٰن بن عوفؓ رائے دیں وہ قبول کی جائے اور مخالفت کرنے والوں کی گردن اُڑا دی جائے۔ گویا ایسے نازک لمحات میں بھی اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ ان عظمائے ملت یعنی عثمانؓ و علیؓ و طلحہؓ و زبیرؓ و سعدؓ و عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں سے جو اختلاف کرے اس کی گردن مار دی جائے اس کڑی شرط نے باوجودیکہ شوریٰ میں سے ہر شخص رائے دہندہ بھی تھا اور امیدوار بھی یہ صورت پیدا کر دی کہ ایک صاحب نے اپنے کو امیدوار ہونے سے علیحدہ کر لیا اور بقیہ حضرات نے اظہار رائے کے بعد ان کو یعنی عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مختار کر دیا کہ وہ اپنے صوابدید اور عام لوگوں کے خیالات اور رائیں معلوم کر کے عثمانؓ و علیؓ میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں۔ طبری نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے منتخب نہ ہونے کا ملال ہوا اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ پر طرفداری کا الزام لگایا۔ جس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا:

"اے علی! اپنے خلاف مجھے قدم اٹھانے پر مجبور نہ کرو۔ میں نے بہت غور کیا اور برابر لوگوں سے مشورے کرتا رہا مگر وہ کسی کو بھی عثمانؓ کے برابر نہیں سمجھتے۔" یعنی حضرت علیؓ یہ کہتے ہوئے چل دیئے سیبلغ الکتاب اجلہ تحریر بہت جلد اپنی مدت کو پہنچ جائے گی۔ لوگ حضرت عثمانؓ سے بیعت کرنے پر ٹوٹ پڑے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب حضرت علیؓ کو جاتے دیکھا تو پکار کر کہا۔ ومن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما۔ (جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ہی نفس کے خلاف کرتا ہے اور جو اللہ کے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتا ہے تو اللہ اسے بڑا اجر دے گا) اس پر حضرت علیؓ لوٹے اور بیعت کرلی مگر برابر یہ کہتے رہے "فریب ہے اور کتنا بڑا فریب!" (طبری) معلوم نہیں طبری کا یہ بیان کہاں تک صحیح ہے لیکن واقعات شاہد ہیں کہ اس الیکشن کے بعد سے امت میں پہلی مرتبہ کچھ ذاتی وخاندانی ونسلی امتیازات کی باتیں ہونے لگیں اور حضرت عثمانؓ کے تقریباً بارہ ۱۲ سالہ عہد خلافت میں جب فتوحات کی کثرت اور مال وغنائم کی بہتات سے معاشرے کی وہ صورت تبدیل ہونے لگی جو اس سے پہلے کی دو خلافتوں میں سادگی کی رہی تھی۔ بہت سے صحابہ دیگر ممالک اور صوبوں میں جا بسے تھے عجمیوں کے اختلاط سے ایک نئی نسل بھی خاص کر کوفہ وبصرہ میں پیدا ہو چکی تھی۔ مدینہ اور اس کے باہر جب حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال پر نکتہ چینیاں شروع ہوئیں اور دولت واقتدار کے حصول کے فتنے نے سر نکالا تو منافقین کو بھی اس اختلاف کو ہوا دینے کا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ عبداللہ بن سبا نے جس کے وجود کو مصری فاضل ڈاکٹر

طٰہٰ حسین نے فرضی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ پُر فریب پروپگنڈہ شروع کر دیا جس کی تلخی تاریخ سے آج تک امت کو چھٹکارہ نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ پر بلوائیوں کی یورش ہوئی مگر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت اور وصیت کا اس درجہ پاس ولحاظ کیا کہ باوجود ہر طرح کی قدرت کے اپنی حفاظت اور جان بچانے کے لئے قوت اور تشدد برتنے کا مطلق خیال نہ کیا اور جوار رسول اللہ میں کسی کلمہ گو کے خون بہانے کے روادار نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہ صحابہ کی شہر میں موجودگی کے باوجود یہ تقریباً اسی برس کے بامسلمین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔ آپ کی سیو بھی زد و بن کے پہنچے۔ سابقون الاولون میں سے بڑے فیاض ورحمدل اور رسول اللہؐ کے چہیتے تھے۔ تلاوت قرآن کرتے ہوئے اپنے گھر کے اندر ذبح کر دیئے گئے مگر قاتلین پر ہاتھ اٹھانے یا اٹھوانے کے لئے باوجود لوگوں کے بار بار اصرار کرنے کے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کی زوجہ محترمہ سیدہ نائلہ کے خط کے مضمون سے جو انہوں نے اپنے مقام شوہر کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہی حضرت معاویہؓ کو قاصد کے ہاتھ بھیجا تھا اور اپنے چشم دید واقعات تحریر کئے تھے۔ ان حالات کا انکشاف ہوتا ہے جو اکثر تاریخ میں بیان نہیں ہوئے۔ یہ خط شعبی اور مسلمہ بن محارب نیز حضرت معاویہؓ کے پوتے حرب بن خالد بن یزید بن معاویہؓ کی اسناد سے ایک شیعہ مؤلف یعنی ابوالفرج الاصفہانی متوفی ۳۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب اغانی (ج ۱۵ ص ۶۹) میں درج کیا ہے۔ ابتدائی نصرت کے بعد خط کا مضمون یہ بتایا گیا ہے۔

مضمون خط سیدہ نائلہ بیوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

وانی قد اقص علیکم خبرہ لانی کنت
مشاھدۃ امرہ کلہ حتی قضی اللہ
علیہ. ان اھل المدینۃ حصروہ
فی دارہ یحرسونہ لیلھم ونہارھم
قیامًا علی ابوابہ بسلاحھم یمنعونہ
کل شئ قدروا علیہ حتی منعوہ
الماء یحضرونہ الاذی ویقولون
لہ الافک واھل مصر اسندوا
امرھم الی محمد بن ابی بکر وعمار
بن یاسر وکان علی مع المحرضین
من اھل المدینۃ ولم یقاتل مع
امیر المؤمنین ولم ینصح ولم
یامر بالعدل الذی امر اللہ تبارک
وتعالی بہ فظلت تقاتل خزاعۃ
وسعد بن بکر وھذیل وطوائف
من مزنیۃ وجھینۃ ولا ام ی
سائرھم ولکنی سمیت لکم الذین
کانوا اشد الناس الیہ فی اول

میں ان کا پورا واقعہ تم سے بیان کرتی
ہوں جو میرا اپنا چشم دید ہے اہل مدینے
ان کے گھر کا چاروں طرف سے پورا سخت
مسلح محاصرہ کر رکھا تھا دن رات دروازں
پر پہرا تھا ہرگز کوئی چیز یہاں تک کہ
پانی سے بھی منع کر دیا تھا۔ ان پر الزامات
لگاتے رہے گالیاں دیتے رہے مصری جماعت
کے سرغنہ محمد بن ابی بکر وعمار بن یاسر تھے
اور علی بھی مدینہ کے لوگوں کے ساتھ تھے
انہوں نے نہ امیر المؤمنین کی کوئی مدد
کی نہ اُن کی جانب سے لڑے اور نہ انہوں
نے اس عدل سے کام لیا جس کا حکم
اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا ہے۔ خزاعہ، سعد
بن بکر، ہذیل، مزنیہ وجہینہ کے قبائل
لڑائی کرتے رہے سب ہی اکثر موجود
تھے۔ میں نے ان میں سے جو شدید تھے
ان کے نام لکھ دیئے ہیں ان لوگوں نے
گھر میں تیر اور پتھروں کی بھرمار کر دی

امرہ وآخرہ ثم انہ رمی بالنبل
والحجارۃ فقتل ممن کان فی الدار
ثلاثۃ نفر فاتوہ یصرخون الیہ
لیاذن لھم فی القتال فنہاھم عنہ
وامرھم ان یردوا علیھم نبلھم
فردوھا الیھم فلم یزدھم ذالک
علی القتال الا جراءۃ وفی الامر
الا اغراء ثم احرقوا باب الدار
فجاءھم ثلاثۃ نفر من اصحابہ
فقالوا ان فی المسجد ناسًا یریدون
ان یاخذوا اھل الناس بالعدل
فاخرج الی المسجد حتی یاتوک
فانطلق فجلس فیہ ساعۃ واسلحۃ
القوم مظلۃ علیہ من کل ناحیۃ
ما اری احدا یعدل فدخل الدار
وقد کان نفر من قریش علی عامتھم
السلاح فلبس درعہ وقال لا
صحابہ لولا انتم ما لبست درعا
فوثب علیہ القوم فکلمھم ابن الزبیر

تین آدمی گھر میں قتل ہو گئے مجبور ہو کر
گھر کے اور آدمیوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی
اجازت مانگی انہوں نے اجازت نہیں
دی بلکہ حکم دیا کہ تیر دشمنوں کو واپس
کر دو مگر اس سے وہ کچھ نرم نہ پڑے
بلکہ اور دلیر ہو گئے پھر انہوں نے دروازہ
میں آگ لگا دی آخر تین آدمیوں کی
کوشش سے مسجد میں ان لوگوں کے
سامنے مصالحت کے لئے روبرو بات
کرنے کے لئے بلوایا وہ اسلحہ کے سایہ میں
تھوڑی دیر بیٹھے رہے نتیجہ کچھ نہ نکلا
اور پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ اس وقت
قریش سب مسلح تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی
زرہ پہن لی تھی یہ کہہ کر کہ میں تمہاری
وجہ سے پہنتا ہوں ورنہ مجھے اس کی
ضرورت نہ تھی۔ اتنے میں ان پر حملہ
کیا گیا۔ ابن زبیر نے ان لوگوں کو سمجھایا
اور ان سے تحریری معاہدہ کیا جس
میں پختہ عہد کیا گیا تھا کہ اب کوئی

واخذ علیہم میثاقا فی صحیفۃ و
بعث بہا الی عثمان ان علیکم
عہد اللہ ومیثاقہ الا تغزوہ
بشئ فکلسوہ وتحرجا فوضع
السلاح فلم یکن الا وضعہ
حتی دخل علیہ القوم یقدمہم
ابن ابی بکر حتی اخذوا بلحیتہ
ودعوہ باللقب فقال انا عبد اللہ
وخلیفتہ فضربوہ علی راسہ
ثلاث ضربات وطعنوہ فی صدرہ
ثلاث طعنات وضربوہ علی مقدم
الجبین فوق الانف ضربۃ
اسرعت فی العظم فسقط علیہ
وقد اثخنوہ وبہ حیاۃ وہم
یریدون قطع راسہ لیذہبوا بہ
فاتتنی بنت شیبہ بن ربیعہ
فالقت نفسہا معی علیہ فتوطانا
وطاء شدیدا وعرینا من ثیابنا
وحرمۃ امیر المومنین اعظم

حملہ نہ ہوگا۔ تو باز آگئے ابن زبیرؓ نے بھی
ہتھیار اُتار دیئے مگر فوراً موقع پاکر
ان لوگوں کی ایک جماعت جس کے
آگے آگے محمد بن ابوبکر تھے اندر آکر حملہ
کر دیا اور آتے ہی داڑھی پکڑ لی اور
گالی دی (حضرت) عثمانؓ نے کہا کہ میں
تو اللہ کا بندہ اور اس کا خلیفہ ہوں
اسی اثنا میں ان لوگوں نے تین وار
نیزے کے آپ کے سینے پر کئے اور تین
وار سر پر کئے اور ایک تلوار چہرے کے
اگلے حصے پر ایسی ماری کہ ہڈی
تک بیٹھ گئی۔ میں عثمانؓ پر چھا گئی
تا کہ ان کو بچا سکوں کیونکہ وہ سر کاٹ
کر لے جانا چاہتے تھے اتنے میں شیبہ
بن ربیعہ کی بیٹی بھی عثمانؓ پر چھا گئی
ان لوگوں نے ہم دونوں کو کھینچ کر
زمین پر پٹخ دیا اور ہمارے کپڑے
پھاڑ ڈالے مگر عثمانؓ کی حرمت کے
آگے ہمیں اپنی عزت کی پرواہ نہ تھی

فقتلوہ رحمۃ اللہ علیہ فی
بیتہ وعلی فراشہ وقد ارسلت
الیکم بثوبہ وعلیہ دمہ وانہ
واللہ لئن کان اثم من قتلہ
لما سلم من خذلہ فانظروا
این انتم من اللہ عز وجل
فانا نشکی مامسنا الیہ ونستنصر
ولیہ وصالح عبادہ

اس طرح ان کے بستر پر ان کے گھر میں
ان کو مار ڈالا میں ان کا خون لگا کرتا
تم کو بھیجتی ہوں اگر قاتل مجرم ہیں تو
وہ بھی مجرم ہیں جنہوں نے رسوا ہوتے
دیکھا اور مدد نہیں کی۔ اب سوچ لو
خدا کو منہ دکھانا ہے۔ فریاد ہے مصیبت
کا پہاڑ ہم پر ٹوٹ پڑا عثمانؓ کے ولی اور
اللہ کے نیک بندوں سے مدد طلب کی
(نائلہ بیوہ عثمانؓ)

مضمون خط کے بیان کرنے میں راویوں سے سہواً یا عمداً کوئی غلطی بھی ہوئی
ہو خلیفہ وقت کو اس سفاکانہ بیرحمی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر گھس کر قتل کرنا
اور اسوقت قتل کرنا جب کہ وہ تلاوت قرآن میں مصروف ہوں، ایسا حادثہ
تھا کہ اگر بیوہ عثمان فریادی نہ بھی ہوتیں تو قاتلین سے قصاص لینا خصوصاً
مقتول کے رشتہ داروں کا نص قرآن کی رو سے فرض اولین تھا حضرت علیؓ اور
دوسرے اکابر صحابہ کو جو اسوقت مدینہ میں موجود تھے، شاید یہ گمان نہ تھا کہ بلوائی
اس فعل شنیعہ کا ارتکاب کر سکیں گے۔ سازش کا الزام تو کسی طرح ثابت نہیں
بلاذری کی روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ اپنے گھر میں گئے، ان کی بیٹیاں
رو رہی تھیں، انھیں دیکھ کر آنسو پونچھنے لگیں، پوچھا کیوں رو رہی ہو۔
قلن تبکی علی عثمان فبکی وقال — انہوں نے کہا کہ (پھوپھا) عثمانؓ پر

(یہ سن کر حضرت علیؓ خود) رونے لگے اور فرمایا ہاں روؤ۔

فتنہ اولیٰ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا میں ایک موقع پر لکھا ہے:-

پس فتنۂ اولیٰ مقتل حضرت عثمانؓ و مابعد اوست تا آنکہ خلافت معاویہ بن ابی سفیان مستقر شد و فتنۂ ثانیہ بعد فوت معاویہ بن ابی سفیان تا استقرار خلافت عبدالملک۔
(ج۲ صفحہ ۱۳)

پس پہلا فتنہ حضرت عثمانؓ کے قتل اور اس کے مابعد کے واقعات ہیں اسوقت تک کے جب تک کہ خلافت معاویہ بن ابوسفیانؓ قائم نہ ہوئی اور دوسرا فتنہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد سے اسوقت تک ہے جبکہ خلافت عبدالملک (بن مروان) قایم نہ ہوئی۔

فتنہ سے مراد وہ خانہ جنگیاں ہیں جن سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اجتماع و ائتلاف کے فقدان سے خلافت خاصہ کے برکات زائل ہوگئے اس حالت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

چون نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ رسید بحکم تقدیر الٰہی تفرق امت پدید آمد اکثر بلدان از طاعت خلیفہ بر آمدند۔
(ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۴۹)

جب نوبت خلافت حضرت مرتضیٰ کی پہنچی تقدیر الٰہی سے امت میں تفرقہ پڑ گیا اور اکثر شہر خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہوگئے۔

یہاں خانہ جنگیوں کے حالات بیان کرنے مقصود نہیں۔ عرض کرنا یہ ہے کہ

جھگڑے بھی شدید ہوئے، خوں ریزی بھی ہوئی لیکن نیتوں میں چونکہ شر نہ تھا۔ سبائیوں کی دراندازیوں کے باوجود لڑ جھگڑ کر پھر بھی ایک ہوگئے۔ یہ صحابہ اور تابعین تھے جن کی طبائع کی صحیح عکاسی ان الفاظ میں کی گئی ہے ؎

جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آیندہ تر تھا

عام الجماعت حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے بعد صلح اپنے والد ماجد کی آخری وصیت کی متابعت میں بیعت کرلی اتحاد المسلمین کی پھر وہی کیفیت رونما ہوئی جو خلفائے ثلاثہ کے مبارک زمانہ میں تھی۔ اس خوشی میں صحابہ اور تابعین نے اس سال کا نام ہی عام الجماعۃ رکھا یعنی جماعت مسلمین کے اتحاد و اتفاق کا سال حضرت معاویہؓ اس کے بعد تقریباً بیس سال تک مسند خلافت پر متمکن رہے اور بے نظیر حسن تدبر سے تمام فتنہ پردازانہ سرگرمیوں کو دور کرکے ہر خطہ مملکت میں امن امان کو بحال کیا۔ سب سے زیادہ ابتر حالت شرقی ممالک کی تھی وہاں کا نظم و نسق حکومت درست کرنے کے لئے اپنے سوتیلے بھائی امیر زیادؒ کو متعین کیا جو حضرت علیؓ کے زمانہ سے گورنر فارس تھے اور حسن انتظام کی بدولت ایرانی رعایا ان کو نوشیرواںؔ ثانی کہتی تھی اپنے بھائی کی طرح امیر زیادؒ بحیثیت مدبر و منتظم و حکمران عظیم شخصیت کے حامل تھے مفسدین کے لئے درشت مزاج، امن پسندوں کے لئے نرم خو بقول شاعر ؎

لہ صفحہ ۲۸۵ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۵۵ء مقالہ ایڈورڈ تھامس

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصد کہ جراح و مرہم نہ است

مفسدین کا قلع قمع ہو کر بہت جلد ان ممالک کی حالت بھی درست ہو گئی چنانچہ امت کے داخلی اور خارجی تمام تعمیری کام جو پچھلے چار پانچ برس کی طوائف الملوکی سے رکے پڑے تھے ۔ اب حضرت معاویہؓ نے تیزی سے شروع کئے ہر طرف خوشی و مرفعہ الحالی کی لہریں دوڑ گئیں ۔ امیر المومنین کا اصول حکمرانی ، حلم و کرم ، عدل و انصاف ، جود و سخا تھا جس سے رعایا کے محبوب بن گئے تھے ۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " کانت سیرۃ معاویۃ مع رعیتہ من خیار سیر الولاۃ وکان رعیتہ یحبونہ (یعنی حضرت معاویہؓ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے بہترین سلوک کی طرح تھا اور ان کی رعایا ان سے محبت کرتی تھی) صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ خیار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم ویصلون علیکم وتصلون علیہم (ص ۳۳ ج ۶۵ و ۶۶ ، تم میں بہترین حکمراں وہ ہوں گے جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کریں ، تم ان کو دعا دیتے ہو وہ تم کو دعا دیں ۔ سرداری و حکمرانی کی جو بہترین صفات ان کی ذات میں مجتمع تھیں ایسی کسی میں کم ہوں گی ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے ما رأیت رجلاً اخلق بالملک من معاویۃ (میں نے کسی شخص کو بھی حکمرانی سے ایسی مناسبت رکھتے نہیں دیکھا جیسی حضرت معاویہؓ کو ہے ۔ اسی طرح دیگر معاصرین کے تاثرات ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے تھے ما رأیت احداً اسود من معاویۃ (میں نے حضرت معاویہؓ سے

زیادہ سرداری کے لائق کسی کو نہ پایا) سننے والے نے جب سوال کیا کہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ ؟ فرمایا حضرت عمرؓ ان سے برتر تھے دیگر صفات میں لیکن معاویہؓ سرداری میں بڑھ کر تھے ۔ ص ۱۳۵ ج ۸ البدایہ والنہایہ) علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت لیث بن سعدؒ کی سند سے جو زاہد وقت اور متقی و متورع عالم تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فاتح ایران اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے ۔ یہ قول نقل کیا ہے کہ ما رأیت احداً بعد عثمان اقضی بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ (میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو ایسا حقانی فیصلہ کرتے نہیں دیکھا جیسے یہ دروازے والا ہے یعنی معاویہؓ) حضرت عمیر بن سعد انصاریؓ جو زاہد صحابی تھے اور حمص کے عامل تھے حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کو معزول کر کے حضرت معاویہؓ کا تقرر کیا ۔ کسی نے ان کے سامنے حضرت معاویہؓ کی تنقیص میں کہا تو حضرت عمیرؓ نے فرمایا لا تذکروا معاویۃ الا بخیر فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللھم اھد بہ (معاویہؓ کا ذکر سوائے بھلائی کے اور کسی طرح نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے " خدایا اسے ہدایت کا ذریعہ بنا " واقعات شاہد ہیں کہ نازک ترین موقعوں پر بھی حضرت معاویہؓ نے رشد و ہدایت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا مسلمان نسلیں رہتی دنیا تک حضرت امیر معاویہؓ کی شکر گذار رہیں گی ۔ کہ عین اس وقت جب قیصر روم اس تاک میں بیٹھا تھا اور اپنی فوجوں کو اسلامی سرحد پر مجتمع کر رہا تھا کہ جوں ہی صفین کی خانہ جنگی میں اسلامی فوجیں برادر کشی سے گھٹ گھٹا کر خستہ و ماندہ ہو جائیں ان پر حملہ کر کے مسلمانوں کی حربی قوت کو فنا کے گھاٹ اتار دے حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اس خطرہ کا احساس کیا قیصر کو ڈانٹ بتائی کہ اگر ایک

قدم بھی تو نے اسلامی سرحد کی طرف بڑھایا تو میں اور میرے چچیرے بھائی (علیؓ) باہم صلح صفائی کریں گے اور پھر ہماری متحدہ فوجیں تیرے علاقہ پر دھاوا کر کے تجھے اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا :-

فلما رای ملک الروم اشتغال معاویةؓ بحرب علیؓ تدانی الی بعض البلاد فی جنود عظیمة وطمع فیه فکتب معاویةؓ الیه : یا لعین ! اصطلحن انا و ابن عمی علیك ولاخرجنك من جمیع بلادك ولاضیقن علیك الارض بما رحبت فعند ذلك خاف ملك الروم وانكف و بعث یطلب الهدنة۔ (البدایہ والنہایہ)

جب قیصر روم نے معاویہؓ کو علیؓ سے جنگ میں مبتلا دیکھا اپنی کثیر فوجیں اسلامی سرحدوں کی جانب قبضہ کرنے کی طمع میں بڑھائیں۔ معاویہؓ نے اس کو لکھ بھیجا : اے لعین ! میں اور میرے چچیرے بھائی تیرے خلاف صلح کریں گے اور تجھ کو تیرے ملک سے نکال دیں گے اور وسیع زمین تجھ پر تنگ کر دیں گے قیصر اس سے خائف ہوا ، لوٹ گیا اور طلب صلح کے لئے وفد بھیجا۔

بعض یورپین مورخین گبن وغیرہ فرماتے ہیں کہ (حضرت) معاویہؓ نے اپنی گلو خلاصی کے لئے قیصر سے دب کر صلح کر لی تھی لیکن مسلمان مورخین نے اس کے قطعاً خلاف لکھا ہے گبن کو خود اعتراف ہے کہ خانہ جنگی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہی خلیفہ معاویہؓ نے رومیوں کے خلاف جہادی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں ، جن میں جیسا ذکر ہو چکا ہے ان کے فرزند امیر یزیدؒ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ علامہ ابن کثیرؒ حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

والجهاد فی بلاد العدو قائم وكلمة الله عالیة والغنائم ترد الیه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو۔

(طلاع البدایہ والنہایہ)

دشمن کے ممالک کے خلاف جہاد برابر قائم تھا اللہ کا نام بلند تھا ، مال غنیمت تمام اطراف ارض سے ان کے پاس آتا تھا اور مسلمان ان کے زمانہ میں آرام و انصاف ، ترحم اور عفو کے ساتھ رہتے تھے۔

مورخ گبن کو بڑی مسرت ہے کہ مسلمانوں کے باہمی تنازعات نے یورپ کے ایک حصہ یعنی فرانس اور برطانیہ کو اسلامی اقتدار کے تحت آجانے سے بچا لیا اور قسطنطنیہ کے مفتوح ہو جانے میں دیر لگی۔ وہ اپنے عیسائی ناظرین کو یہ بتاتا ہے :-

" اس تحقیق و تفتیش کے دوران میں ان واقعات کو منظر عام پر لاؤں گا جن سے ہمارے برطانوی آباؤ اجداد اور ہمارے ہمسایہ گال (یعنی فرانسیسی) قرآن کی معاشرتی و مذہبی حلقہ بگوشی سے بچے رہے جن سے روم کا کروفر و عظمت و جلال محفوظ رہا جن سے قسطنطنیہ کا محکوم ہو جانا رکا رہا اور جن سے ان کے (عیسائیوں) کے دشمنوں (مسلمانوں) کے اندر نفاق و نزاع کی تخم ریزی ہو سکی "

(تاریخ عروج و زوال - روم الکبریٰ)

اس عیسائی مورخ کی یہ مسرت کچھ زیادہ بیجا بھی نہیں ، مجاہدین اسلام کی صفوں میں شہادت عثمانؓ کے بعد کے واقعات سے اگرچہ انتشار و اضمحلال کی کیفیت رونما نہ ہو گئی ہوتی جنگ جمل ، صفین و نہروان میں تقریباً ساٹھ ستر ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کر فنا نہ ہو گئے ہوتے۔ یورپ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ وہ آج مسیحیت

کے دیار و امصار میں ناقوس کلیسا کی آوازوں کے بجائے اذانوں کی آوازیں گونجیں اور اس کے بعض خطوں میں حضرت اقبال کو "خاموش اذانوں" اور "سجدوں کے پوشیدہ نشانوں" کا حسرت کے ساتھ ذکر کرنا پڑتا اور ذہن کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع ملتا وہ تو فیضان تھا حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی کے حسن تدبر کا کہ ملت کی بگڑی حالت کو گویا آن واحد میں سنبھال لیا۔ وہ طبیب حاذق کی طرح قوم کی اندرونی عوارض کا فوری تدارک کرکے کاروانِ ملت کو جادہ پیمائی کے لئے پھر مستعد کر دیا محدث دہلویؒ نے خلیفۂ راشد کی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

چناں کہ طبیب حاذق تدبیر صحت مریض از مواد مرض، دفع مادہ و حمیت می فرماید ہم چناں ایں خلیفۂ راشد جلب صحت طبیعت عالم می کند و ازالۂ مادہ مرض می سازد و ارشاد حمیت می نماید۔
(ترجمہ فی ازالۃ الخفا طبع اول)

جس طرح حاذق طبیب مریض کی صحت اعادہ مرض کے دفیعہ کی تدبیر کرتا ہے اور پرہیز بتاتا ہے، اس طرح خلیفۂ راشد طبائع اہل دنیا کی صحت تدریجی کے حصول کا اور مادۂ مرض کے دفعیہ کا ازالہ کر دیتا ہے اور پرہیز بتا دیتا ہے۔

یہ خلیفۂ راشد کی خدمت تو جو حضرت معاویہؓ نے انجام دی اگرچہ حضرت علیؓ چند سوابق اسلامیہ کے اعتبار سے ذاتی طور سے ان پر فوقیت رکھتے تھے مگر اپنے ماحول کی وجہ سے مقاصد خلافت خاصہ انجام دینے سے قاصر رہے۔ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے کہ:

مقاصد خلافت خاصہ علی وجہ الکمال در زمان علیؓ متحقق نگشت بعد مرتضیٰؓ چوں معاویہؓ

حضرت علیؓ کے زمانہ میں خلافت خاصہ کے مقاصد اس کے مطابق پورے نہ ہوئے

بن ابی سفیانؓ متمکن شد و اتفاق ناس بروئے بحصول پیوست و فرقت جماعت مسلمین از میان برخاست دے سوابق اسلامیہ نداشت الی آخرہ
(ازالۃ الخفا طبع اول)

اور حضرت مرتضیٰ کے بعد جب حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ خلافت پر متمکن ہوئے اور ان کی ذات پر لوگوں کا اتفاق و اتحاد حاصل ہو گیا اور جماعت مسلمین کے درمیان سے تفرقہ اٹھ گیا وہ اگرچہ سوابق اسلامیہ بمقابلہ حضرت علیؓ کے نہ رکھتے تھے مگر مقاصد خلافت کو بجا لائے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ پیران پیر فرماتے ہیں:۔

وامر خلافۃ معاویۃ بن ابی سفیان ثابتۃ صحیحۃ (غنیۃ الطالبین)

لیکن (حضرت) معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کی خلافت درست اور ثابت ہے۔

پس یہی خلافت کہ جس میں ملت کا اتحاد و اتفاق قائم و برقرار رہا ہو۔ اور ملت مسلمہ ایک قابل و کاتب وحی کے زیر قیادت اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف جہاد رہی ہو زبردست

لہ یہ وہ صاحب اپنی جلالت قدر کے باوجود سبائی حضرت سے گلو خلاصی نہ پا سکے۔ سیدنا معاویہؓ کے سوچ ان کی سمجھ میں نہ آئے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تھے جو کتابت وحی کی خدمت ان کے سپرد کی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ جانتے تھے جو ان کو اہم ترین مناصب کا اہل جانا اور جمہور صحابہ کرام کو یہ سوابق معلوم تھے جن کی بنا پر انہوں نے ان کی خلافت پر اجماع کیا اور ارشاد نبوی کی پیروی میں انہیں ہادی و مہدی باور کیا۔ اور اسی طرح ان کے حقوق کی معرفت کی جس طرح حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ کے حقوق کی کرتے تھے۔

فتوحات حاصل ہوئی ہوں تمام امت امن وامان اور راحت وآرام سے زندگی بسر کرتی ہو، وہ خلافت خلافتِ راشدہ کیوں نہ کہلائے کیا محض اس لئے اس کو "ملک عضوض" کا نام دیا جائے کہ خلیفہ راشد "ازالۂ مادہ مرض" اور "جلب صحت طبیعت عالم" کی غرض سے ایسی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور ہو جس کو آج کی اصطلاح میں "مارشل لا" کہتے ہیں اور وہ بھی ایک علاقہ سے فتنہ وفساد کے دفعیہ کے لئے۔ ایک حدیث وضع کی گئی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منسوب کیا گیا "الخلافة فی اُمتی ثلثون سنة ثم ملک" اس وضعی حدیث کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی ہیں وہ سعید بن جمہانؒ سے اور وہ حضرت سفینہؓ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی پھر بادشاہی ہوگی۔ یہ حدیث بتغیر الفاظ ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے، اول تو اس کے راوی حشرج بن نباتہ الکوفی تمام آئمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ ہیں منکر الحدیث ہیں۔ یہ حشرج سعید بن جمہان بصری سے روایت کرتے ہیں کہ جن کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور حضرت سفینہؓ کا انتقال ۷۴ھ میں ہوا۔ ان دونوں کے سنین وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر یہ سعید تو بصرہ کے رہنے والے تھے اور حضرت سفینہؓ مدنی ہیں وہیں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے یہ حدیث ان سے کب، کیونکر اور کہاں سنی۔ حضرت سفینہؓ کے علاوہ اور کسی صحابی نے ایسی حدیث کا جو تمام خلافت کو صرف تیس برس تک قائم رہنے کی پیش گوئی کرتی ہو روایت نہ کرنا ہی اس کے وضعی ہونے کا بیّن ثبوت ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وضعی حدیث حضرت معاویہؓ کی خلافت کی تنقیص میں اور حضور

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے اثر کو زائل کرنے کے مقصد سے وضع ہوئی، جو حضرت جابر بن سمرہ صحابیؓ سے مروی ہے اور صحاح کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ نیز ترمذی میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ دین اسلام قوت سے رہے گا۔ یہاں تک کہ بارہ خلیفہ ہوں اور وہ سب قریش سے ہوں گے[1] ۔ "لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشرة خلیفة کلهم من قریش" ان بارہ خلیفوں میں پانچویں امیرالمؤمنین معاویہؓ اور چھٹے امیرالمؤمنین یزیدؒ ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے خلاف جو عین مطابق واقعہ ہے حضرت معاویہؓ کی خلافت کو "بادشاہت" کا نام دیا جائے یا "ملکِ عضوض" کا اس کا میاب عہد کا مفاد ملیہ کے لئے مبارک ہونا واقعات، تاریخ سے ثابت ہے جس کا اعتراف اس زمانہ میں خاص وعام کو ایسا تھا کہ دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان پر آتا اور شعراء کے قطعات میں اس کا اظہار ہوتا۔ عرب کے مشہور شاعر الراعی

---

[1] لیک فرقے نے شیعہ اسی بنا پر اپنے بارہ امام قرار دیئے جن میں سے بارہویں کو جن کی ولادت ہی مشکوک ہے کہتے ہیں کہ وہ صغر سنی میں غائب ہوگئے لیکن زندہ ہیں قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ [2] کتاب اللہ شاہد ہے اور متفق علیہ حدیث بھی کہ خلافتِ نبوت کے حاملوں کی کوئی خاص تعداد نہیں۔ ارشاد مبارک ہے "بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے سپرد تھی۔ ایک نبی کی وفات پر دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا، میرے بعد

عبد بن الحصین نے مندرجہ ذیل اشعار اس زمانہ میں امیر یزید کو بھیجے جب بہتر علم و دانش رکھنے والے اور نزاکت وقت اور ماحول کو سمجھنے والے دور اندیش و مخلص مسلمان حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دے رہے تھے، سابقہ حالات کے پیش نظر وہ اپنی زندگی ہی میں خلافت کے لئے نامزدگی کا انتظام کر جائیں اور اس کیلئے وہ ان کے صاحبزادے یزیدؒ کا نام پیش کرتے تھے۔ جن کی اہلیت سب کے نزدیک مسلم تھی۔ اور ان کے عہد کی فوجی قوت بھی ان کی قیادت میں متعدد معرکے سر کر چکی تھی کلیتاً ان کے ساتھ تھی مگر حضرت معاویہؓ اور خود یزیدؒ بھی مصلحت وقت کا تقاضا سمجھنے اور عام رجحان کو دیکھنے کے باوجود جیسا کہ ابتدائی اوراق میں بشارۃً ذکر ہوا اس مسئلہ میں متامل تھے۔ اگرچہ باپ کے بعد بیٹے کی بیعت کو بیعت سوچنا کوئی نئی بات نہیں رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد ان کے فرزند حضرت حسنؓ سے عراقیوں نے بیعت کر لی تھی۔ حضرت موصوف سے جب دریافت کیا گیا تھا۔ آپ نے منع نہیں فرمایا تھا۔

شاعر ان اشعار میں امیر یزیدؒ کو مخاطب کرتا ہے کہ نزاکت وقت کا تقاضا یہی ہے کہ امیر یزیدؒ ولیعہدی قبول کر لیں۔ وہ کہتا ہے:

کوئی نبی نہیں لیکن خلفا ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر ہمیں کیا ہدایت ہے۔ فرمایا: بس پہلے کے بعد پہلے کی بیعت کرو۔ ان کے حق ادا کرو۔ ان کی رعیت کی بابت اللہ ان سے پوچھے گا۔ یہ بارہ کی تعدید آخر عہد اموی تک کے لئے ہے جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

يزيدُ يا ابنَ أبي سُفيانَ هل لكُمُ ... الى ثناءٍ ودُدٍ غيرِ منصرِمِ

اے یزید اے ابوسفیان کے بیٹے! کیا تمہیں کچھ رغبت ہے۔ ... (لوگوں کی) غیر منقطع مدح و ثنا اور محبت (ہر دلعزیزی) کی طرف؟

انا نقولُ ويقضي اللهُ مقتدرًا ... وما نشاءُ ربنا من صالحٍ يدُمِ

ہم لوگ کہہ رہے ہیں اور اللہ قدرت رکھتے ہوئے ہم لوگوں کی بات پوری کرے گا۔ ... اور ہم لوگوں کا رب کسی اچھے کام کو چاہتا ہو تو وہ کام برقرار رہ جاتا ہے۔

فاعهد لقاتلكم منها يزيدُ وثِق ... خذها معاوي غيرَ العاجزِ الهرِمِ

اپنے جنگ کرنے والوں پر نگرانی رکھو۔ اور اے یزید اس خلافت کو حاصل کرو۔ ... اور اے معاویہ تم بھی اس پر قابض ہو کر زوردی اور ناتوانی مت دکھاؤ۔

ولا تخطبها الى غيرِ داركُمُ ... إني أخاف عليكم حيرةَ الندمِ

اور اس (خلافت) کو (اپنے گھر کے سوا) کسی دوسرے گھر میں نہ آنا دو۔ ... میں تمہارے بارے میں پشیمانی کی حیرانی سے ڈرتا ہوں۔

إنّ الخلافةَ ان تُعرف لنا لكُمُ ... تثبتْ معاذكما فيكم ولا ترِمِ

اگر یہ خلافت (تم دونوں کے سوا) کسی تیسرے کے لئے معروف و منسوب ہوئی ... (جب بھی اس کے مراکز تمہیں لوگوں میں باقی رہیں گے اور ہمیشہ رہیں گے (کیونکہ اس کی اہلیت تمہیں میں ہے اور کسی میں نہیں)

لہ لے اور صالح لہ غالباً یہ اشارہ ہے عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف جو حضرت معاویہؓ اور یزیدؒ کے شروع ہی سے مخالف تھے اور اس ولیعہدی کی مخالفت انھوں نے ہی کی تھی اور کرائی تھی۔

لہ معدن الشیء کا (منتخب اللغات) لہ لا یرم لا یزال

ولا تزال وفودٌ فی دیارکم — فی ظل ابلج سباقٍ الی الکرم

اور تمہارے ہی گھروں میں ہمیشہ لوگوں کے وفد آتے رہیں گے — ایک بشاش چہرے والے بزرگی و کرم کی طرف بڑے سبقت لے جانے والے کے زیر سایہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)

یہ اشعار اس زمانے کے لوگوں کے خیالات کے مظہر ہیں کہ حضرت علیؓ کے ایام میں جس خوفناک انتشار کا ملت کو سابقہ پڑا تھا حضرت معاویہؓ کے بیس سالہ عہد خلافت میں بالکلیہ دور ہو کر اتحاد و اخوت کی نعمتوں سے ملت اسلامیہ پھر متمتع ہو گئی حکمرانی کی ایسی صلاحیت دوسروں میں نہ تھی غرضکہ جب ولیعہدی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور کل امت کی رائے اس کی موافقت میں ایک یا معدودے چند افراد کے علاوہ بلا کسی دباؤ کے جیسا تفصیلاً بیان ہو چکا خوش دلی سے حاصل ہو گئی تو شاعر نے یہ دو شعر اور لکھ کر امیر یزیدؒ کے پاس ارسال کئے۔

راحت کما راح اذ تغذو وکنت دتبہ — عنسٌ وخدٌ علیہا راکبٌ یعبدٌ

ایک مضبوط و تیز رفتار ناقہ ہے اور اس پر ایک سوار۔ — وہ رات کو چلا تو چل پڑی دن کو چلا تو چل پڑی۔ پیغام لایا ہے

تنتاب آل ابی سفیان واثقۃ — بسیب ابلج منجاز لما یعدٗ

کہ ایک دریا دل ہنس مکھ اور وعدہ وفا کے حسن تدبیر سے — اب خلافت پر آل ابی سفیان پے بہ پے بعد دیگرے قائم ہوں گے۔

اسلامی عقیدہ ہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور افضل البشر و انسان کامل تھے ڈبلیو منٹگمری واٹ ایک غیر مسلم مورخ بھی جنہوں نے حال ہی

میں آپ کی سیرت طیبہ پر دو کتابیں تالیف کی ہیں یہ اقرار و اعتراف کرتے ہیں کہ مفکر و مدبر و منتظم ہونے کی حیثیت سے آپ کی شخصیت فرزندان آدم میں عظیم ترین شخصیت تھی وہ لکھتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابتدائے اسلام کے تاریخی حالات پر کوئی شخص جتنا زیادہ غور و خوض کرے اس کو آپ کی کامرانی و کامیابی کی وسعت و عظمت پر اتنا ہی زیادہ استعجاب ہوگا۔ اسی کے ساتھ اس مورخ نے عہد نبویؐ کے حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ آپ نے کمال فراست و مردم شناسی سے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے موزوں افراد کو پسند فرمایا تھا اور یہ ثابت ہے کہ آپ کے عمال میں غالب اکثریت بنی امیہ کی تھی اور جیسا آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں آپ نے حضرت ابو سفیانؓ ان کے فرزندان حضرت یزیدؓ اور حضرت معاویہؓ کو متعین فرمایا خلافت صدیقی و فاروقی میں حضرت یزید بن ابو سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ نے کیسی کیسی اہم خدمات ملیہ انجام دیں، جن اشخاص کو خود حضور سرور کائنات نے پسند اور منتخب فرمایا ہو ان میں سے جو فرد بھی زمام خلافت ہاتھ میں لے یقیناً وہ خلیفہ راشد ہے اور اس کی خلافت، خلافتِ راشدہ ہے۔ پھر آپ ہی کی پیشین گوئی کے اعتبار سے حضرت معاویہؓ اور ان کے فرزند امیر یزیدؒ بارہ خلیفوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ سیاسی اختلافات اپنی جگہ اور نظام خلافت اپنی جگہ۔ ملت میں سوائے خلیفہ وقت کے نہ کوئی دوسرا امیر المومنین ہو سکتا تھا اور نہ امام۔ لفظ امام خلفا ہی کے لئے مخصوص تھا۔ بعد میں علم حدیث و فقہ کے ماہرین کے لئے بھی

استعمال ہونے لگا۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے حضرت معاویہؓ سے
بیعت کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت نہیں کی مگر ان کے
جیتے جی اپنی خلافت کی بھی بیعت نہیں لی۔ ان کے انتقال کے بعد جب بیعت
لی کسی ہاشمی نے ان سے بیعت نہیں کی دیگر اہل خاندان کی طرح حضرت علی
بن الحسینؓ اور ان کے فرزند جناب محمد بن علی (الباقرؒ) اور ان کے اخلاف
سب خلیفہ وقت کی بیعت میں برابر شامل رہے۔ جناب علی بن موسیٰ (الرضاؒ)
اور ان کے فرزند محمد بن علیؒ خلیفہ وقت کے داماد بھی تھے۔ اور ان کی بیعت
میں شامل کتب تاریخ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ
وقت کو امیر المومنین کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ غرضیکہ ملت کے
سیاسی نظام میں یہی فرد خلیفہ و امام تھا جس کو ملت کے داخلی و خارجی
امور کی انجام دہی کا اختیار کامل حاصل تھا کوئی دوسرا شخص نہ ان القاب
سے مخاطب ہو سکتا تھا اور نہ کیا جا سکتا تھا۔ ملت کی سربراہی اپنے وقت
میں جیسی آل ابوسفیانؓ کی کامیاب رہی اس کا ثبوت کتب تاریخ کے علاوہ
آثار قدیمہ سے بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت میں نہیں لیکن کاروبار خلافت
اور انتظام مملکت کی بہترین انجام دہی میں حضرت معاویہؓ کے سوتیلے بھائی
امیر زیادؒ اور ان کی اولاد کا ممتاز حصہ رہا۔ حضرت حسینؓ کے واقعہ حزن انگیز
میں امیر ابن زیاد کو متہم کیا جاتا ہے۔ لیکن بے لاگ تحقیق میں ان کا کوئی قصور
ثابت نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی قصور ہوتا تو خود امیر المومنین یزیدؒ ان کو سزا
دیئے بغیر کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ مشرقی ممالک کی ابتر حالت سنبھالنے میں اس

خاندان نے جو نمایاں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں پہلوی
زبان کے رسم الخط میں امیر زیادؒ ان کے فرزند مسلم بن زیاد کے مونوگرام اور طغرے
جو ایران کے سکہ جات پر کندہ ہیں ان کی حکمرانی کی وسعت اور قوت و استحکام
کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اس زمانے میں ملت کی سیاسی قیادت
اور مملکت کی انتظامی مشین کی درستی آل ابوسفیان ہی کے تجربہ کار ہاتھوں
میں تھی۔ اور وضعی روایات میں صورت حال کو جس قدر مسخ کر کے بیان کیا گیا
ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ طرح طرح کے بہتان تراشے گئے اور مسلسل پروپگنڈے
سے تشہیر کی گئی۔

مفتریات واہیہ امیر یزیدؒ کے کردار کے بارے میں یہ جتنے بہتان زبان زد
خاص و عام ہیں سبائی راویوں کے تراشیدہ اور بیان
کردہ ہیں مورخین نے جن لوگوں کی سند سے یہ باتیں بیان کی ہیں ان میں سے اکثر
کو ائمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مثلاً مورخ بلاذری نے جن راویوں کے سلسلہ
روایت سے مے نوشی سے مدہوش ہو کر نماز ترک کر دینے۔ گانے بجانے والی
چھوکریوں کو رکھنے شکاری کتوں باز و بندروں کو پالنے وغیرہ کی روایتیں
درج کی ہیں ذرا ان کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ بلاذری لکھتے ہیں :-

حدثني العمري عن الهيثم	العمری نے مجھ سے بیان کیا ان سے الہیثم
بن عدي عن ابن عياش وعوانة	بن عدی نے ان سے ابن عیاش و عوانہ
وعن هشام بن الكلبي عن ابيه	نے اور ہشام بن کلبی نے ان سے
وابي مخنف وغيرهما۔	ان کے باپ نے اور (اسی طرح) ابو مخنف

(ص۲۵۲ ج ۴ انساب الاشراف مطبوعہ یروشلم) وغیرہ (نے بھی بیان کیا ہے)

ابو مخنف کو تو آپ جانتے ہیں آئمہ رجال نے کذاب کہا ہے۔ مذکورہ بالا راویوں میں پہلا راوی ہشام کا باپ محمد بن السائب الکلبی ابو النضر کوفی غالی سبائی اس خیال وعقیدے کا تھا کہ جبریل فرشتہ وحی الٰہی غلطی سے حضرت علیؓ کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس لے گیا اس کو بھی آئمہ رجال کذاب کہتے ہیں (ص۷۲ ج۳ میزان الاعتدال علامہ ذہبی) دوسرا پہلے راوی کا بیٹا ہشام متوفی ۲۰۴ھ ہے جس کو ابن عساکر نے رافضی ناقابل اعتماد کہا ہے اور دارقطنی نے متروک الحدیث (ص۲۵۶ ج ۳ ایضاً) تیسرے راوی ابن عیاش کو بھی اسی طرح منکر الحدیث بتایا ہے۔ چوتھا راوی الہیثم بن عدی ہے جس کو امام بخاری نے ناقابل اعتماد اور کذاب کہا ہے نیز ابو داؤد نے بھی جھوٹا بتایا ہے (ص۲۶۵ ج ۳ ایضاً) پانچویں الجوہری راوی متوفی ۳۲۹ھ کو بھی آئمہ رجال ضعیف الحدیث کہتے ہیں (ص۳۵۲ ج ۳ ایضاً) ان کے علاوہ اور بھی دو ایک اسی قماش کے راوی ہیں۔ جن کی زبانی یہ خرافات مشہور ہوئیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی امیر یزیدؒ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوئی سو برس بعد کا ہے کوئی ڈیڑھ سو برس کوئی دو سو برس بعد کا۔ کسی عینی شاہد کی کوئی روایات بیان نہیں کی گئی اس کے برخلاف جو بزرگ امیر موصوف سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے، ان کے پاس مقیم رہے تھے اور شب و روز کے معمولات کے شاہد عینی تھے یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ طیار حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) حضرت

علی بن حسینؓ (زین العابدین) وغیرہم وہ سب امیر المومنین یزیدؒ کی نیکوکاری صوم و صلوٰۃ کی پابندی، پرہیزگاری اور علم و فضل کے معترف رہے اور مے نوشی وغیرہ کے جو بہتان سیاسی مخالفت میں ان پر عائد کئے گئے ان کی پرزور تردیدیں کیں یہ سب بزرگ ان کی بیعت پر مستقیم رہے اور باغیوں کی حرکات سے متنفر۔ بایں ہمہ ایک طبقے کے ان خرافات کا پروپگنڈا اس شد و مد سے مسلسل اور متواتر کیا کہ اس کذب و دروغ و بدگوئی کو بھی لوگ سچ سمجھنے لگے۔ نازی پارٹی کے ڈائرکٹر نشر و اشاعت گوئبلس نے جھوٹ کو سچ کر دکھانے کے سلسلہ میں بتایا تھا کہ کیسا ہی سفید یا سیاہ جھوٹ بولو بے دھڑک بولو شد و مد سے بولو اور مسلسل و متواتر بولو اور پروپگنڈا کرو تو بالآخر لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگیں گے۔ یہی حالت اور کیفیت ان بہتانوں کے پروپگنڈے کی ہوئی طرح طرح کے قصّے اور حکایتیں تراشی گئیں۔ جن میں سے ایک لغو روایت جس کو کتاب الاغانی کے غالی مؤلف نے درج کیا ہے بطور مثال پیش کی جاتی ہے مؤلف مذکور امیر یزیدؒ کے سفر حج کی یہ حکایت لکھتے ہیں کہ

ولما حج فی خلافۃ ابیہ جلس بالمدینۃ	یزید نے جب اپنے والد کے زمانہ خلافت
علی شراب فاستاذن علیہ عبد اللہ	میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہے تھے
ابن العباس والحسین بن علی فامر	کہ اتنے میں (حضرت) عبد اللہ بن عباسؓ
بشرابہ فرفع وقیل لہ ان ابن	و حضرت حسین بن علیؓ نے آنے کی اجازت
عباس ان وجد ریح شرابک	چاہی (یزید نے) شراب لانے کا حکم دیا پھر
عرفہ فحجبہ واذن للحسین	ہٹوا دیا کیونکہ ان سے کہا گیا (حضرت) ابن

فلما دخل وجد رائحة الشراب
مع الطيب فقال لله دره طيبه
وما كنت احسب يتقدمنا
صنعة الطيب فى هذا يا ابن
معاوية فقال يا ابا عبد الله هذا
الطيب يصنع لنا بالشام ثم دعا بقدح
فشربه ثم دعا بقدح آخر فقال
اسق ابا عبد الله يا غلام فقال
الحسين عليك شرابك ايها المرء
لا عين عليك منى فشربه۔

([illegible])

عباسؓ کو اگر تمہاری شراب کی بو آگئی تو ہم پکڑے
جائیں گے اس نے شراب کو چھپا دیا۔ پھر
حضرت حسینؓ نے آنے کی اجازت چاہی
وہ جب داخل ہوئے تو انہیں خوشبو دار شراب
کی خوشبو آئی حضرت حسینؓ نے یزید سے کہا تمہاری
یہ خوشبو کیسی اچھی ہے مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا
خوشبو کی صنعت میں کوئی ہم سے سبقت لے
جائیگا[1]۔ اے ابن معاویہ یہ کیا خوشبو ہے؟ یزید
نے کہا کہ اے ابو عبداللہ[2] یہ خوشبو ہمارے لئے
شام میں بنائی جاتی ہے پھر انہوں نے ایک
پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالہ منگا کر
چھوکرے سے کہا کہ یہ ابو عبداللہ کو پلا دو اس پر
حضرت حسینؓ نے کہا کہ اے شخص یہ شراب
اپنی تم اپنے ہی پاس رہنے دو میری نظر میں تم پر
نہیں ہرگز میں منہ پھیرے لیتا ہوں تم پی جاؤ
پھر انہوں نے پی لی۔

---

[1] حضرت حسینؓ کے دادا ابو طالب بن عبدالمطلب خوشبو اور عطریات کی تجارت کرتے تھے اور یہ ان کا خاندانی پیشہ رہ چکا تھا۔ اشارہ اسی صنعت کی جانب ہے۔

[2] حضرت حسینؓ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

اس حکایت کے وضع کرنے والے نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ یزید شراب نوشی کر رہے تھے۔ اس کے لئے "شراب" کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا اطلاق مسکر اور غیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے پھر یہ تو خوشبودار شراب تھی یعنی شربت۔ لغت میں شراب کے معنی ہیں "ما اشرب" یعنی ہر رقیق چیز جو پی جائے۔ قرآن شریف میں ہے۔
یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس۔ یعنی وہ شراب (پینے کی چیز) جو ان کے بطون سے مختلف رنگوں کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے یعنی شہد۔ اسی طرح شراب کا لفظ احادیث میں شربت کے لئے آیا مثلاً

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شربت
اتی بشراب فشرب منه — لائی گئی پس آپ نے بھی پی یعنی شربت
(کتاب الاشربہ بخاری ص ۸۴۲) — نوش فرمایا۔

اسی طرح دیگر کتب حدیث موطا ج ۲ ص ۱۶۱ و ترمذی ص ۱۹ میں لفظ شراب شربت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک لفظ ہے جس کا اطلاق جیسا عرض کیا مسکر وغیر مسکر دونوں پر ہوتا ہے۔ شراب شام (مثلث) چونکہ نشہ آور نہ تھی حضرت عمرؓ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر اس کے استعمال کی اجازت دی تھی۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ معترض ہوئے آپ نے فرمایا۔ [illegible] کیا شراب شام (مثلث) میں نشہ (سکر) نہیں اب یہ حلال ہے (موطا امام مالک) آپ کے مکتوب موسومہ حضرت عمار بن یاسر سے اس کی مزید تصدیق ہے

انه كتب الى عمار بن ياسر — حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسر کو لکھ بھیجا کہ میرے
انی اتیت بشراب من الشام — پاس ملک شام سے شراب آئی ہے وہ پکائی گئی

ذھب ثلثاہ و بقی ثلثہ ۔۔۔۔ یبقی حلالہ
ویذھب حرامہ ۔۔۔ جنودہ فمن
قبلک فلیتوسعوا من اشربتھم۔
(ص ۳۳۲ بذل المجہود شرح ابی داؤد)

یہاں تک کہ اس کا دو ثلث جل گیا ایک ثلث باقی رہ گیا ۔۔۔ حلال باقی رہ جائیگا حرام جل جائیگا۔ نشہ کرنے والی اڑ جائے گی پس تم اپنے یہاں کے لوگوں کو حکم دے دو کہ وہ اپنے مشروبات میں وسعت پیدا کر کے اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔

اسی شراب شام (مثلث) کو صحابہ و تابعین کی طرح امیر یزیدؒ بھی خوشبوئیں شامل کر کے استعمال کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ تو اس شراب شام (مثلث) کے استعمال کو شرائط اہل سنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

لحلال للثلث من شرائط اھل
سنۃ والجماعۃ ۔۔۔۔۔ وان لایحرم
النبیذ لماان بتحریمہ تفسیق کبار
الصحابۃ والکف عن تفسیقھم
والامساک عن طعن فیھم من
شرائط اھل سنۃ والجماعۃ۔
(ص ۳۳۲ ج بذل المجہود شرح ابی داؤد)

مثلث (شراب شام) کو حلال سمجھنا اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے اور نبیذ کو حرام نہ سمجھا بھی کیونکہ اس کو حرام سمجھنے میں بڑے بڑے صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا لازم آتا ہے اور صحابہ کو مبتلائے فسق کرنا اور ان کے طعن سے زبان روکنا بھی منجملہ اہل سنت والجماعت ہونے کے شرائط میں سے ہے۔

مثلث (شراب شام) کے استعمال سے جب اہل سنت والجماعت کے محترم امام کے فتوے کے بموجب کسی پر زبان طعن دراز نہیں ہو سکتی اس کو فاسق و فاجر نہیں کہا جا سکتا تو امیر المومنین یزیدؒ کو اس بارے میں کیوں مستثنیٰ کیا جائے کیا محض سیاسی مخالفت کے

پروپگنڈے کی بنا پر؟

عجم میں لفظ شراب کا اطلاق خمر پر ہوتا ہے، عرب میں خمر خاص ہے اور شراب تمام مشروبات پر حاوی ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے یعنی حرمت الخمر بعینہا والمسکر من کل شراب (کتاب الاشربہ نسائی) یعنی خمر اصلاً حرام ہے اور پینے کی جس چیز میں نشہ ہو وہ بھی لا عبرۃ بالتسمیۃ مشروبات میں سے کسی شربت پر عربی لفظ شراب کا اطلاق ہونے سے کہ اس میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہو جاتا اغانی کی مندرجہ بالا حکایت میں شراب کا لفظ اسی خوشبودار شربت مثلث (شراب شام) کے لئے ہے اور وہ ایسا خوشبودار تھا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت حسینؓ کو اس کی خوشبو پر تعجب ہوا۔ یہ شربت (مثلث) اہل شام کو مرغوب تھا ایسے ہی اہل عراق کو نبیذ مرغوب تھی۔ یہ دونوں غیر نشہ آور مشروبات تھے جو صحابہ اور تابعین استعمال کرتے تھے اور جیسا ابھی ذکر ہوا شراب شام (مثلث) اور نبیذ کے استعمال کو حرام نہ سمجھنا تو امام ابو حنیفہؒ نے شرائط اہل سنت والجماعت میں سے قرار دیا ہے چنانچہ اسی قسم کے شربت کو شراب الصالحین کا نام دے کر لوگ پیتے پلاتے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ شراب شام کی بھی تو عجیب بو ہی ہو تو ایک حلال اور دوسری حرام ایں چہ بو العجبی است ؎

وجہ دمنع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است
دشمن مے بودن وہمرنگ مستاں زیستن

عجیب عجیب مفروضے اور مہمل حکایتیں امیر یزیدؒ کو بادہ پرستی سے متہم کرنے کے لئے تراشے گئے جیسے اغانی کی مندرجہ بالا حکایت ہے۔ آج کے مشرا لقرون میں

بھی ام المؤمنینؓ کے علانیہ استعمال کی جب جسارت نہیں کی جاتی تو خیر القرون کے
ممتاز تابعی جس نے بدو شعور سے صحابہ کبار کی صحبت و مجالست کی سعادت حاصل
کی ہو اور جو فریضۂ حج کی ادائیگی کی غرض سے اور امیر حج کی حیثیت میں دمشق سے
ارض مقدس حجاز پہنچا ہو یہ بہتان باندھنا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر جہاں کے
دو محترم ہاشمی اور فاروقی خانوادوں کی خواتین اس کے حبالۂ عقد میں تھیں۔
بادہ نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسین بن علیؓ ملاقات کو
تشریف لائے۔ حضرت حسینؓ نے شراب کی خوشبو کی تعریف کی تو دو قدح منگوائے
ایک خود پیا اور دوسرے سے ان کی تواضع کی، انتہائی لغو بیانی ہے۔ پہلی بات
تو اس حکایت کے بارے میں قابل لحاظ یہ ہے کہ امیر یزیدؒ ہر حیثیت سے ان کے
خورد تھے سن و سال میں بھی اور رشتے و قرابت میں بھی۔ ایک رشتے سے حضرت
حسینؓ ان کے خسر ہوتے تھے اور دوسرے رشتے سے بہنوئی۔ اپنے ایسے محترم
بزرگ کے سامنے جو علو مرتبت کے ساتھ اتقاء و پرہیزگاری میں شان امتیاز
رکھتے ہوں امیر موصوف کو مے نوشی کی مجال ہی کب ہو سکتی تھی چہ جائیکہ بادہ
سے اپنے بزرگ کی تواضع کرنا اور اگر ان جیسے سنجیدہ اور متین خورد نے ایسی گستاخی
کی جسارت بحالت نشہ بھی کی ہوتی تو حضرت حسینؓ کیوں خاموش رہتے وہ تو اپنے اس
عزیز کی وہ گوشمالی کرتے کہ سارا نشہ ہی ہرن ہو جاتا۔ اس لغو حکایت کے وضع کرنے
والے نے اس کا بھی لحاظ نہ کیا کہ کیسی واہی بات کس کے بارے میں کہہ رہا ہے
یعنی حضرت حسینؓ سے یہ قول منسوب کر رہا ہے علیک شرابک ایہا المرء لا عین
علیک منی (اے شخص تیری شراب تجھے سزاوار، ہم تجھے نہیں دیکھ رہے) بالفاظ دیگر

ہم نظر بچائے لیتے ہیں تو نوش کرتا جا) کس درجہ مہمل قصہ تراشا ہے اگر کچھ بھی اصلیت اس
حکایت کی سمجھی جائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اپنے محترم بزرگ کی تشریف آوری پر اسی
خوشبودار شربت سے جو شراب شام کہلاتی تھی تواضع کی گئی ہو گی اس کی خوشبو
کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ نے تعریف بھی کی تھی لیکن "قدح آخر"
کے پینے سے جیسا اس حکایت میں بیان ہوا ہے حضرت حسینؓ کا پرہیز کرنا نشہ آور
چیز کے پینے سے پرہیز کرنا نہ تھا بلکہ مرض برسام کی وجہ سے خوشبودار ٹھنڈے
شربت کے استعمال کرنے میں احتیاط برتی ہو گی۔ یہ عارضہ حضرت حسینؓ کو اپنے والد
محترم کے زمانہ قیام عراق میں عارض ہوا تھا جو مزمن صورت اختیار کر گیا تھا اور
اس لئے ضروری تھا کہ آپ اس قسم کے مشروبات سے پرہیز کریں خصوصاً ایسی حالت میں
کہ زبان اور آلات تکلم متاثر تھے۔ ابن جریر طبری نے فرزدق شاعر کا یہ قول اسی کے بیٹے
لبطہ کی سند اور ہشام کلبی جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ "جب
میں نے حضرت حسینؓ سے حدود حرم کے اندر ملاقات کے وقت مناسک حج اور
دعائیں معلوم کیں اور آپ نے مجھے بتائیں تو آپ کی زبان میں ثقل تھا۔ فرزدق
کے الفاظ ہیں وکان اذا ہو ثقیل اللسان من برسام اصابہ بالعراق" (ص ۲۱۳
ج طبری) یعنی مرض برسام کی وجہ سے جو عراق (کے قیام میں) آپ کو عارض ہو گیا تھا
ثقیل اللسان تھے۔ اللہ تعالے کا یہ فضل آپ کے شامل حال ہوا کہ اس مرض کے دیگر
عوارض اور شدائد سے جو اختلاط ذہنی وغیرہ کے عارض ہو جاتے ہیں آپ محفوظ رہے[1]

---

[1] مرض برسام کے بارے میں عہد امویوں کے مشہور عراقی طبیب علی بن العباس المجوسی
لکھتے ہیں:-

(بقیہ ص ۵۰۲)

زبان موٹی پڑ جانے سے البتہ منہ سے بولنے میں تکلف ہوتا تھا ناک کی مدد سے بولنا پڑتا تھا۔ علامہ ابن کثیر نے شہاب بن حراش راوی کے عزیز کی جس نے عراق میں آپ سے بات چیت کی تھی یہ روایت نقل کی ہے:۔

فلقيت حسينا فرأيته اسود الرأس واللحية فقلت له السلام عليك يا ابا عبد الله فقال وعليك السلام وكانت فيه غنة

(ص۱۶۹ ج البدایہ والنہایہ)

اور میں نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی ان کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ دیکھے پھر میں نے ان سے کہا السلام علیک یا ابو عبداللہ انہوں نے فرمایا وعلیک السلام اور وہ ناک میں بولتے تھے۔

شاید اسی مزمن مرض ہی کے اثرات کا سبب ہو کہ آپ کی نسل کے بعض اشخاص کے تکلم کی بھی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ یہی شہاب بن حراش کہتے ہیں کہ آپ کے

(بقیہ ص۵۰۰)

البرسام: وهي ورم يحدث في الحجاب ويتبع ذلك اختلاط الذهن لما يتأدى عنه الضرر الى الدماغ بالمشاركة۔

(ص۳۵ کتاب الصناعۃ طبع مصر)

حجاب حاجز کے ورم کو برسام کہتے ہیں اس ورم کے نتیجے میں دماغ کو بالشارکت صدمہ پہنچتا ہے اور ذہن میں اختلاط واقع ہو جاتا ہے۔

"بر" "صدر (سینہ) کو کہتے ہیں (ص۴۳ المعرب للجوالیقی) برسام اور سرسام دو جداگانہ مرض ہیں۔ برسام کو "الموم" بھی کہتے ہیں (حاشیہ لسان العرب) شعار الخلیل للخفاجی (ص۴۷ طبع مصر) میں برسام اور سرسام کو ایک ہی مرض کہا ہے مگر سرسام سے ستاثر ہوتا ہے اور برسام سے ورم حاجز عارض ہو جاتا ہے جس کا ابتدائی اثر آلات تکلم پر پڑتا ہے۔

پوتے (جناب زید بن علی بن حسینؓ) بھی اسی طرح بولتے تھے۔

فحدثت به زيد بن علي فاعجبه وكانت فيه غنة قال سفيان بن عيينة وهي في الحسينيين۔

(ص۱۶۹ ایضاً)

(شہاب نے کہا) میں نے زید بن علی بن حسینؓ سے وہ بات بیان کی تو انہیں بڑی اچھی لگی وہ بھی ناک میں بولتے تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے تھے کہ حسینیوں میں یہ چیز پائی جاتی تھی۔

اگر واقعہ یہی ہے جیسا روایت میں بیان ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے مزمن مرض کی وجہ سے جس سے آلات تکلم متاثر تھے حضرت حسینؓ نے ٹھنڈے شربت کا "قدح آخر" نوش کرنے سے پرہیز کیا ہوگا اور اس حالات مرض میں پرہیز کرنا ہی چاہیے تھا مگر امیر یزیدؒ پر بہتان تراشی کی غرض سے اس حکایت کے وضع کرنے والے نے اس "قدح آخر" کو "قدح مے" سے تعبیر کرکے یہ مہمل قول آپ سے منسوب کر دیا۔ امیر یزیدؒ کو اگر آپ بادہ پرست و مے گسار جانتے تو ملاقات ہی کو کیوں تشریف لاتے۔ تین سال متواتر امیر یزیدؒ امیر حج کے فرائض ادا کرتے رہے حضرت حسینؓ اور دیگر صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی ان کی اقتدا میں مناسک حج ادا کرنے سے انکار نہیں کیا۔[1] جہاد قسطنطنیہ میں سپہ سالار تھے اکابر صحابہ کی جماعت بشمول حضرت حسینؓ ان کی فوج میں شامل تھی ان میں سے کسی نے بھی ایک "بادہ پرست" کی قیادت پر اعتراض نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ مے نوشی کے یہ بہتان بعد میں تراشے گئے ہیں۔ حضرت حسینؓ نے خلافت کے لئے اپنے کو زیادہ اہل سمجھا اور بلاشبہ وہ امیر یزیدؒ سے بعض فضائل ذاتی میں برتر تھے اور اپنی برتری کا

[1] حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں ۲۵ حج کے جن میں متعدد پاپیادہ کئے (کتاب نسب قریش ص۴۰)

گفتگوؤں میں اظہار بھی کرتے تھے لیکن اپنی زبان سے کبھی امیر یزیدؒ کو بادہ گسار و مے نوش نہیں کہا۔ ان اتہامات کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو آپ جیسے نڈر و شجیع شخصیت کو اظہار حقیقت سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔ آپ امیر یزیدؒ کے ذاتی حالات سے بخوبی واقف تھے ان کو نہ مے نوش جانتے تھے اور نہ فاسق و فاجر۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بارے میں راویوں نے بیان کیا ہے کہ امیر یزیدؒ کو شرب خمر سے متہم کرتے تھے مگر اپنے ذاتی علم سے نہیں سنی سنائی باتوں سے بلاذری کی مندرجہ ذیل روایات سے اس کا بھی انکشاف ہو جاتا ہے۔

بسط ابن الزبیر لسانه فی یزید بن معاویة وتنقصه وقال بلغنی انه یصبح سکران ویمسی کذلک

(ص۳ ج۴ انساب الاشراف)

ابن الزبیرؓ نے یزید بن معاویہ کے خلاف اپنی زبان کھولی اور ان کی تنقیص کی اور کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ نشہ کی حالت میں وہ صبح کرتے ہیں ایسے ہی شام۔

گویا انھوں نے اپنی زبان ہی سے یہ اقرار کیا کہ یزیدؒ کی شراب نوشی کا کوئی ذاتی علم ان کو نہ تھا لوگوں سے سن سنا کر اپنی زبان کھولی تھی۔ امیر المومنین یزیدؒ نے بعض لوگوں کو جو یہ جھوٹی باتیں کہتے تھے دروغ گوئی کی سزا بھی دی تھی حضرت ابن زبیرؓ پر ان کو بہت غصہ آیا اور سخت کارروائی کرنے کا تہیہ کیا حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور ان کے فرزند معاویہ ثانی نے کہا۔

یا امیر المومنین ان ابن الزبیر رجل ابی لجوج فدعه علی امره

اے امیر المومنین ابن زبیرؓ ضدی اور جھگڑالو شخص ہیں آپ انہیں ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

(ص۳۴ ج۴ انساب الاشراف)

مگر یہ مشورہ قبول نہ ہوا اپنی قسم پوری کرانے کے لئے ان کو گرفتار کرانا چاہا چند افسر بھیجے جن میں ایک افسر عبداللہ بن عضاہ الاشعری بھی تھے ان سے اور حضرت ابن الزبیرؓ سے جو گفتگو ہوئی بلاذری نے الہثیم وغیرہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے۔ "عضاہ" کو دوسری جگہ "عضام" بھی لکھا ہے۔

ابن زبیر ——— میں تو مسجد الحرام کے کبوتروں میں سے (گویا) ایک کبوتر ہوں کیا تم لوگ کبوتران حرم سے بھی لڑائی کرو گے؟

ابن عضاہ نے یہ الفاظ ان کے منہ سے سنکر اپنے آدمی کو آواز دے کر بلایا۔ اور کہا کہ ذرا تیر کمان تو اٹھا لاؤ۔ جب تیر کمان آگیا ابن عضاہ نے ایک تیر کمان پر چڑھایا اور ایک کبوتر پر شست باندھ کر کہا "اے کبوتر! کیا یزید شراب نوش ہیں تو نے اگر ہاں کہا تو واللہ میں تجھے اڑا دوں گا پھر کہا۔

یا حمامة أتخلعین امیر المومنین یزید وتفارقین الجماعة وتقیمین بالحرم یستحل بك

(ص۳۴ ایضاً)

اے کبوتر! کیا تو امیر المومنین یزید کی بیعت (خلافت) توڑ بیٹھے گا جماعت (مسلمین) سے علیحدگی اختیار کرے گا۔ اور حرم کعبہ میں مقیم ہو گا تاکہ یہاں (پناہ گزیں ہونا) تجھے حلال ہو جائے۔

ابن زبیرؓ - ہائیں! ابن عضاہ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ کیا پرند بھی بات چیت کر سکتے ہیں؟

ابن عضاہ - پرند تو باتیں نہیں کر سکتے مگر تم تو بول سکتے ہو۔ میں خدا

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم سے ہم بیعت لے کر رہیں گے خواہ برضامندی یا بکراہت ورنہ ہم تم سے قتال کریں گے اور تم اگر خانہ کعبہ کے اندر جا بیٹھو گے تمہیں وہیں سے پکڑیں گے۔ چاہے اس میں ہمیں انہدام و احراق کا کوئی کام ہی نہ کرنا پڑ جائے۔

ابن زبیر۔ تو کیا تم مسجد الحرام اور بیت اللہ میں لڑائی کو حلال و جائز کرو گے۔

ابن عضاہ ۔۔ یہ تو وہ کرے گا جو اس کے اندر بیٹھ کر خلاف ورزی (احکام شریعت) کا مرتکب ہوگا۔ "الحدفیہ"

اس صاف گوئی پر حضرت ابن الزبیرؓ دم بخود رہ گئے کچھ نہ کہہ سکے۔ شرب خمر کے اتہام کی کچھ بھی حقیقت ہوتی تو اس موقع پر وہ اپنی زبان کیوں نہ کھولتے کیوں چپ سادھے رہتے۔ امیر یزیدؒ نے جب باغیان مدینہ کی سرکوبی کے لئے فوجی دستہ بھیجا ہے اُس وقت تین شعر فی البدیہہ کہے تھے جو ابتدائی اوراق میں درج ہیں۔ ان میں ان ہی ابن الزبیرؓ کو مخاطب کرکے کہا تھا کہ تم اسے شرابی بدمست کی جماعت سمجھتے ہو یا اُس ہوشمند کی جو (بغاوت فرد کرنے کو) فوجیں روانہ کرتا ہے، آخری شعر تھا۔

واعجبا من ملحد واعجبا ۔ مخادع فی الدین یقفو بالفری

افسوس اُس ملحد (دین میں نئی بات پیدا کرنے والے) پر افسوس۔ جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے۔

"مخادع فی الدین" سے سیاسی اغراض کے لئے کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر بغاوت و فتنہ پیدا کرنے کا پروپگنڈا مراد ہے اور "یقفو بالفری" سے شرب خمر وغیرہ کے بہتانوں کی جانب صاف اشارہ ہے۔ سیاسی اغراض کی خاطر مذہب کی آڑ لینے اور اس طرح دین میں نئی بات پیدا کرنے کی بنا پر "ملحد" کہا۔ اور

ابن عضاہ نے بھی اپنی گفتگو میں کعبہ کے اندر پناہ گزیں ہوکر نظام سیاسی درہم برہم کرنے کی کارروائی کے بارے میں "الحدفیہ" کہا تھا غرضیکہ یہ باتیں تو ان کے ہمعصر سیاسی مخالفین کی تھیں مگر جتنا زمانہ گذرتا گیا نئے نئے بہتان تراشے گئے حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درمیان میں لایا گیا اور اس قسم کی مکذوب و لغو روایتیں گھڑی گئیں کہ یزید کو حضرت معاویہؓ کی گود میں دیکھکر آپ نے فرمایا ایک دوزخی جنتی کی گود میں جارہا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ یزید کی ولادت آپ کی وفات سے کم از کم بارہ برس بعد ہوئی تھی۔ جھوٹی حدیثوں، وضعی روایتوں اور بہتانوں کا انبار در انبار ہے جو عہد بہ عہد وضع ہوکر دیگر کتب کے علاوہ کتب تاریخ میں بھی موجود ہے۔ ناسخ التواریخ کے مؤلف نے تو حد سے بھی تجاوز کرکے سنہ ۶۱ھ کے اس سیاسی حادثہ کا تذکرہ نوع انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ کے ہبوط کرۂ ارض کے سلسلہ میں کرتے ہوئے امیر یزیدؒ پر ان کی زبان سے ایک مرتبہ نہیں اکٹھے چار مرتبہ لعن کے الفاظ کہلوائے ہیں اور لکھا ہے کہ بی بی حوا کی تلاش میں تمام کرۂ ارض کا چکر کاٹ کر جب زمین کربلا پر گذر ہوا تو یکایک ان پر "اندوہ بزرگ" طاری ہوگیا سینہ میں تنگی محسوس ہوئی پیروں میں لغزش ظاہر ہوئی: "و خون از پائے او بد مید" (ص ۲۱۲ ج) یعنی ان کے پیروں سے خون جاری ہوگیا حضرت آدمؑ نے بارِ تعالےٰ سے عرض کیا کہ ساری دنیا میں پھر آیا ہوں کہیں بھی یہ کیفیت میری نہیں ہوئی۔ کیا خطا یہاں مجھ سے سرزد ہوئی جو ایسا ہوا جواب میں یہ وحی آئی۔

یا آدم ما صدرت منک ذنب ولکن ۔ اے آدمؑ گناہ تو تم سے کوئی سرزد نہیں ہوا لیکن

یقتل فی ھذہ الارض ولدک حسین ظلمًا فسال دمہ موافقۃ لدمہ

اس زمین پر تمہاری اولاد میں سے حسین قتل ہوگا اس لیے یہ تمہارا خون اس کے خون کی موافقت میں بہا ہے۔

(ص۲۳ ایضاً)

حضرت آدمؑ کے پوچھنے پر کہ قاتل حسینؓ کون ہوگا "خطاب آمد یزید ملعون اہل آسمانہا و زمینہا است" چنانچہ جبریل کے مشورہ سے انھوں نے چار مرتبہ یزید پر لعن کیا۔ اس کے بعد مؤلف ناسخ التواریخ نے ہر نبی و پیغمبر کو جن کے نام انہیں یاد تھے کربلا پہنچا کر ان کی زبان سے بھی اسی طرح الفاظ لعن کہلوائے ہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ اسی اپنی کتاب میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی جو تقریریں اور گفتگو میں درج کی ہیں ان میں یزید اور اہل شام کا نہیں کوفیوں ہی کا شکوہ ہے زہیر بن القین سے تو یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اے لوگو! حسینؓ کا راستہ مت روکو ان کو اپنے ابن عم یزید کے پاس جانے دو" گویا ایک بادہ پرست کے پاس جا رہے تھے۔

بقول محقق موصوف حادثہ کربلا نے رفتہ رفتہ اور تدریجًا افسانے کی شکل اختیار کرلی وضعی روایتوں اور مسلسل پروپگنڈے، مثالب کی لغو حکایتوں مناقب کی جھوٹی حدیثوں سے واقعات تاریخ مسخ صورت میں پیش کئے گئے حقیقت تعصبات کے پردوں میں روپوش ہوگئی اور ایسی فضا پیدا کردی گئی کہ سب و شتم کے سوائے کسی کو کچھ یاد نہ رہا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ ؎

انھیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ ابن معاویہؓ مے نوش و فاسق اور ستمگر تھا[1]

[1] علامہ شبلیؒ کے اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں تصرف لفظی کیا گیا ہے۔

ان اوراق میں اس بارے میں تفصیلاً لکھنے کی گنجائش نہیں۔

حلیہ:۔ جسمانی حیثیت سے امیر یزیدؒ متناسب الاعضا تھے۔ قد بلند و بالا جسم مضبوط، رنگ گورا، خوبصورت آنکھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی

(ص۳ج انساب الاشراف بلاذری)

ویقال کان ابیض وکان حسن اللحیۃ خفیفھا (ص۳ ایضاً)	یہ بھی کہتے ہیں کہ یزیدؒ سفید گورے رنگ کے تھے اور ہلکی خوبصورت داڑھی تھی۔

وفات | بروایت اصح ۱۴ ربیع الاول کو بعارضہ نقرس حوارین میں جو تدمر اور دمشق کے درمیان پر فضا مقام ہے وفات ہوئی ان کے فرزند اور ولیعہد معاویہ بن یزیدؒ نے نماز جنازہ پڑھائی تدفین کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ واقدی کی روایت ہے کہ ہر دلعزیز امیر المومنین کا جنازہ اتنے دور مقام سے لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور جامع دمشق کے مقبرہ باب الصغیر میں ان کے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیا روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

وقال الواقدی دفن یزید بدمشق فی مقبرۃ الباب الصغیر ومات بحوارین فحمل علی ایدی الرجال الیھا ودفن الی معاویۃ۔ (ص ج انساب الاشراف بلاذری)	واقدی کہتے ہیں کہ یزید دمشق میں باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے انتقال اُن کا حوارین میں ہوا اور وہاں سے جنازے کو لوگ اپنے ہاتھوں پر دمشق لائے اور ان کے والد (حضرت) معاویہؓ کے پہلو میں دفن کیا۔

سیدنا حضرت معاویہؓ کی قبر تو آج بھی موجود ہے مگر امیر المومنین یزیدؒ کی قبر

کے آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔ امیر یزیدؒ دمشقی نے ایک دوسرے مقام کو ان کا مدفن ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ ابوبکر بن حنظلہ نے امیر یزیدؒ کا مرثیہ کہا تھا اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدفن دمشق میں نہیں حوارین ہی میں ہے وہ شعر یہ ہے۔

یا ایُّھا القبر حوارینا	ضَمِمْتَ خیرَ الناسِ اَجْمَعِیْنا
اے وہ قبر جو حوارین میں ہے	سب لوگوں میں سے اچھا شخص تیرے پہلو میں آرام کر رہا ہے۔

مگر اس شعر کو اس طرح بھی کہا گیا ہے۔

یا ایُّھا المیت بحُوارینا	اَصْبحتَ خَیْرَ النّاسِ اَجْمَعِینا
اے وہ شخص جس کا انتقال حوارین میں ہوا	تو سب آدمیوں سے بہتر ہو گیا۔

امیر المومنین یزیدؒ نے بیالیس برس کی عمر پائی تقریباً یہی عمر ان کے نواسے امیر المومنین یزید بن عبد الملکؒ کی ہوئی۔ مدت خلافت تین برس نو مہینے تھی اور تقریباً یہی مدت خلافت ان کے ہم نام نواسے یزید بن عبد الملک کی بھی ہوئی۔

ازواج و اولاد امیر المومنین یزیدؒ کی زوجہ اولیٰ والدہ معاویہؒ ثانی کلبیہ خاتون تھیں ان کے انتقال کے بعد ان چار خواتین کو باوقات مختلف حبالہ عقد میں لائے۔ (۱) بنت ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس نام فاختہ تھا اور لقب حبہ۔ (۲) ام کلثوم بنت عبد اللہ بن عامر اموبہ (۳) ام محمد بنت عبد اللہ بن جعفر طیار ہاشمیہ (۴) ام مسکین بنت عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ۔ اولاد میں تیرہ بیٹے اور چھ بیٹیاں کل انیس اولادیں تھیں بیٹیوں میں سیدہ عاتکہ زوجہ امیر المومنین عبد الملکؒ بڑی دانشمند بی بی تھیں۔ ان سے دو بیٹے یزید و مروان فرزندان عبد الملکؒ ہوئے۔ سیدہ عاتکہ نے طویل عمر پائی قرشیہ خواتین میں یہ خصوصیت صرف ان ہی کو حاصل تھی کہ بارہ خلفائے اسلام ان کے محرم تھے یعنی (۱) ان کے دادا حضرت معاویہؓ (۲) ان کے والد امیر یزیدؒ (۳) ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ (۴) ان کے خسر مروانؓ بن الحکم (۵) ان کے شوہر عبد الملکؒ (۶) ان کے فرزند یزید بن عبد الملکؒ ان کے تین سوتیلے بیٹے (۷) الولید (۸) سلیمان (۹) ہشام۔ ان کے پوتے (۱۰) ولید بن یزید اور سوتیلے بیٹے الولید بن عبد الملک کے دو بیٹے (۱۱) یزید اور (۱۲) ابراہیم امیر یزیدؒ کی دوسری صاحبزادی ام یزید کی شادی الاصبغ بن عبد العزیز بن مروان سے ہوئی تھی تیسری بیٹی رملہ عباد بن امیر زیاد کی زوجہ تھیں ان کے فوت ہو جانے پر چوتھی بیٹی ام عبد الرحمٰن بھی ان ہی کو بیاہی گئیں۔ پانچویں بیٹی امیر المومنین یزید کی ام محمد زوجہ عمرو بن عتبہ بن ابو سفیان تھیں اور چھٹی صاحبزادی ام عثمان زوجہ عثمان بن محمد بن ابو سفیان تھیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے تیرہ بیٹوں میں (۱) معاویہؒ ثانی سب سے بڑے تھے جو خلافت پر فائز ہوئے۔ (۲) خالد (۳) عبد اللہ الاکبر (۴) ابو سفیان (۵) عبد اللہ الاصغر جن کا لقب الاسوار تھا (۶) محمد (۷) ابوبکر (۸) عمر (۹) عثمان (۱۰) عبد الرحمٰن (۱۱) عتبہ (۱۲) یزید (۱۳) عبد اللہ جن کو اصغر الاصاغر کہتے تھے۔ رحمہم اللہ۔

امیر المومنین معاویہ ثانیؒ

معاویہ ثانیؒ اپنے والد کے فرزند اکبر تھے، ان کی والدہ دومۃ الجندل کے سردار اکیدر کی بھتیجی تھیں ۴۲ھ میں ولادت ہوئی۔ بیعت خلافت کے وقت ۲۲ سال کی عمر تھی بلاذری کہتے ہیں کہ :-

فلما مات يزيد بايع الناس معاوية وأتته بيعة الآفاق إلا ما كان من ابن زبير فولي ثلاثة. (شهرا) (انساب الاشراف)

جب یزید کی وفات ہوگئی لوگوں نے معاویہ ثانی سے بیعت کی اور سوائے ابن زبیرؓ کے اور تمام مقامات کے لوگوں نے بیعت کی تین مہینے خلیفہ رہے۔

معاویہ ثانیؒ بڑے نیک خصلت اور باپ دادا کی طرح حلیم و کریم تھے خلقتاً کمزور جثہ کے تھے، رنگ سرخ و سفید تھا۔ کان شابا صالحا (وہ جوان صالح تھے) (تاریخ الاسلام ذہبی ج ۳ صفحہ ...) حدیث اور تفسیر کی اچھی تعلیم حاصل کی تھی ان کے استاد عمر المخصوص نہی عقیدتاً قدریہ تھے استاد کے خیالات کا اثر شاگرد پر بھی پڑا تھا۔ بچپن سے اپنے دادا حضرت معاویہؓ کی شفقت میں پرورش پائی تھی بیعت خلافت کے وقت سیاسی حالات سازگار نہ تھے۔ عراق و حجاز میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے طرفداروں کی تحریک شدت سے جاری تھی اور خود ملک شام میں حضرت ضحاکؓ بھی ان ہی کے طرفدار تھے۔ معاویہ ثانیؒ نے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پائی اپنے استاد سے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا اگر سنت کے مطابق سیاسی حالات کو درست کرنے کی

ہمت نہیں رکھتے ہو خلافت سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چنانچہ انھوں نے اعیان حکومت سرداران قبائل اور علماء و فضلاء کا بڑا جلسہ طلب کیا اور قبل جلسہ اپنے والد اور دادا کے مخصوص لوگوں سے علیحدہ علیحدہ بات چیت کی۔ پھر اس مجمع عام میں تقریر کی جلسہ میں بیشتر وہ حضرات موجود تھے جنھوں نے حضرت معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی خلافتوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے اور ان کے مخالفوں سے نبرد آزمائی کی تھی۔ معاویہ ثانی اپنے باپ دادا کی طرح اچھے خطیب بھی تھے۔ ان کی اس تقریر کے بعض حصے مورخین نے نقل بھی کئے ہیں یہ فقرہ ان سے منسوب ہے کہ خلافت اگر کوئی اچھی چیز ہے تو آل ابی سفیان اس کا خوب مزہ چکھ چکے، اگر بری چیز ہے تو ہم کو اسی حاجت نہیں۔ وان کان شرا فلاحاجة لنا فیه (ص۹۵) پس آپ لوگ خود اپنے میں سے اپنا امام منتخب کرلیں فاختاروالانفسکم اماما (ایضاً) اور ایسے شخص کی بیعت کریں جو اس کام میں مجھ سے زیادہ خواہشمند ہو۔ تبایعوا احرص علی ھذا الامر منی (ایضاً) پھر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میری بیعت سے آزاد ہیں اور حسان بن مالک کو متعین کیا کہ جب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جائے تم نماز پڑھاؤ اور مجلس شوریٰ کے انعقاد کا انتظام کرو۔ سبائی راویوں نے ان کی اس تقریر کے بعض فقرے وضع کرکے مشہور کئے ہیں جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا کی برئیاں بیان کی تھیں مگر ان لوگوں کو یہ خیال نہ آیا کہ برائیاں بیان کرنے کے لئے انھوں نے ان لوگوں کو جلسے میں طلب کیا تو

ان کے باپ دادا کی پالیسی کے طرفدار اور ان کے کارگذار رہے تھے مجمع میں نہ سبائی عراقی تھے اور نہ بلوائی حجازی بدگوئی کرتے بھی تو کس کے سامنے کس کے مواجہہ میں۔ یہ سب وضعی باتیں ہیں۔ مدت خلافت کے لئے بھی کسی نے چالیس دن بیان کئے ہیں کسی نے بیس دن۔ لیکن تحقیق سے یہ مدت تین سے کرچھ مہینے ثابت ہوتی ہے۔ مرض الموت کے بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ وبائی مہینے میں فوت ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی علامہ خالد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مقبرہ صغیر باب الفرادیس میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ۔ ان سے کوئی عقب نہیں اپنے دادا کی طرح ان کی کنیت عبدالرحمن تھی۔ مخالف تنقیصاً ابولیلی کہتے تھے۔

علامہ خالد بن امیر المومنین یزیدؒ

مسلمانوں میں سب سے پہلے سائنس داں اور بانی کیمیا

امیر المومنین معاویہؓ اور امیر المومنین یزیدؒ کے علمی ذوق کی بدولت دمشق میں یوں تو علماء و فضلا کی اچھی جماعت موجود تھی لیکن خود بیت معاذ "بیت الخلافہ" کے ساتھ "بیت الحکمۃ" بھی بن گیا تھا۔ ان ہی کے پوتے علامہ خالد بن یزیدؒ تھے جو علم حدیث و تفسیر اور لسانیات کے علاوہ دیگر علوم و فنون میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ علوم طبیعہ، فنون طب اور کیمیا سے ان کو خاص شغف تھا۔ صاحب مناجۃ الطلاب فی تقدمات العرب۔ نیز ابن خلکان (ص۲۱۱) نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"کان اول من اشتھر فی الطب بین الاسلام خالد بن یزید بن معاویہ الاموی

کان اعلم القریش بفنون العلم	زمانۂ اسلام میں سب سے پہلے علم طب
ولہ کلام فی صنعۃ "الکیمیا و	میں جو شخص مشہور ہوا وہ خالد بن یزید
والطب ورسائلہ فیھما دالہ "	بن معاویہ اموی تھا جو قوم قریش میں
علی معرفتہ وبراعتہ [1]	فنون علمیہ کا بڑا عالم تھا۔ کیمیا اور طب

کے رموز اس نے بیان کیے ہیں اور اس پر اس کے جو رسائل ہیں ان سے ان کی معرفت علمی اور ذکاوت ذہنی کا پتہ چلتا ہے۔

البیرونی نے بھی خالد کو "اسلام کا سب سے پہلا حکیم" بتایا ہے[2] زمانۂ حال کے مشہور مورخ پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں کہ۔

"علم طب سے فن کیمیاء کا بہت قریب کا تعلق ہے اور یہ ان اکتشافات علمیہ میں سے ہے۔ جس کو عربوں نے سب سے اول حاصل کیا تھا۔ خالد بن یزید کو روایت میں اسلام کا سب سے پہلا سائنٹسٹ اور فلاسفر (حکیم) بنایا گیا ہے۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ کیمسٹری کے بانی مبانی یہی صدر اول کے مسلمان عرب تھے۔ جورجی زیدان، جو ایک شامی النسل عیسائی فاضل تھا تاریخ التمدن الاسلامی میں اس کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے۔

لاخلاف فی ان العرب ھم الذین اسسوا الکیمیاء الحدیثۃ " بتجاربھم واستخلاصاتھم۔ تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ صفحہ ۱۸۲

---

[1] مطبوعہ بیروت ۴۳۹ [2] آثار الباقیہ البیرونی صفحہ ۳۰۲

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ عرب ہی تھے جنھوں نے موجودہ فن کیمیاء کی اپنے تجربات اور ذہنی قابلیتوں سے بنیاد ڈالی"

جملہ مورخین ومحققین کا اتفاق ہے کہ ان عرب فاضلوں میں جن کے علمی اور فنی کد وکاوش سے کیمیاء کو علمی درجہ حاصل ہوا۔ خالد بن یزید ہی پہلے عرب فاضل ہیں جن کو اس علم میں حد درجہ انہماک تھا۔ صاحب کتاب الاغانی شیعی خالد کے اس شغف وانہماک کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

خالد بن یزید معاویہ بن ابی سفیان — کان من رجالات قریش سخاء وعارضۃ وفصاحتہ وکان شغل نفسہ بطلب الکیمیاء فافنی بذالک عمرہ واسقط نفسہ۔ کتاب الاغانی ج ۱۶ صفحہ ۸۸-۸۹

خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان سخاوت وقابلیت وفصاحت میں قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ طلب علم کیمیا کے شغل میں اس نے اپنی ذات کو مصروف رکھا اور اپنی عمر اس میں صرف کر ڈالی اور اپنے کو فنا کر دیا۔ زمانہ حال کے ایک اور شیعی مورخ جسٹس امیر علی خالد کے خاندان کا تذکرہ اپنے نقطہ نظر سے کرنے کے بعد ان کے علم وفضل اور فن کیمسٹری میں ان کی مہارت وفضیلت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بنی امیہ نے اپنی تمام مدت حکومت میں صرف ایک عالم فاضل خالد بن یزید کو پیدا کیا جو علوم طبعیہ اور علم وادب میں اپنے اکتشافات علمیہ کے لئے نامور ہے خالد نے جو طب اور کیمسٹری کا جید عالم تھے ان مضامین پر اپنی تالیفات چھوڑی ہیں۔

علامہ خالد کے تذکروں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انہوں نے صنعت کیمیا کو ایک رومی راہب موریانس سے حاصل کیا تھا اور اپنے اس استاد فن سے بعض امور میں تحریری مباحثہ بھی کیا تھا چنانچہ ان کے ایک رسالہ میں ان امور اور "رموز" کا بیان بھی ہے سلسلہ بحث نے نظم کا پیرایہ بھی اختیار کیا تھا۔ علامہ خالد اپنے والد کی طرح اچھے بھی شاعر تھے۔

وله فیها ثلاث رسائل تضمنت احداهن ما جری له مع موریانس المذکور وصورة ما تعلمه منه والرموز التی اشار الیها وله فی ذلک اشعار کثیرة :۔ مناجة الطرب فی تقدمات العرب۔ ص۲۳۵

علامہ خالد نے نہ صرف علم طب و کیمیا کو سبقاً سبقاً رومی اساتذہ سے حاصل کیا بلکہ ان میں قدمائے یونان و مصر کی جس قدر بھی تالیفات دستیاب ہوسکیں ان کو حاصل کیا ان کے تراجم عربی زبان کرائے اور اس کے لئے دمشق اور مصر میں دار التراجم قائم کئے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر عربی۔ مسٹر براؤن نے سنہ ۱۹۱۹-۲۰ء میں "طب عربی" پر جو لیکچر کالج آف فزیشنز میں دیئے تھے۔ وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں پہلے لیکچر میں EARLY STUDY OF ALCHEMY کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ :۔

"یونانیوں کے علم و حکمت سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش کی اولین تحریک اموی شہزادہ خالد بن یزید بن معاویہؓ کے دل میں، جو علم کیمیا خاص سے شغف رکھتا تھا، پیدا ہوئی فہرست (ابن الندیم) کے بیان کے مطابق، جو

اس بارے میں ہماری معلومات کا سب سے قدیم اور سب سے بہتر ذریعہ ہے جو ہم تک پہونچا ہے، خالد نے یونانی فلاسفروں کو ملک مصر میں مجتمع کیا اور اس مضمون کی یونانی و مصری (قبطی) تصانیف کو عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے ان کو مقرر کیا یہ ترجمے حسب بیان صاحب "الفہرست" اسلام میں سب سے پہلے ترجمے تھے۔ جو ایک زبان سے دوسری زبان میں کئے گئے تھے ان مترجموں میں سے ایک کا نام استفانوس تھا جس نے دمشق کے دار الترجمہ میں متعدد کتابیں ترجمہ کی تھیں۔

واستفانوس الذی کان اول المترجمین لخالد المشار الیه فقد ترجم له عدت مصنفات من الرومی الی العربی۔ مناجة الطرب فی تقدمات العرب ص۲۳۶

خالد موصوف کا اولین مترجم استفانوس تھا اور اس نے متعدد تصنیف کا رومی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

پروفیسر نکلسن نے اپنی مشہور کتاب A LITERARY HISTORY OF THE ARABS میں یونانی علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے یہی لکھا ہے۔

تاریخ ادب عربی کے قابل مولف کلیمنٹ ہوار نے خالد بن یزید کے علم کیمیا کی تحصیل اور اس کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

غرضکہ مندرجہ بالا تصریحات سے یہ امر بدرجہ تواتر ثابت ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے شخص جنہوں نے علم کیمیا کو حاصل کیا، اس کے تجربات کئے اور اس فن میں کتابیں لکھیں خالد بن یزید ہی تھے۔ پروفیسر ہوار نے ایک دوسرے

موثق روایت پر کھرے ہیں۔

ازمنۂ متوسطہ کا مشہور ماہر فن کیمیا جابر بن حیان غالباً خالد بن یزید کا شاگرد تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جعفر الصادقؑ شاید جابر کے استاد تھے۔

جابر بن حیان کا زمانہ ضرور جناب جعفر صادقؑ کے بعد کا ہے۔ لیکن خود جناب موصوف کا جن کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ فن کیمیا کی معلومات کا حصول اپنے پیش رو علامہ خالد بن یزیدؒ کی مساعی علمیہ سے کیا کسی طرح مستبعد نہیں خیال کیا جا سکتا۔

صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں علامہ خالد کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کو فن کیمیا کا باپ کہا ہے کیونکہ اسلام میں انہی نے سب سے پہلے اس فن کی تحصیل کی تھی اور اس میں کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جاحظ البیان والتبیین میں فرماتے ہیں کہ۔

کان خالد بن یزید بن معاویۃ خطیباً شاعراً وفصیحاً جامعاً وجید الرای کثیر الادب وکان اول من ترجم کتب النجوم والطب والکیمیا (ج ۱، ص ۲۱۳)

قدیم یونانیوں کا خیال تھا کہ اکسیر کے ذریعہ ناقص دھاتوں کی تکمیل ہو سکتی ہے اور ان کو اعلیٰ بنایا جا سکتا ہے (اسی غلط فہمی سے چاندی سے سونا بنانے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن علامہ خالد کی مساعی علمیہ کی بدولت اسلام میں آکر کیمیا کا گویا مذہب ہی بدل گیا اور بجائے سونا چاندی بنانے کے اس سے طب وقرابادین میں اشیاء کے اجزا اور خواص کے تعین میں مدد لی جانے لگی۔

بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کیا ہے کہ خالد کی جو اپنے زمانے کے بہترین خطیب بھی تھے اور ساتھ ہی شاعر و ادیب بھی۔ کیمیا کی دھن میں یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ اکثر خاموش رہتے اور کیمیاء کے تجربات کے بارے میں غور و خوض کرتے رہتے تھے۔

(انساب الاشراف بلاذری قسم الثانی جزء الرابع ص ۹۲ مطبوعہ بیروت)

طب کے مسائل کے علاوہ علامہ خالد نے اپنے کیمیاوی کارخانہ "لیبارٹری" میں بعض ایسی دریافتیں اور ایجادات بھی کیں جن سے عربوں کے فن حرب کو رومیوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ ان کے باپ دادا کو رومیوں سے برابر برسر پیکار رہنا پڑا تھا اور "گریک فائر" (آتش یونان) سے جو رومی فوجیں استعمال کرتی تھیں۔ بڑے نقصانات اٹھانا پڑتے تھے۔ یہ ایک کیمیاوی مرکب تھا جس کی ایک پچکاری چلانے سے آگ لگ جاتی تھی۔ قلعہ یا جہاز جس چیز پر پڑتی اس کو جلا دیتی۔ گبن نے اس کو ایک شامی عیسائی کی ایجاد بتایا ہے جو بنی امیہ کے عہد میں شام سے بھاگ کر روم پہونچا تھا۔ خالد کی لیبارٹری میں حل و عقد سے اس کا نسخہ معلوم کر لیا گیا اس کا جزو اعظم روغن نفت تھا۔ لہٰذا عربی میں اس کو نفت بھی کہنے لگے تھے۔ اس کیمیکل مرکب کی دریافت نے مسلمانوں کے آلات حرب کو زیادہ کارگر بنا دیا تھا۔ دشمن اس سے زیادہ کسی چیز کو بھی مہیب نہیں جانتے تھے۔ اس کو اڑتا ہوا اژدہا کہتے تھے۔ بعد کی صلیبی جنگوں میں اس کا استعمال کثرت سے کیا گیا۔ صلیبی جنگ آزما جب اس کا مقابلہ کسی طرح نہ کر سکتے تو اپنے بادشاہ سینٹ لوئی کے پاس پہونچکر فریادی ہوتے۔ لوئی زمین پر گر پڑتا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر تضرع و زاری سے کہتا کہ "اے خداوند مسیح مجھے اور میری فوج کو

اس بلا سے بچا۔ (تمدن عرب ص۴۳۹)

علامہ خالد نے علم کیمیاء پر جو تصانیف کی ہیں ان میں سے ایک میں اپنے اجتہادات اور تجربات کو جنہیں "رموز" سے تعبیر کیا ہے بیان کیا ہے۔ اپنے بیٹے ابی سفیان کو جسے خود یہ علم سکھایا تھا بطور وصیت کے صنعت کیمیاء کے "رموز" لکھ دیئے تھے۔ ابن الندیم نے خالد اور ان کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے۔

"ان خالد عنی باخراج کتب القدماء فی الصنعة وکان خطیبا شاعرا فصیحا حازما وھو اول من ترجم لہ کتب الطب والنجوم وکتب الکیمیا وقد رایت من کتبہ کتاب الحرارت، کتاب الصحیفہ الکبیر، کتاب الصحیفہ الصغیر، کتاب وصیة الی ابنہ فی الصنعة

(فہرست ابن الندیم ص۳۵۴)

"خالد نے صنعت (کیمیا) پر قدما کی کتابوں کے حصول میں بڑی دوڑ دھوپ کی، وہ خطیب بھی تھے اور فصیح شاعر و ہوشمند بھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے طب ونجوم وکیمیاء کی کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ میں نے ان کی تصانیف مطالعہ کی ہیں جس میں کتاب الحرارت وکتاب صحیفہ کبیر وصحیفہ صغیر تھیں اور ایک کتاب جس میں اپنے بیٹے کو صنعت کیمیا کے رموز وصیت کئے ہیں۔"

یہ تو وہ تصانیف ہیں جو ابن الندیم نے مطالعہ کی تھیں۔ معلوم نہیں دیگر علوم کے بارے میں ان کی اور کیا تالیفات ہونگی جو ضائع گئیں۔ پروفیسر براؤن نے ایک دوسرے لیکچر میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ کیمیا کے علاوہ

دیگر علوم فلسفہ وطب وغیرہ پر بھی خالد نے قدمائے یونان ومصر کی تصانیف کا ترجمہ کرایا تھا۔ پروفیسر ہٹی اور پروفیسر براؤن نے جابر ابن حیان کے فن کیمیا میں علامہ خالد بن یزید کی شاگردی کا ذکر کرتے ہوئے شبہ کا اظہار کیا ہے برخلاف ان کے جورجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی (ج۳ ص۱۸۲) میں صاف صاف لکھا ہے کہ جعفر الصادق نے اس فن کی تعلیم علامہ خالد موصوف سے حاصل کی تھی۔ جب یہ ثابت ہے کہ خالد اسلام میں کیمیا کے موجد وموسس کا درجہ رکھتے تھے اپنے بیٹے کو بھی یہ علم سکھایا تھا اور اس کے لئے ایک خاص کتاب بھی لکھی تھی تو اس کے بعد جس کسی مسلمان نے ان علوم کو حاصل کیا ہو ان کے تجربات اور تصانیف سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ خالد اور ان کے خلاف برابر حجاز جاتے رہتے تھے کتاب انساب الاشراف بلاذری میں خالد کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ یعنی علامہ خالد کا حج کے لئے جانا وہاں قیام کرنا۔ مصعب بن زبیرؓ کی حقیقی بہن رملہ سے نکاح کرنا اور دیگر واقعات کا بیان ہے۔ حضرت زبیرؓ کی پوتی سے یہ نکاح اسی سال ہوا تھا جس سال حجاج نے اس زبیری خاتون کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کیا تھا۔ حجاج کو جب خالد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو اس نے رقعہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ آل زبیر کے یہاں رشتہ کریں گے۔ تو مجھ سے مشورہ بھی نہ کریں گے وہ خاندان تو آپ کا کفو وہمسر بھی نہیں ان لوگوں نے تو آپ کے والد سے خلافت کے بارے میں لڑائی کی تھی اور بڑے بڑے الزام لگائے تھے۔ جس وقت علامہ خالد نے یہ

رقعہ پڑھا بڑا طیش آیا۔ قاصد سے کہا اگر پیغامبروں کو سزا دینا جائز ہوتا تو
تمہارے ٹکڑے کر کے حجاج کے دروازے پر پھنکوا دیتا۔ جاؤ اس کو جواب
دو کہ ہم یہ نہ سمجھتے تھے کہ تم اپنے کو اتنا اونچا جاننے لگے ہو کہ اپنے خاندان
قریش میں بغیر تمہارے مشورے کے میں رشتہ نہ کروں۔

زبیری تو ہمارے ہمسر اور کفو ہیں۔ اے ام الحجاج کے بیٹے تیرا برا ہو
کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خاندان میں
خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا تھا اور العوام نے صفیہ بنت عبد المطلب
سے آل ابوسفیان اور بنو امیہ کے تو یہ آل زبیر ہمسر کے ہیں اور ہم کفو بھی
آخر میں فرمایا تھا۔

واما قولک قاتلوا اباک علی الخلافۃ
وہمو لا بکل قبیلۃ نہی قریش تقارع
بعضہا بعضا حتی اذا اقی اللہ الامر
مقرا لا عادت الی احلامہا وفضلہا
ص ۹۵

اور تمہارا یہ کہنا کہ آل زبیر نے) تمہارے والد
سے خلافت پر جنگ کی ان پر قبیح الزام
لگائے۔ سنو قریش آپس میں کتنی ہی جنگ
وجدل کر بیٹھیں جب لڑائی ختم ہو جاتی
ہے پھر وہ اپنی خاندانی نجابت وشرافت
اور رشتہ داری پر پلٹ آتے ہیں۔
(اشتر کینہ نہیں رکھتے)

چنانچہ اپنے والد کے سیاسی حریف عبد اللہ بن زبیرؓ کی سوتیلی بہن سے
جو بنو کلب کی نواسی تھیں نکاح کیا۔ انہی کے بارے میں ان کے یہ شعر بھی
بلاذری نے لکھے ہیں۔

أحبُّ بني العوام طرا لحبها
ومن حبها أحببت أخوالها كلبا

میں ان کی محبت میں بنی العوام (زبیریوں) سے
محبت کرتا ہوں۔

اور انہی کی محبت کی بنا پر ان کی ننھیال بنو
کلب سے۔

ولا تکثروا فیہا الضجاج فاننی
تخیرتہا عن آ زبیریۃ قلبا

مجھے ان کے بارے میں زیادہ تکرار مت
کرو۔

میں نے قصداً انہیں منتخب کیا ہے کہ ان کا
دل زبیری خصائص کا آئینہ دار ہے۔

امیر المومنین یزیدؒ کے فرزند کے زبیری خاندان میں اس رشتہ سے
بھی ان اکاذیب کی تردید ہو جاتی ہے جو کعبہ کی بےحرمتی اور اہل مکہ کے مظالم
کی تراشی گئی ہیں زبیری خاندان کے علاوہ ہاشمی خاندان میں اپنا ایک نکاح
حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے ہاں کیا تھا اسی ہاشمیہ زوجہ کے بارے میں
بلاذری نے ان کے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

منافیۃ غراءاجاتِ جُودھا
لعبد مناف اغرّ مشتہر

بنو عبد مناف کی اس ذی رتبہ خاتون نے
عبد مناف کے ممتاز فرزند کو اپنی خاص
محبت سے نوازا ہے۔

مطھرۃ بین النبی محمدٍ
وبین الشہید ذی الجناحین جعفرٍ

وہ ایسے پاک نسب کی ہیں کہ ایک طرف
محمد جیسے رسول ہیں۔

اور دوسری طرف جعفر ذو الجناحین جیسے
شہید۔

یہ شعر اس طرح بھی لکھا ہے۔

مقابلۃ بین النبی محمدٍ
وبین علیٍّ ذی الفخار وجعفرٍ

ان کے ایک طرف محمدؐ جیسے نبی ہیں اور دوسری طرف علیؓ وجعفرؓ جیسے قابل فخر بزرگ۔

ہاشمی خاندان میں فرزند امیر المومنین یزیدؒ کا یہ رشتہ مناکحت کیا اس بات کا مزید ثبوت نہیں کہ خاندان معاویہؓ وخاندان علیؓ میں کوئی خاندانی دشمنی عناد یا مغائرت نہ تھی۔ سیاسی جھگڑوں کے باوجود یہ سب ایک ہی تھے۔

علمی ودینی شغف کے ساتھ ساتھ مملکت کے انتظامی امور میں بھی مہارت تھی۔ عرصہ تک صوبہ حمص کے گورنر رہے اور وہاں انھوں نے اپنے صرف سے جامع مسجد تعمیر کی تھی۔

وکان خالد علی حمص فبنی مسجدها وکان له اربع مائة عبد یعملون فی المسجد فلما فرغوا من بنائه اعتقهم۔	اور (علامہ) خالد حمص کے حاکم تھے۔ وہاں انھوں نے مسجد تعمیر کرائی جس کی تعمیر میں ان کے چار سو غلام کام کرتے تھے۔ جب تعمیر کے کام سے یہ لوگ فارغ ہو گئے ان سب کو آزاد کر دیا۔
(انساب الاشراف بلاذری ص۴۹)	

ان کی علم دوستی اور علوم دینیہ کے ذوق قلبی کا اندازہ اس عدیم المثال واقعہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے علمی سرمایہ کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے جبرانا منہ کے غلام شاگرد ابو عبد اللہ عکرمہ کو چار ہزار دینار میں خرید لیا تاکہ اپنے پاس رکھکر ان کی علمی معلومات سے بہرہ مند ہوں۔

مات ابن عباس وعکرمة عبد	حضرت ابن عباسؓ کی وفات ہوئی تو

فاشتراه خالد بن یزید بن معاویہ من علی بن عبد اللہ بن عباس باربعة الاف دینار	اس وقت بھی عکرمہ غلامی کی حالت میں تھے خالد بن یزید بن معاویہ نے انہیں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے چار ہزار دینار میں خرید کر لیا۔
(طبقات ابن سعد)	

اسی روایت میں مزید یہ بھی ہے جب عکرمہ نے علی بن عبد اللہ بن عباسؓ سے شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے والد کے علم کو اتنی رقم میں فروخت کر دیا انہیں ندامت ہوئی اور علامہ خالد سے اس معاملہ بیع وشرا کو منسوخ کرا کے عکرمہ کو آزاد کر دیا۔ مذہبی اعمال کے بڑے پابند تھے۔ جمعہ کو کہ عید المسلمین ہے روزہ رکھتے اسی طرح سنیچر واتوار کو کہ اہل کتاب کی عیدیں ہیں۔ محدث ابو زرعہ دمشقی کا قول ان کے اور ان کے بھائی معاویہ ثانیؒ کے بارے میں ہے کہ کانا من خیار القوم (البدایہ) اپنے دادا اور باپ کی طرح بخشش وعطا وجود وسخا میں بڑے دریا دل تھے۔ شعراء نے ان کی مدح میں جو کہا ہے یہ دو شعر سنیئے۔

سألت الندا والجود حران انتما فردا وقالا اننا لعبید
فقلت من مولاکما فتطا ولا علی وقالا خالد بن یزید

سنہ وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں کسی نے ۸۴ھ لکھا ہے کسی نے ۹۰ھ۔ ابن کثیرؒ کے نزدیک آخر الذکر سنہ صحیح ہے لیکن بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین ولید بن عبد الملکؒ کے زمانہ میں وفات ہوئی واللہ اعلم۔

اولاد میں چھ بیٹے تھے۔ سعیدؒ، یزیدؒ، حربؒ، عتبہؒ، ابوسفیانؒ، اور عبداللہؒ آخرالذکر کے نکاح میں حضرت حسینؓ کے بھائی عباس بن علیؓ مقتول کربلا کی پوتی سیدہ نفیسہ تھیں جن کے بطن سے ان کے فرزند علی بن عبداللہ بن خالد بن یزید تھے۔ جنہوں نے امیرالمومنین عبداللہ المولیٰ عباسیؒ کے عہد میں بادعائے خلافت دمشق پر قبضہ کر لیا تھا۔

امیرالمومنین یزیدؒ کے بقیہ فرزندان اور ان کی اولاد کا تذکرہ دوسری جلد میں ملاحظہ ہو۔

تقریظ

از قلم جناب سردار احمد خاں پتافی صدر تنظیم اہلسنت

جام پور۔ ڈیرہ غازی خاں پاکستان

جہاں تک شیعہ سُنی کے بنیادی عقائد و اعمال۔ توحید، رسالت، نماز و روزہ حج و زکوٰۃ کا تعلق ہے باہمی اختلافات آرا یا اجتہادات کچھ بھی دقیع نہیں۔ اسلاف کرام کے مناقشات کو جو انتخاب خلافت اور سیاسی معاملات کے سلسلہ میں تیرہ چودہ سو برس پہلے سب ہوئے تھے وہ تاریخ کے عبرت آموز باب سے زیادہ کوئی وزن نہیں رکھتے۔ ان اختلافات کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا اور رسمی و ماتمی ہنگامہ آرائیوں سے ان کی یاد اس نوعیت سے تازہ کرنا کہ فرقہ وارانہ کشاکش کا موجب بنیں ہرگز جائز نہیں خصوصاً موجودہ اسلامی سیاسیات کے ارتقائی مقاصد کے اعتبار سے۔

جہاں تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے یہ فریضہ حق پرست اور صاحب نظر مؤرخین کا ہے کہ موجودہ تقاضوں کے پیش نظر گذشتہ چودہ سو صدیوں کے حالات و واقعات پر سے مبالغہ آمیز جذباتی اور متعصبانہ روایتوں کے پردے اٹھا کر اصل حقیقت کا انکشاف کریں۔ کیونکہ بعض تاریخی واقعات سے اگر اکابرین کی باہمی رنجشیں اخذ کی جا سکتی ہیں تو ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں جن سے ان کے باہمی روادار یاں بیّن طور سے ثابت ہیں اور حق تو یہ ہے کہ عیب چوں گفتہ ہنرش نیز بگو۔ جو جھگڑے اور اختلافات اسلاف کرام کے آپس میں پیدا ہوئے وہ انہی کے

واقعوں ختم بھی ہوئے، بعد میں جو غلط الزامات بعض بزرگوں کے خلاف وضع ہوئے اور منسوب کئے گئے ان کی تردید بھی خود انہی بزرگوں نے اپنے عمل سے کر دی تھی۔ جن کے حق میں یہ باتیں وضع ہوئیں۔ مثلاً اصحاب ثلاثہ پر یہ سراسر غلط الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کا حق خلافت چھین لیا، باغ فدک غصب کر لیا حضرت علیؓ سے ان میں سے ایک صاحب نے زبردستی رشتہ لے لیا وغیرہ مگر تاریخ ہی سے ثابت ہے کہ خود حضرت علیؓ ہی نے اپنے عمل اور کردار سے ان الزامات کا تار و پود ہی بکھیر دیا۔ انھوں نے ہمیشہ اصحاب ثلاثہ سے تعاون کیا، نہ تو ان سے کوئی تنازعہ کیا نہ ان کے خلاف جہاد کیا۔ نہ ان کے دائرہ اقتدار سے ہجرت فرمائی نہ ترک وطن کیا بلکہ ان حضرات کی خلافتوں میں انہی کی حکومتوں میں قیام رکھا۔ انہی کی اقتدا میں نمازیں پڑھیں ان کی مجلسوں اور صحبتوں میں برابر شریک رہے اور وقت ضرورت مشورے دیتے رہے۔ افسوس کہ بعض لوگ ان احسن تعلقات اور ان مخلصانہ برتاؤ کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں مگر اس تقیہ کے عقیدہ کو تو حضرت حسینؓ نے اپنے عمل و کردار سے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ اگر یہ کوئی نیک عمل ہوتا تو اس کے سب سے بڑے عمل کرنے والے تو حضرت حسینؓ ہوتے جو تنگ وقت میں مجبور بھی تھے نہ کہ حضرت علیؓ جو گوناگوں امکانات کے مالک تھے۔

قاتلین حضرت عثمانؓ کے تعصب کے عنوان پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ لڑائی بھی ہوئی لیکن حضرت علیؓ کے وصال کے بعد حضرت حسنؓ نے اسلامی اور ملکی مفاد کی خاطر حضرت معاویہؓ سے بعد میں صلح و بیعت فرمالی اور تمام سابقہ رنجشوں اور کدورتوں کو نسیاً منسیاً کا درجہ دیدیا۔ حضرت معاویہؓ کی

خلافت اور سلطنت میں مقیم رہے۔ انہی سے مراعات اور کثیر المقدار وظائف حاصل فرماتے رہے۔ اُن کے ساتھ ہمیشہ بہترین تعلقات استوار رکھے۔ مگر حضرت حسنؓ کے حسن سلوک کے واقعات چھپائے جاتے ہیں اور صرف سابقہ جھگڑے اور رنجشیں پیش کر کے حضرت حسنؓ کی منظور کردہ ہستی کے خلاف طعن و تبرا کیا جاتا ہے اور اس طرح مسلمانوں میں باہمی نفرت و کدورت بڑھائی جاتی ہے۔ ان انکشافات کے لئے بھی مورخین کی غور و توجہ کی ضرورت ہے تاکہ گذشتہ چودہ صدیوں کے یکطرفہ واقعات کی بنا پر اگر بعض لوگ مسلمانوں میں بغض و عناد قائم اور دائم رکھنا ضروری بھی سمجھیں تو صاحب انصاف طبقہ سے اُن واقعات کا دوسرا رُخ بھی مخفی نہ رہے۔

امیر یزید بن حضرت معاویہؓ کے عہد میں حادثہ کربلا وقوع میں آیا۔ لیکن یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ اس کے بعد جب حضرت زین العابدینؒ امیر یزید کے پاس پہنچے تو اُن کو اس حادثہ پر متاسف اور پریشان پایا۔ اُن کو توقع نہ تھی کہ یہ ماجرا حضرت حسینؓ کی شہادت تک پہنچ جائے گا جس طرح کہ خود حضرت حسینؓ کو بھی اُن واقعات کی توقع نہ تھی جو یکایک اُن کو پیش آ گئے۔

چنانچہ حضرت زین العابدین نے امیر یزید کو بے قصور قرار دیا۔ اور اُن کی حکومت میں مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے۔ اگر ان کو اس بارے میں پوری تسلی اور پورا اطمینان حاصل نہ ہوتا تو اُن کا ہاشمی خون ہاشمی غیرت اور ہاشمی شجاعت اُن کو ہرگز اجازت نہ دیتی کہ وہ اپنے کنبہ اور اپنے باپ کے قاتل کی سلطنت اور حکومت میں قیام کریں اور سکونت پذیر ہوں اور اُن سے مراعات حاصل کریں۔ چنانچہ سکونت اختیار کرنے

کے بعد نہ انھوں نے اُن کی سلطنت سے ہجرت فرمائی نہ اُن کے خلاف جہاد کیا۔
بلکہ بعد میں جب دوسری مختلف پارٹیوں نے امیر یزید کے خلاف مدینہ منورہ
میں سازشیں اور بغاوتیں شروع کیں۔ امیر یزید کے معین و مددگار رہے
ایسے واقعات کو مورخ ہی واشگاف کر سکتا ہے کہ امیر یزید کی زندگی تک اُن دونوں
حضرات کے باہمی تعلقات کیسے عمدہ اور کیسے مخلصانہ رہے۔ درحقیقت ملکی اور
اسلامی مفاد کے پیش نظر اس قسم کی رواداریاں برتنا کوئی ایسے نئے اور انوکھے
واقعات نہیں جو صرف حضرت زین العابدینؒ ہی سے عمل میں آئے ہوں۔ حضرت
حسنؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا بے مثل حسن سلوک اور حضرت حسنؓ کی بے نظیر
رواداری ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

لہٰذا مورخین کا صاحب نظر اور بصیرت طبقہ ہی مسلمانوں کو سمجھا سکتا ہے کہ
جن شخصیتوں کے ساتھ حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ اور حضرت زین العابدین نے
تعلقات استوار رکھکر تعاون فرمایا ہو۔ جن کی مراعات اور وظائف قبول
کئے ہوں اُنہی کے حق میں طعن و تبرا کرنا۔ اُنہی کی تنقیصوں اور تنقیدوں کو ایک
مستقل مسلسل اور دائمی مشغلہ بنالینا پھر اُس مشغلہ پر اپنے مسلک کا سارا دارو
مدار رکھکر اُسے ایک نفرت انگیز ادارہ کی صورت میں قائم رکھنا یہ کونسی عبادت
یا کونسی اسلامی خدمت ہے۔

مبارک ہیں وہ مورخ جو حضرت علیؓ اور اصحاب ثلاثہ۔ حضرت حسنؓ اور
حضرت معاویہؓ۔ حضرت زین العابدینؒ اور امیر یزید ابن حضرت معاویہؓ کے باہمی
حسن تعلقات اور حسن سلوک پر روشنی ڈالیں اور مسلمانوں کی وہ باہمی نفرت اور

بغض رفع کریں جس کو اب چودہ صدیوں کے بعد بھی بعض لوگ باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

جناب محمود احمد صاحب عباسی کو اللہ تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے انھوں
نے نہایت مستحکم دلائل و شواہد کی بنیادوں پر ایک سلسلۂ تاریخ شروع فرمایا ہے۔
وہ اس قسم کا مستند اور نفرت شکن لٹریچر شائع فرما کر ملک و ملت کی ایک بڑی مفید
خدمت سرانجام فرما رہے ہیں۔

جہاں لوگ ہاشمی اور اموی خاندان کے صرف بغض و عناد پیش کر کے طبقاتی نفرت
بڑھاتے ہیں وہاں جناب عباسی صاحب نے اُن کے باہمی تاریخ وہ حالات کے
ساتھ ساتھ ان کی باہمی رواداریوں حسن اخلاق اور حسن سلوک کے واقعات بھی
پیش کر دیئے ہیں۔ الغرض اس طرح انھوں نے شیعہ سنی اتحاد و اتفاق کے لئے ایک
بڑا مواد جمع کر دیا ہے۔

اب اگر ہمارے مقتدا اور پیشوا طبقہ یعنی حضرت حسن حضرت زین العابدین نے
بگڑے ہوئے تعلقات کو اسلامی اور ملکی مفاد کی خاطر پھر جوڑنے کی کوشش فرمائی
تو ہم مقتدی اور پیرو کار طبقہ کو ہرگز لائق نہیں کہ اُن کے جڑے ہوئے تعلقات
کو صدیوں کے بعد پھر بگاڑ بگاڑ کر مسلمانوں میں افتراق پیدا کریں۔

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم

بہرحال عباسی صاحب کی سعی و کوشش ہر لحاظ سے قابل قدر۔ قابل غور اور
قابل شکریہ ہے۔

مثنوی مشتمل بر تاریخ طبع کتاب

از جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آں صاحب علم و فضل و خبرت — محمود احمد، زعیم ملت !

واقف ز سیر، خبیر[1] از انساب — مفتوح بر او ز علم ہر باب

در حق گوئیش پیش و پس نیست — ترساں ز ملامِ ہیچ کس نیست

بنوشت کنوں ہمیں کتابے — برداشت ز روئے حق نقابے

کردہ رُخِ اختلافِ اسلاف — از گرد و غبارِ افتراآت

غث را ز سمین جدا نمودہ — ہر عقدۂ بستہ را کشودہ

در صدق بیان رضائے حق دید — در لومۂ لائمان نہ ترسید

اللہ اللہ! عجب کتابے است — ہر صفحہ او گوئی آفتابے است

چوں مژدۂ طبع او شنیدم — گلہا ز ریاضِ شکر چیدم

پس دل سنۂ طباعتش خواست — در خوضِ حریم فکر آراست

برخواند سروشِ غیب ناگہ

حالاتِ مُناقشاتِ اُمّہ

١٣٧٨ھ

قطعاتِ تاریخ فارسی

از قلم:- مولانا مفتی سید حفیظ الدین احمد صاحب تائبؔ مقیم دھلی

مؤلف عالی ذات — فضیلت پناہ

٧٨ — ھ — ١٣

[1] خبیر یعنی باخبر

صاحبِ جاہ و اقبال مولانائے محترم محمود احمد عباسی

١٣ — ھ — ٧٨

ترا بقائے ابد باد در نکو نامی — عجب صحیفہ نوشتی برنگ یکتائی

عصائے موسوی آمد قلم بدستِ تو — بیک کرشمہ ربودی طلسمِ ہفت[1] صدی

نہاں بپردۂ ایام ہیچ راز نماند — چو فاش گشتہ ہمہ انگ و زورِ تاریخی

صریرِ کلکِ تو در کشفِ مشکلاتِ قوم — چنانکہ فصلِ خطابست و لحنِ داؤدی

تراست حجتِ قاطع، بدست تیغِ قلم — چگونہ پیش رود دعوئے کذوبِ دنی

نگارشِ تو عجب طرزِ دلستاں دارد — کہ آفریں بکند ہمچو حالیؔ و شبلیؔ

کمالِ دانشِ تو از فیوضِ حبر[2] آمد — گلِ شگفتہ از گلستانِ عباسی

زمانہ را کہ ز غفلت بخواب در شدہ بود — کشید کلکِ تو در دیدہ کحلِ بیداری

بجست تائبِ خستہ چو سالِ ایں تالیف

چہ خوب آمدہ - دورِ خلافتِ اموی

١٣٧٨ھ

ایضاً

از قلم جناب علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

آں صاحبِ علم و فضل محمود — کو ہست آگہ ز ہر سیرت

[1] ضرورت شعری سے لکھا گیا ورنہ طلسم تو بارہ سو برس سے زیادہ کا ہے۔

[2] یعنی حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جد اعلیٰ مؤلف۔

بنوشت کتاب و برد بر آورد — خوش لمعۂ نور از ابر ظلمت

صد شکر کہ طبع گشت و برداشت — از چشم جہان غشائے غفلت

شد بے شمار[۵۱] تیاب سالش

"احوال مناقشات امت"

۷۸ ۱۳ ھ

مشکبار قطعہ تاریخ

برجستہ تالیف "خلافت معاویہ و یزید"

۱۵ ۲۰ بکری

از بلندی فکر دلپسند سید خورشید علی صاحب

۵۹ ۔ ۱۹ ۶

محسن حقیقی مہر نقوی جے پوری

۷۸ ۱۳ ھ

تالیف کرد حضرت محمود[۵۲] نسخۂ — کز حکمتش علاج دل نکتہ چین کنند

روشن شوند قلب داغ از جمال آن — نظارہ اش چو از نگہ دوربین کنند

در جزودان دل نہند آں را باشتیاق — از حرف حرف زینت لوح جبیں کنند

برنا و پیر ملت اسلام! لازم است — بالاشتراک بر اثرش آفریں کنند

کار سیست باصواب ثواب است بے حساب — کارے کہ عالماں پئے تعلیم دیں کنند

---

[۵۱] بعد تخرجہ یک عدد سنہ ۱۳۷۸ھ برمی آید۔

[۵۲] علامہ محمود احمد صاحب عباسی امروہوی

تاریخ باصواب بگفتم بہ تعمیہ

۹۹

ایں کار از تو آمد و مرداں چنیں کنند

۷۹ ۱۲ + ۹۹ = سنہ ۱۳۷۸ھ

قطعات اردو

از قلم علامہ تمنا عمادی صاحب مقیم ڈھاکہ

محمود ہے جن کا نام محمود ہے کام — کیا خوب کتاب انھوں کی ہے ارقام

پوچھے سنہ طبع تمنا جو کوئی — کہہ دو کہ "مشاجرات اسلاف کرام"

سنہ ۱۳۷۸ھ

ولہ

کیسی ہے کتاب فی الحقیقت؟ کہئے! — انصاف سے، از روئے دیانت کہئے

جو نام ہی بے بہا، وہ تاریخ بھی ہے — آپ اس کو "مشاجرات امت" کہئے

۷۸ ۱۳ ھ

(زیبا کے بھی (۸) عدد ہیں "بے بہا" کہنے سے "مشاجرات امت" کے (۱۳۸۶) سے (۸) عدد خارج ہو کر باقی سنہ ۱۳۷۸ھ رہ گیا)

ولہ

اس کا بھی جاننا ہے فرض ہم پہ صحیح طور سے

بعض سلف کے کچھ دنوں گذرے ہیں کیسے لیل و یوم

پڑھیئے اب اس کتاب کو، خوب چھپی ہے وقت پر

ہو جئے جلد ہوشیار، ہیں اگر آپ محو نوم

بغضِ قرآن سے دل میں ہو جن کا ہے اتباع فرض
کام کبھی نہ آئیں گے کھوکھلے یہ صلوٰۃ و صوم

ہے بھی یہ شاہکار اس صاحبِ علم و فضل کا
تھام سکا نہ جس کا ہاتھ لائم بد گہر کا لوم

چاہئے اس کے طبع کا سال جو تجھ کو عیسوی
لکھ دے تمنّیٔ حزیں "ذکرِ مناقبات قوم"

۱۹۵۸ء

ولہ

تاریخ کی تحقیق بھی ایک کام ہے اہم — انسان نہیں ناحق کسی جانب جو ڈھل گیا
گو حضرتِ محمود نے دکھلا دی راہِ حق — کیا راہِ حق پائیگا وہ ضد پہ جو تل گیا

اب تم تمنّا طبع کی تاریخ یوں لکھو
"لوگوں کے بہتانات کا سب راز کھل گیا"

۱۳۷۸ھ

آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

(از مولانا سہیل عباسی خطیب ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائلپور)

مطلعِ تاریخ پر نکلا ہے گویا ماہِ عید
آ گئی لوگوں کے ہاتھوں میں حقائق کی کلید

خوب لکھی ہے کتاب لاجواب و باصواب
علم کی دنیا میں ہر سو غل اٹھا ہل من مزید

ہو گئی مسدود راہِ لعن و طعن و افترا
مذہبِ باطل کی اس سے کٹ گئی حبل الورید

مصرعِ پُر لطف ہم نے بھی لکھا ہے اے سہیل
"ہو گئے علامہ محمود احمد بایزید"

وہ حدیثِ مستند یعنی کہ مغفورٌ لہم

فوجِ قسطنطین پر صادق ہے جس میں ہے یزید"

اِس حدیثِ مغفرت میں کوئی استثناء نہیں!

شہ رگِ اسلام پہ دیتے ہو کیوں ضربِ شدید؟

موردِ الزام ٹھہراتے ہو ہم کو دوستو

کر کے تاویلات اور تحریف کی گفت و شنید

ہو گئے عاجز دلائل سے تو غصہ آ گیا

کف بلب آمد و خارِ دشمنی در دل خلید

دوستو! واللہ ربّ العرش و ربّ العٰلمین

اِس حدیثِ پاک سے خارج نہیں ہرگز یزید"

هل نَسِيتُم مَا أُمِرتُم لَا تَسُبُّوا مَيِّتًا

أَيُّهَا الْعُلَمَاءُ كُفُّوا عَنْ سِبَابِ فِي يَزِيد

ثُمَّ عن إلزام قَتلٍ افتراءٍ باطِلٍ

لَا تَحِيدُوا عَنْ صِرَاطِ الحَقِّ عَن أَمرٍ سَدِيد

إى وربّي حُجّتي قَولُ النَّبِيِّ المُصطفٰے

هَلْ لَكُمْ بُرهَانُ رَبِّي مِن قَدِيمٍ او جَدِيد

حُجّتي سَنَد البُخارِي راوِيًا ابن عمرؓ

ايّها الجُرّاحُ كُفّوا عن معانيدِ العنيد

هَلْ لَكُمْ أَفْوَاهُ صِدْقٍ اَو لَكُمْ آذانُ حق

هَلْ لَكُمْ ذَوْقٌ سَلِيمٌ بَيْنَكُمْ رَجلٌ رَشِيدٌ؟

◉

کتابیات

۱۔ آثار الباقیہ البیرونی

۲۔ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء الخضری

۳۔ اخبار الطوال ابو حنیفہ الدینوری

۴۔ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ

۵۔ الاستیعاب ابن عبد البر

۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ

۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ

۸۔ الاعلام قاموس التراجم زرکلی

۹۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر

۱۰۔ التنبیہ والاشراف مسعودی

۱۱۔ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ ابن ہشام

۱۲۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ابن تیمیہ

۱۳۔ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب

۱۴۔ العقد الفرید ابن عبدربہ

۱۵۔ العواصم من القواصم ابن العربی

۱۶۔ الامامۃ والسیاسۃ الدینوری

۱۷۔ انساب الاشراف بلاذری

۱۸۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا گیارہواں ایڈیشن (انگلش)

۱۹۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)

۲۰۔ بذل المجہود شرح ابی داؤد۔

۲۱۔ البیان والتبیین جاحظ

۲۲۔ تاج العروس شرح قاموس

۲۳۔ تاریخ الاسلام ذہبی

۲۴- تاریخ ادبیات عرب کلیمنٹ ہوار (انگلش)

۲۵- تاریخ ابن خلدون

۲۶- تاریخ الامم والملوک طبری

۲۷- تاریخ ادبیات عرب نکلسن (انگلش)

۲۸- تاریخ تمدن الاسلامی جرجی زیدان

۲۹- تاریخ عرب امیر علی (انگلش)

۳۰- تاریخ عرب ہتی (انگلش)

۳۱- تاریخ مسلمانان اسپین دوزی (انگلش)

۳۲- تاریخ عروج وزوال روما الکبریٰ گبن (انگلش)

۳۳- تاریخ کعبۃ المعظمہ

۳۴- تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی

۳۵- جامع ترمذی

۳۶- جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلش)

۳۷- جلاء العیون ملا باقر مجلسی

۳۸- جمہرۃ الانساب ابن حزم

۳۹- جمہرۃ الخطب العرب احمد ذکی صفوت

۴۰- حاضر العالم الاسلامی شکیب ارسلان

۴۱- حیات محمد۔ محمد حسین ہیکل

۴۲- دی گریٹ اینڈ محمد حارث (انگلش)

۴۳- رحلہ ابن بطوطہ

۴۴- رحلہ ابن جبیر

۴۵- رحلۃ الحجاز البتونی

۴۶- سفرنامہ مکہ ومدینہ رچرڈ برٹن (انگلش)

۴۷- سنن ابی داؤد

۴۸- سنن نسائی

۴۹- سیرۃ الحلبیہ

۵۰- شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید

۵۱- شفاء الغلیل للخفاجی

۵۲- صحیح البخاری

۵۳- صحیح مسلم

۵۴- ضمیمہ فہرست مخطوطات عربیہ مرتبہ سی ریو۔

۵۵- طبقات ابن سعد

۵۶- عرب ومشرق بعید پروفیسر حزین (انگلش)

۵۷- علی وبنوہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔

۵۸- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب

۵۹- غزوات النبیؐ ڈاکٹر حمید اللہ

۶۰- غنیۃ الطالبین الجیلانی

۶۱- فتح الباری شرح بخاری

۶۲- فتوح البلدان بلاذری

۶۳- فہرست ابن الندیم

۶۴- کامل الصناعۃ علی المجوسی

۶۵- کتاب الاغانی اصفہانی

۶۶- کتاب الجرح والتعدیل ابی حاتم الرازی۔

۶۷- کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ

۶۸- کتاب الزہد امام احمد بن حنبلؒ

۶۹- کتاب المحبر ابی جعفر محمد

۷۰- کتاب المسالک والممالک ابن حوقل

۷۱- " " " الاصطخری

۷۲- کتاب المعارف ابن قتیبہ

۷۳- کتاب نسب قریش مصعب الزبیری

۷۴- کشف الاحوال فی نقد الرجال فاضل مدراسی

۷۵- اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ سیوطی

۷۶- لسان العرب

۷۷- لسان المیزان ابن حجر عسقلانی

۷۸ - لغت الجوالیقی -
۷۹ - مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی -
۸۰ - محاضرات تاریخ الاسلام الخضری
۸۱ - محمد ایٹ مدینہ منٹگمری واٹ (انگلش)
۸۲ - معجم البلدان یاقوت حموی
۸۳ - المعرب للجوالیقی
۸۴ - مکتوب مجدد الف ثانی رح
۸۵ - مکتوب شیخ الہند مدنی رح
۸۶ - مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی
۸۷ - مقتل ابو مخنف
۸۸ - مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۸۹ - منتخبات فی اخبار الیمن
۹۰ - منہاج السنہ ابن تیمیہ
۹۱ - موطا امام مالک رح
۹۲ - میزان الاعتدال ذہبی -
۹۳ - ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۹۴ - نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی
۹۵ - وفیات الاعیان ابن خلکان
۹۶ - وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم